کنز المدارس بورڈ کے نصاب میں شامل

سامی اور غیر سامی مذاہب کی تاریخ، حقائق،
عبادات، رسم و رواج اور تقابل پر مبنی کتاب

مِیزانُ الاَدیانِ بالاسلام

صفحات 286

پیشکش
المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)
Islamic Research Center
R&D Kanzul Madaris Board

کنزالمدارس بورڈ کے نصاب میں شامل تقابلِ ادیان کے موضوع پر اہم کتاب

میزان الادیان بالاسلام

مؤلف

ابو سعد مولانا گل رضا عطاری مدنی

پیش کش

المدينة العلمية

Islamic Research Center

ناشر

مکتبۃ المدینہ کراچی

نام کتاب	میزان الادیان بالاسلام
پیش کش	المدینۃ العلمیۃ Islamic Research Center
مؤلف	ابو سعد مولانا گل رضا عطاری مدنی
پہلی بار	ربیع الاول ۱۴۴۵ھ، ستمبر 2023ء
تعداد	5000 (پانچ ہزار)

جملہ حقوق بحق مکتبۃ المدینہ محفوظ ہیں

مکتبۃ المدینہ
MAKTABA TUL MADINAH

دینی کتابوں کی اشاعت کا بین الاقوامی ادارہ

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، کراچی

Faizan-E-Madina,Mohalla Sodagaran,Old Sabzi Mandi,Karachi

UAN : +92211111252692, :92-313-1139278

www.dawateislami.net www.maktabatulmadina.com

ilmia@dawateislami.net feedback@maktabatulmadina.com

پاکستان کے چند مکتبۃ المدینہ

اسلام آباد: شبیر شریف روڈ G-11 مرکز اسلام آباد	051 5553765	لاہور: داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ	0423731679
ملتان: نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ	0614511192	فیصل آباد: امین پور بازار	0412632625
پشاور: مکتبۃ المدینہ پشاور، رانیر پوپنٹ	00923119677780	حیدرآباد: فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن	0222620122
سکھر: مکتبۃ المدینہ، فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ سکھر	00923122617826	میرپور آزاد کشمیر: چوک شہیداں	05827437212

تصدیق نامہ

تاریخ: ۱۳ صفر المظفر ۱۴۴۵ھ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ حوالہ نمبر: 286

تصدیق کی جاتی ہے کہ کتاب ”میزان الادیان بالاسلام“ (مطبوعہ مکتبۃ المدینہ) پر مجلس تفتیشِ کتب و رسائل کی جانب سے نظرِ ثانی کی کوشش کی گئی ہے۔ مجلس نے اسے عقائد، کفریہ عبارات، اخلاقیات، فقہی مسائل اور عربی عبارات وغیرہ کے حوالے سے مقدور بھر ملاحظہ کر لیا ہے، البتہ کمپوزنگ یا کتابت کی غلطیوں کا ذِمّہ مجلس پر نہیں۔

مجلس تفتیشِ کتب و رسائل (دعوتِ اسلامی)
31-08-2023

Go to Index

یادداشت

(دورانِ مُطالعہ ضَرورتاً انڈر لائن کیجئے، اِشارات لکھ کر صفحہ نمبر نوٹ فرمالیجئے، اِن شاءاللہ علم میں ترقی ہوگی۔)

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

www.dawateislami.net

Go to Index

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

www.dawateislami.net

اجمالی فہرست

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
9	مقدمہ	1
15	اسلام	2
61	یہودیت	3
88	عیسائیت	4
113	صابئہ / منڈائیہ	5
123	ہندو مذہب	6
142	زرتشتیت	7
156	تاؤمت	8
159	بدھ مذہب	9
175	کنفیوشس اِزم	10
181	جین مت	11
189	سکھ مذہب	12
201	دہریت	13
203	الحاد	14
210	لبرل اِزم	15
219	استشراق	16
226	تبشیر / تنصیر	17
227	استعمار	18
229	سیکولرازم	19
245	قادیانیت	20
265	وحدۃُ الادیان	21

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ط
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

”اسلام حق اور سچا دین ھے“ کے 18 حُرُوف کی نسبت سے اِس کتاب کو پڑھنے کی 18 نیّتیں

فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم: ”نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ یعنی مسلمان کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔“ (معجم کبیر، 6/185، حدیث:5942)

مَدَنی پھول: جتنی اچھی نیّتیں زیادہ، اُتنا ثواب بھی زیادہ۔

(1) ہر بار حمد و (2) صلوٰۃ اور (3) تعوُّذ و (4) تَسمِیہ سے آغاز کروں گا (اِس صفحے کی ابتدا میں دی گئی دو عربی عبارات پڑھ لینے سے چاروں نیّتوں پر عمل ہو جائے گا) (5) رِضائے اِلٰہی کے لئے اوّل تا آخر اِس کتاب کا مُطالعہ کروں گا (6) حَتَّی الْوَسْع اس کا باوُضو اور (7) قبلہ رُو مُطالعہ کروں گا (8) جہاں اللہ کا نامِ پاک آئے گا وہاں پاک اور (9) جہاں سرکار کا اِسمِ مُبارک آئے گا وہاں صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پڑھوں گا (10) اِس رِوایت ”عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَۃُ یعنی نیک لوگوں کے ذِکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔“ (حلیۃ الاولیاء، 7/335، رقم:10750) پر عمل کرتے ہوئے صالحین کے ذکر کی برکتیں لُوٹوں گا (11) اسلام کے دیگر مذاہب کے ساتھ کیے گئے تقابل کا مطالعہ کر کے اپنے ایمان کو پختہ بناؤں گا اور (12) خود کو بدمذہبیت سے بچاؤں گا (13) باطل ادیان و مذاہب کے عقائد اور رُسومات وغیرہ سے آگاہی حاصل کر کے ان سے خود بھی بچوں گا اور دوسروں کو بھی بچاؤں گا (14) دوسروں کو یہ کتاب پڑھنے کی ترغیب دلاؤں گا (15) اِس حدیثِ پاک ”تَھَادَوْا تَحَابُّوْا یعنی ایک دوسرے کو تحفہ دو آپس میں محبت بڑھے گی۔“ (مؤطا امام مالک، 2/407، حدیث:1737) پر عمل کی نیّت سے (ایک یا حسبِ توفیق) یہ کتاب خرید کر دوسروں کو تحفہ دوں گا (16) اِس کتاب کے مُطالعے کا ثواب ساری اُمّت کو اِیصال کروں گا (17) ذاتی نسخے پر ”یادداشت“ والے صفحہ پر ضروری نِکات لکھوں گا (18) کتابت وغیرہ میں شَرعی غَلَطی ملی تو ناشرین کو تحریری طور پر مطلع کروں گا۔ (مصنّف یا ناشرین وغیرہ کو کتابوں کی اَغلاط صِرف زبانی بتانا خاص مفید نہیں ہوتا)

المدینۃ العلمیۃ

(Islamic Research Centre)

عالَمِ اسلام کی عظیم دِینی تحریک دعوتِ اسلامی نے مسلمانوں کو دُرُست اِسلامی لٹریچر پہنچانے اور اس کے ذَریعے اِصلاحِ فرد و مُعاشرہ کے عظیم مقصد کے لئے 1421ھ مطابق 2001ء کو جامعۃ المدینہ گلستانِ جوہر کراچی میں المدینۃ العلمیۃ کے نام سے ایک تحقیقی اِدارہ قائم کیا جس کا بنیادی مقصد اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق شائع کروانا تھا۔جمادی الاولیٰ 1424ھ / جولائی 2003ء اسے عالمی مَدَنی مرکز فیضانِ مدینہ پُرانی سبزی منڈی یونیورسٹی روڈ کراچی میں منتقل کر دیا گیا۔ امیرِ اہلِ سنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی علّامہ محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ کے نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اِشاعَتِ عِلمِ شریعت کا عزم پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ اِدارہ چھ شعبہ جات میں تقسیم کیا گیا پھر ان میں بتدریج اِضافہ ہوتا رہا۔ اس کی کراچی کے علاوہ ایک شاخ مَدَنی مرکز فیضانِ مدینہ، مدینہ ٹاؤن فیصل آباد پنجاب میں بھی قائم ہو چکی ہے، دونوں شاخوں میں 120 سے زائد عُلَما تصنیف و تالیف یا ترجمہ و تحقیق وغیرہ کے کام میں مصروف ہیں اور 2021ء تک اس کے 23 شعبے قائم کئے جا چکے ہیں:

(1)شعبہ فیضانِ قرآن (2)شعبہ فیضانِ حدیث (3) شعبہ فقہ (فقہ حنفی و شافعی)(4)شعبہ سیرتِ مصطفےٰ (5)شعبہ فیضانِ صحابہ و اہلِ بیت (6) شعبہ فیضانِ صحابیات و صالحات (7) شعبہ فیضانِ اَولیا و عُلَما(8) شعبہ کُتبِ اعلیٰ حضرت (9) شعبہ تخریج (10) شعبہ دَرسی کتب (11)شعبہ اِصلاحی کتب (12) شعبہ ہفتہ وار رِسالہ (13)شعبہ بیاناتِ دعوتِ اسلامی (14)شعبہ تراجمِ کتب (15)شعبہ فیضانِ امیرِ اہلِ سنّت (16)ماہنامہ فیضانِ مدینہ (17)شعبہ دِینی کاموں کی تحریرات ورَسائل (18)دعوتِ اسلامی کے شَب و روز (19)شعبہ بچّوں کی دُنیا (20) شعبہ رَسائلِ دعوتِ اسلامی (21)شعبہ گرافکس ڈیزائننگ (22)شعبہ رابطہ برائے مصنفین و محققین (23)شعبہ اِنتظامی امور قائم ہیں۔

المدینۃ العلمیۃ کے اَغراض و مقاصد یہ ہیں: ☆ باصلاحیت علمائے کرام کو تحقیق، تصنیف و تالیف کیلئے پلیٹ فارم مہیا کرنا اور ان کی صلاحیتوں میں اضافہ کرنا۔ ☆ قرآنی تعلیمات کو عصری تقاضوں کے مطابق منظرِ عام پر لانا۔ ☆ اِفادۂ خواص وعوام کیلئے علومِ حدیث اور بالخصوص شرحِ حدیث پر مشتمل کتب تحریر کرنا۔ ☆ سیرتِ نبوی، عہدِ نبوی، قوانینِ نبوی، طبِ نبوی وغیرہ پر مشتمل تحریریں شائع کرنا۔ ☆ اہلِ بیت و صحابۂ کرام اور عُلَما و بزرگانِ دِین کی حیات و خدمات سے آگاہ

کرنا۔ ☆بزرگوں کی کتب ورسائل جدید منہج واسلوب کے مطابق منظر عام پر لانا بالخصوص عربی مخطوطات (غیر مطبوع) کتب ورسائل کو دورِ جدید سے ہم آہنگ تحقیقی منہج پر شائع کروانا۔ ☆نیکی کی دعوت کا جذبہ رکھنے والوں کو مستند مواد فراہم کرنا۔ ☆دینی ودُنیاوی تعلیمی اِداروں کے طلبہ کو مستند صحت مند مواد کی فراہمی نیز درسِ نظامی کے طلبہ واَساتذہ کے لئے نصابی کتب عمدہ شروحات وحواشی کے ساتھ شائع کرکے ان کی ضرورت کو پورا کرنا۔

الحمدللہ !اَمیرِ اہلِ سنّت دامت برکاتہم العالیہ کی شفقت و عنایت، تربیت اور عطا کردہ اُصولوں پر عمل پیرا ہونے کا ہی نتیجہ ہے کہ دُنیا و آخرت میں کامیابی پانے، نئی نسل کو اِسلام کی حقانیت سے آگاہ کرنے، انہیں باعمل مسلمان اور ایک صحت مند مُعاشرے کا بہترین فرد بنانے، والدین واَساتذہ اور سرپرست حضرات کو اَنداز ِتربیت کے دُرُست طریقوں سے آگاہ کرنے اور اِسلام کی نظریاتی سرحدوں اور دِین واِیمان کی حفاظت کیلئے المدینۃ العلمیۃ نے اپنے آغاز سے لے کر اب تک جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے بشمول المدینۃ العلمیۃ دعوتِ اسلامی کے دِینی کاموں، اِداروں اور شعبوں کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ اٰمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

تاریخ:15 شوال المکرم 1442ھ / 27 مئی 2021ء

پیش لفظ

تقابلِ ادیان ایک مشکل و پیچیدہ موضوع ہے کیونکہ ادیان و مذاہب کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنے قدیم یہ ادیان و مذاہب خود ہیں پھر یہ کہ اوراقِ تاریخ میں انہیں درج کرنے کا اہتمام بھی بہت بعد میں ہوا۔ اس دورِ جدید میں باطل نے ایسی جدید شکلیں مثلاً الحادِ جدید، سیکولرازم، لبرل اِزم، ماڈرن اِزم وغیرہ اختیار کرلی ہیں جن سے عالمِ اسلام سمیت دنیا بھر کے انسان متأثر و پریشان ہیں۔ پوری اُمّتِ مسلمہ کے لئے بالعموم اور مدارسِ دینیہ کے لئے بالخصوص ایک عرصہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ تقابلِ ادیان و مذاہب کے موضوع پر ایک ایسی جامع، مختصر اور قابلِ اعتماد کتاب مرتب کی جائے کہ جس سے عوام و طلبائے کرام، دیگر مذاہب کا تعارف، ان کی تاریخ اور اہم رسم و رواج کے ساتھ ساتھ تقابل میں اسلام کی حقانیت وبرتری کو بھی ذہن نشین کرکے نئی نسل کے سامنے تقابلی مطالعہ پیش کرنے کے قابل ہوں۔ امید ہے اس کے لئے یہ کتاب "میزان الادیان بالاسلام" کافی حد تک معاون رہے گی۔

اس کتاب کی تالیف میں افراط و تفریط سے بچتے ہوئے راہِ اعتدال کو اختیار کیا گیا ہے یعنی بے جا تفصیل اور حد سے زیادہ اختصار سے کام لئے بغیر بنیادی اور اہم قدیم و جدید مذاہب کے متعلق مفید مواد جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے کیونکہ تمام ادیان و مذاہب کا اِحاطہ یقیناً ایک انتہائی مشکل اور طوالت والا کام ہے۔ ہر مذہب کے تعارف اور تاریخ کے بعد اس کی اہم باتوں کو ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد عظمتِ اسلام کو بیان کرنے کے لئے ہر مذہب کے اہم امور کا اسلام کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے لیکن اس میں تمام جزئیات کا احاطہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ چند امور پر اکتفا کیا گیا ہے۔ دوسرے مذاہب کے تقابل میں اسلام کی فوقیت و حقانیت کو بیان کرنے کے لئے قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں عقلی اور جدید علوم سے دلائل قلم بند کئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں دیگر مذاہب سے متعلق جو مواد ذکر کیا گیا ہے وہ سو فیصد ان کی اصل کتب سے لیا گیا ہو ایسا نہیں بلکہ اپنی بساط کے مطابق ان سے استفادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر مذہب کی لکھی گئیں کتب یا تو ان کی اپنی زبان میں ہیں یا پھر کسی ایسی زبان میں کہ جسے سمجھنا بہت مشکل ہے لہٰذا مواد لینے میں ثانوی ماخذ یعنی ان کے تراجم کے ساتھ ساتھ جدید ذرائع مثلاً ویب سائٹس وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔ حتّی الامکان تمام مذاہب کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی مذہب کے تعارف، عقائد، رسم و رواج یا اس کے علاوہ پوری کتاب

میں کہیں غلطی پائیں تو ضرور مطلع فرمائیں۔

اس کتاب کو راقم (ابو سعد مولانا گل رضا مدنی صاحب) نے تالیف کرنے کی سعادت پائی جبکہ اس اہم و پیچیدہ کام میں مولانا فرحان اختر صاحب، مولانا احمد مشتاق صاحب، مولانا محمد احمد مدنی صاحب، مولانا سید فیضان علی مدنی صاحب اور مولانا محمد سعود مدنی صاحب نے خوب تعاون فرمایا۔

اللہ پاک اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اسے عوام بالخصوص طلبائے کرام کے حق میں نافع بنائے۔ اٰمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

مقدمہ

مذہب کی تعریف

مذہب کا لغوی معنٰی جانا (چلنا)، گزرنا اور راستہ ہے یعنی وہ راستہ جس پر چلا جائے۔ اصطلاحی طور پر اس سے مراد وہ راستہ ہے کہ جس پر چل کر عبادات واحکامات کو بجالایا جائے اور ائمۂ اسلام کی اصطلاح میں لفظِ مذہب رائے یا مسلک کے معنٰی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

دین کی تعریف

دین کے لغوی معنٰی ہیں: راستہ، عقیدہ وعمل کا منہج، نظامِ زندگی، سیرت، فرمانبرداری، برتاؤ، سلوک، حساب واحتساب، ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ برتاؤ ہو یا مخلوق کا خالق کے ساتھ معاملہ، ان سب باتوں کو دین کہا جائے گا۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''مفردات'' میں دین کے معنٰی ''الطاعۃ والجزاء'' بیان فرمائے ہیں۔[1] صحیح بخاری میں دین کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے: اَلدِّیْنُ: اَلْجَزَاءُ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ یعنی دین خیر اور شر کی جزا کا نام ہے۔[2]

یعنی دین خالص قرآنی اور اسلامی اصطلاح ہے جو مذہب کی اصطلاح سے کہیں زیادہ جامع اور وسیع ہے لہٰذا دین اسی نظام کو کہا جاسکتا ہے جو ہر اعتبار سے کامل واکمل ہو، اِنفرادی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح تک زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کو محیط ہو، ہر شعبۂ حیات میں مؤثر اور قابلِ عمل راہ نمائی مہیا کرسکتا ہو اور اس میں خیر اور شر کی جزا کا واضح نظام موجود ہو۔

دین اور مذہب میں کیا فرق ہے؟

عام طور پر دین اور مذہب کو ایک دوسرے کا مترادف تصور کیا جاتا ہے لیکن باریک بینی سے دیکھا جائے تو ان دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ لفظِ مذہب محدود جبکہ دین وسیع معنٰی رکھتا ہے، دین کُل ہے اور کسی بھی نظام کے اُصول وضوابط کا نام ہے نیز دین، دنیا وآخرت کے تمام گوشوں کو محیط ہے اس کے برعکس مذہب جزو ہے جو شرعی عبادات واَحکامات سے متعلق راہ نمائی کرتا ہے۔

اسلام مذہب ہے یا دین؟

اسلام دین ہے کیونکہ دین میں زیادہ وسعت اور جامعیت پائی جاتی ہے اور قرآنِ مجید واَحادیثِ مبارکہ میں اسلام کے

---

1 ......المفردات فی غریب القراٰن، ص 175

2 ......بخاری، 3/163

لئے لفظِ دین ہی استعمال ہوا ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾(پ۳،اٰلِ عمرٰن:۱۹)ترجمۂ کنزُ العرفان: بیشک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

دوسرے مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (پ۶،المائدۃ:۳)

ترجمۂ کنزُ العرفان: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اسی طرح جب اللہ پاک نے قرآنِ مجید میں نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کی بعثت کو ذکر فرمایا تو ساتھ میں دین کا لفظ بھی ذکر کیا چنانچہ ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۠ (۹) (پ۲۸،الصف:۹)

ترجمۂ کنزُ العرفان: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کردے اگرچہ مشرکوں کو ناپسند ہو۔

اسلام وہ نظامِ حیات ہے جو کمال درجہ جامعیت کی شان کے ساتھ بیک وقت دنیا اور آخرت کو محیط ہے اور اس میں معیشت، معاشرت اور سیاست سب شامل ہیں۔ اسلام کو اس لئے اُتارا گیا تاکہ لوگ دنیا میں اس پر عمل پیرا ہو کر بہتر اور پاکیزہ زندگی گزاریں لہٰذا اِسلام کو بار بار دین ہی سے تعبیر کیا گیا ہے جبکہ مذہب کا لفظ اُن نظریاتِ حیات پر بولا جاتا ہے جو دین ودنیا کی تفریق پر مبنی ہیں گویا کہ مذہب چند عقائد، اعمال، عباداتی رسوم اور اخلاقی ضوابط کا نام ہے جبکہ دین ہماری پوری زندگی پر محیط ہے۔

مذہب کی ضرورت

اللہ پاک نے انسان کو مادی اور روحانی احتیاجات کے ساتھ اس دنیا میں بھیجا تو جہاں اس کی مادی ضروریات یعنی بھوک، پیاس اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے خوراک، پانی اور اس کے لئے جوڑے کا انتظام کیا وہاں بالکل اسی طرح اس کی روحانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اسے ایک واضح نظامِ ہدایت بھی عطا فرمایا تاکہ روح بھی سکون اور اطمینان میں رہے۔ یاد رہے! انسان کی دنیاوی اور اُخروی زندگی کی فلاح کے لئے پروردگار نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام مبعوث فرمائے۔ جس طرح مادی ضروریات انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں اسی طرح انسان کی روحانی زندگی میں بھی روح کے لئے غذا ضروری ہے اور روح کی غذا عبادت ہے اس کے بغیر انسان ''انسان''نہیں

بلکہ حیوان ہے جیسا کہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّؕ-اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾(پ۹،الاعراف:۱۷۹)
ترجمۂ کنزالعرفان: یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے،یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

بہر حال مذہب کی ضرورت تاریخی، عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت ہے کیونکہ دنیا کی ہر قوم وملت کسی نہ کسی قاعدے، ضابطے اور نظمِ حیات کی پابند رہی ہے۔ مذہب کے بغیر زندگی میں نظم وضبط اور ترتیب پیدا نہیں ہوتی، وحشی اقوام وقبائل بھی کسی نہ کسی صحیح یا غلط مذہب کو مانتے رہے ہیں۔مذہب کے بغیر انسان کی ذہنی، قلبی اور روحانی پیاس نہیں بجھ سکتی۔

مذہب کے بنیادی عناصر

کسی بھی مذہب کے بنیادی عناصر عموماً تین ہوتے ہیں:(1)عقیدہ(2)رسوم(3)اَخلاق

عقیدہ

عقیدہ ہر مذہب کے لئے بنیادی اور فطری عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ دراصل یہ لفظِ عقد سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنیٰ کسی چیز کو باندھنے یا گرہ اور گانٹھ لگانے کے ہیں اور اصطلاح میں عقیدہ سے مراد وہ قلبی تصدیق ہے جو کسی تصور میں یقین کی کیفیت پیدا کرے۔ یادرہے!عقیدہ نہ بدلتا ہے اور نہ ہی کھلتا ہے نیز بحیثیتِ مسلمان ہمارا عقیدہ وہ دین ہے جو کہ ایک ایسا الہامی مذہب ہے جس کے خدوخال قرآن وحدیث نے تفصیل سے واضح فرمادیئے ہیں اور اس کی بنا چند بنیادی عقائد پر رکھی گئی ہے جنہیں اَرکانِ ایمان بھی کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں: اللہ پاک، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یومِ آخرت اور اچھی بُری تقدیر پر ایمان لانا۔

رُسوم

رُسوم مذہب کے لیے دوسرا بڑا اہم عُنصُر ہے۔رُسوم رسم کی جمع ہے جس کے معنیٰ رِیت،رواج، دستور اور قاعدے کے ہیں یعنی کسی بھی مذہب کے ماننے والے کی پیدائش، بچپن، جوانی،شادی الغرض پوری زندگی اور موت کی طرف منتقلی تک کے دستور اور قاعدوں کو رُسوم کہا جاتا ہے۔ الہامی مذاہب میں رُسوم کو بڑی اہمیت حاصل ہے بلکہ یوں کہیے کہ ان کے بغیر الہامی مذہب کے وجود کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ دینِ اسلام کی رُسوم براہِ راست اَصلِ وحی سے صراحتاً یا اِشارتاً ماخوذ ہیں اور اَلحمدُ للہ دینِ اسلام نے اپنے ماننے والوں کی زندگی کی ابتدا سے انتہا تک کی رُسوم میں مکمل راہ نمائی فرمائی ہے۔

اخلاق

اخلاق ہر مذہب اور دین کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جس میں انسانی اعمال کے فضائل اور رزائل کو بیان کیا جاتا ہے۔

اَخلاق خُلق کی جمع ہے جس کے معنیٰ پختہ عادت کے ہیں اور اصطلاح میں خُلق انسان کی ایسی کیفیت اور پختہ عادت کا نام ہے جس کی وجہ سے بغیر کسی فکر و توجہ کے نفس سے اعمال سر زد ہوں۔ بہر حال مسلمان کے لئے عمدہ اور حسین اَخلاق کا مالک ہونا بہت ضروری ہے اور دینِ اسلام میں اس کی بہت تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: اِنَّ مِنْ اَکْمَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِه یعنی مؤمنوں میں سے کامل ترین مؤمن وہ ہے جو بہترین اخلاق کا مالک ہے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ انتہائی نرم ہے۔[1]

مذاہب کی تقسیم

دین و مذہب کی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ادیان و مذاہب کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(1) سامی اور غیر سامی مذاہب (2) الہامی اور غیر الہامی مذاہب

(1) سامی اور غیر سامی مذاہب

مذاہب کی تقسیم جب کسی خاص نسل کی بنیاد پر کی جائے تو اسے سامی و غیر سامی ادیان کا نام دیا جاتا ہے اور اس اعتبار سے ان کو کئی گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن میں سے تین گروہ بہت بڑے ہیں: (1) سامی (2) آریائی (3) منگولی، یاد رہے! عام طور پر سامی کے مقابلے میں آریائی و منگولی مذاہب کو ہی بیان کیا جاتا ہے اور یہ دونوں غیر سامی مذاہب ہیں۔

سامی مذاہب

سامی مذاہب سے مراد وہ مذاہب ہیں جو اللہ پاک کے پیارے نبی حضرتِ نوح علیہ السّلام کے بیٹے حضرتِ سام بن نوح کی طرف منسوب ہیں، اسی مناسبت سے ان کو سامی مذاہب کہا جاتا ہے۔ سامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام داخل ہیں۔ یاد رہے! ان مذاہب اور بالخصوص اسلام کے سامی ہونے کا مطلب ہے کہ ان کا آغاز سامی اقوام میں ہوا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مذاہب صرف سامی لوگوں تک محدود یا سامی نسل کی برتری پر مبنی نہیں۔ اسلام کی تو کیا بات ہے! یہ ایک عالمگیر اور دنیا کے ہر خطے اور قوم میں پایا جانے والا مذہب ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات میں سامی نسل کی تخصیص یا برتری کے بجائے مساوات و مواخات کا درس دیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ پاک اِرشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (پ٢٦، الحجرات:١٠) ”ترجَمۂ کنزُالعرفان: صرف مسلمان بھائی بھائی ہیں۔“ نیز حدیثِ پاک میں ہے: اَلنَّاسُ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ یعنی

[1]......ترمذی، 4/278، حدیث: 2621

لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔[1]

آریائی مذاہب

اس سے مراد وہ مذاہب ہیں جن کی تشکیل آریائی قوم کے ذریعے ہوئی، ان میں ہندومت، جین مت، زرتشت، سکھ مت، پارسی اور دیگر مذاہب شامل ہیں جبکہ بدھ مت کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ آریائی مذاہب میں شامل ہے یا نہیں؟

منگولی مذاہب

اس سے مراد وہ مذاہب ہیں جنہیں منگول قوم میں عروج حاصل ہوا، ان میں کنفیوشس اِزم، شنٹواِزم، تاؤاِزم اور دیگر مذاہب شامل ہیں۔ منگولی مذاہب کو چینی مذاہب (Chinese religions) بھی کہا جاتا ہے۔

(2) الہامی اور غیر الہامی مذاہب

الہامی مذاہب

اس سے مراد وہ اَدیان و مذاہب ہیں جن کے پاس کوئی نہ کوئی آسمانی کتاب کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے یعنی ان مذاہب کی بنیاد وحیِ الٰہی پر ہے اور ان مذاہب میں عوام الناس کو عقائد، عبادات، معاملات، حلال و حرام اور دیگر مذہبی اُصولوں کا علم نبیوں اور رَسولوں کی معرفت سے حاصل ہوا۔ الہامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اِسلام داخل ہیں اور ان تینوں مذاہب کو سامی / الہامی / سماوی مذاہب بھی کہا جاتا ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں یہودیت اور عیسائیت کے ماننے والوں کو اہلِ کتاب کہا جاتا ہے۔

غیر الہامی مذاہب

اس سے مراد وہ اَدیان ہیں جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب موجود نہیں اور نہ ہی ان کی بنیاد وحیِ الٰہی پر ہوتی ہے جیسے ہندومت، بدھ مت، زرتشتیت وغیرہ۔ ان مذاہب کو غیر سامی / غیر الہامی بھی کہا جاتا ہے۔

نوٹ: مذکورہ بالا سطور میں جن مذاہب کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ بھی بہت سے ایسے مذاہب ہیں جو مَظاہرِ فطرت، اَرواح، جنات اور دیوتاؤں کی پرستش پر یقین رکھتے ہیں۔ ان میں یونانی مذاہب، آسٹریلیائی مذاہب، افریقہ کے قبائلی مذاہب اور قدیم امریکی قوم کے مذاہب شامل ہیں۔

---

1 ...... سنن کبریٰ للبیھقی، 10، 392، حدیث: 21062

تقابلِ ادیان سے کیا مراد ہے؟

اس سے مراد دنیا کے مختلف و مشہور مذاہب وادیان کا غیر جانبدارانہ مقابلہ اور ان کے اصول وعقائد اور عبادات ورُسوم کا غیر متعصبانہ مطالعہ ہے تاکہ ہر ایک کی قدر و قیمت اور اس کے مسائل کا حُسن و قبح معلوم کیا جاسکے نیز اگر کسی دین ومذہب میں کوئی خوبی ہو تو اس کو بیان کر دیا جائے اور اگر کوئی نقص ہو تو اس کا مدلل رَد کر دیا جائے اور اس مذہب پر اسلام کی عقلی و نقلی فضیلت دلائل سے ثابت کی جائے تاکہ نئی نسلیں اور پڑھے لکھے ذہن اس پر شعوری ایمان لائیں اور ان کی زندگیوں میں مطلوبہ تبدیلی واقع ہو۔

موضوع کی ضرورت وفوائد

اس کا فائدہ یہ ہے کہ نہ صرف اس سے ہماری دینی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ علم و استدلال کی راہ کھلتی ہے اور صحیح و سقیم کا فرق واضح ہوتا ہے۔ ہم مسلم ہیں اور ہمارا دین بفضلِ خدا عقل و فکر کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے۔ اس مضمون سے غیر شعوری ایمان کو شعوری اور پختہ بنانے میں مدد ملتی ہے اور دیگر مذاہب کو پڑھنے سے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر مستند، تحریف شدہ اور غیر جامع ادیان ہیں تو دینِ اسلام کی محبت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ادیان ومذاہب کا مطالعہ بھی بڑا دلچسپ ہے کہ اس سے ہمیں بڑی عبرتیں حاصل ہوتی ہیں اور انسانی فطرت اور نفسیات کی گہرائیوں کا کچھ بھید کھلتا ہے۔ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح عقائد و ایمانیات اور اعمال ورُسوم بھی مختلف اہلِ مذاہب کے میل ملاپ سے متأثر ہوتے ہیں اور اس طرح مشرق کی چیزیں مغرب میں اور مغرب کی مشرق میں جا پہنچتی ہیں۔

یاد رہے! دنیا کے مختلف اَدیان و مذاہب کا مطالعہ مسلمانوں کے لئے نئی چیز نہیں ہے کیونکہ ہمیں قرآنِ پاک میں اس موضوع پر کافی مواد ملتا ہے۔ مشرکوں، دہریوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے عقائد و اعمال اور اَخلاق و کردار کا اس کتابِ عظیم میں جگہ جگہ ذکر موجود ہے۔ مخالفینِ اسلام کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا رد کیا گیا ہے۔ سابق انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور ان کی اُمتوں پر جابجا تبصرے پائے جاتے ہیں، دینِ حق کی خاطر حق پرستوں نے کیا کیا تکالیف اُٹھائیں؟ اسلام کا راستہ روکنے کے لئے کیا کیا ہتھکنڈے اختیار کئے گئے؟ اہلِ ایمان نے کس صبر وثبات اور جان بازی وجان سپردگی کے مظاہرے کئے؟ قرآنِ پاک نے ان سب مضامین کو کہیں تفصیل سے اور کہیں اجمالی طور پر بیان کیا ہے۔ ان تمام واقعات کے بیان کا مقصد ہدایت و عبرت ہے۔

اسلام

لغوی تعارف

لفظِ اسلام ”سَلَمَ“ سے نکلا ہے۔اس کے لغوی معنیٰ ”بچنے، محفوظ رہنے، مصالحت، امن وسلامتی پانے اور فراہم کرنے“ کے ہیں۔[1] اس لغوی معنیٰ کے اعتبار سے حدیثِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:”اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“[2]

اسی مادہ کے بابِ اِفعال سے لفظِ ”اسلام“ بنا ہے۔[3] لغت کے اعتبار سے لفظِ ”اسلام“ کے درج ذیل مفہوم ہیں:

پہلا مفہوم: خود امن وسکون پانا، دوسرے افراد کو امن وسلامتی دینا اور کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے۔[4] قرآنِ پاک میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ (پ۶، المائدہ:۱۶)”ترجمۂ کنز العرفان: اللہ اس کے ذریعے اسے سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے جو اللہ کی مرضی کا تابع ہو جائے۔“

دوسرا مفہوم: ماننا، تسلیم کرنا، جھکنا اور خود سپردگی و اطاعت اختیار کرنا ہے۔[5] قرآنِ کریم میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (پ۱، البقرۃ:۱۳۱)”ترجمۂ کنز العرفان: یاد کرو جب اس کے رب نے اسے فرمایا: فرمانبرداری کر، تو اس نے عرض کی: میں نے فرمانبرداری کی اس کی جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔“

تیسرا مفہوم: صلح و آشتی کا پایا جاتا ہے۔[6] فرمانِ باری تعالیٰ ہے:﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (پ۲، البقرۃ:۲۰۸)ترجمۂ کنز العرفان:”اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔“

اصطلاحی تعارف

اسلام کا اصطلاحی اور شرعی معنیٰ ہے:”اللہ پاک اور اس کے رسول پر سچے دل کے ساتھ ایمان لانا، اللہ پاک کے

---

1. ......لسان العرب، 1/ 1876 ماخوذاً
2. ......بخاری، 1/ 15، حدیث:10
3. ......لسان العرب، 1/ 1878-1879
4. ......لسان العرب، 1/ 1876-1882 ملتقطاً
5. ......لسان العرب، 1/ 1876-1882 ملتقطاً
6. ......لسان العرب، 1/ 1878-1879

احکامات اور اَوامر کو بجالانا اور اس کے نَواہی سے اجتناب کرنا اور اللہ پاک ہی کی عبادت کرنا۔" جب اسلام کے معنیٰ اطاعت اور تسلیم کے ہیں تو اس لحاظ سے مسلم وہ ہے جو حکم دینے والے کے اَمر اور منع کرنے والے کی نہی کو بلا اعتراض تسلیم کرے۔پس یہ نام خود ہی اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے حکم کو مانا جائے اور اس کے آگے بغیر کسی چوں وچرا کے سر جھکا دیا جائے۔مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ ہر معاملے میں صرف اپنی عقل کی پیروی کرے اور نہ ہی یہ ہے کہ احکامِ الٰہی میں سے جو کچھ اس کے مفادات، اغراض اور خواہشات کے مطابق ہو اس کو مانے اور جو مفادات، اغراض اور خواہشات کے خلاف ہو اس کو رد کردے۔

وجہ تسمیہ

دینِ اسلام کو اسلام اس لئے کہا جاتا ہے کہ روئے زمین پر جتنے بھی مختلف دین ہیں ان کے نام یا تو کسی خاص شخصیت کی نسبت سے ہیں یا پھر کسی مخصوص اُمّت کی نسبت سے مثلاً نصرانی نصاریٰ سے لیا گیا، زرتشتیہ اس لئے معروف اور مشہور ہوا کہ اس کا بانی زرتشت تھا۔ اسی طرح یہودیہ یہودا قبیلہ کے درمیان ظاہر ہوا تو اسے یہودیہ کے نام سے موسوم کردیا گیا جبکہ اسلام نہ تو کسی شخصیت کی طرف منسوب ہے اور نہ ہی کسی مخصوص اُمّت اور قوم کی طرف بلکہ اس کا نام ایک خاص صفت کا حامل ہے جو کہ کلمۂ اسلام اپنے اندر سموئے اور ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ اسلام کسی قوم اور ذات وبرادری کا نام نہیں کہ اس میں پیدا ہونے والے کو کچھ کرنا ہی نہ پڑے اور وہ حقیقی مسلمان کہلائے بلکہ اسلام نام ہے اس دین اور طریقے پر زندگی گزارنے کا جو اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اللہ پاک کی طرف سے لائے ہیں اور جو قرآنِ پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی حدیثوں میں بتلایا گیا ہے۔ پس جو کوئی اس دین کو اختیار کرے اور اس طریقے پر چلے وہی مسلمان ہے۔

پسندیدہ دین

اللہ پاک کے نزدیک پسندیدہ دین "اسلام" ہے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫﴾ (پ ٣، اٰلِ عمرٰن: ١٩) "ترجَمۂ کنزالعرفان: بیشک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔"

تاریخِ اسلام

اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کا پرچار تمام انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام نے کیا یہاں تک کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اس کی تبلیغ کے لئے مبعوث ہوئے لہٰذا تاریخِ اسلام ایک وسیع تر عنوان ہے جس پر علمانے علیحدہ سے مبسوط کتب

تحریر فرمائیں لیکن یہاں تقابلِ ادیان میں مختصراً دینِ اسلام کی تاریخ بطورِ تعارف پیش کی جاتی ہے اور اس کا آغاز شارعِ اسلام کی حیاتِ مبارکہ سے کیا جاتا ہے:

بانیِ اسلام

حضرتِ سَیِّدُنا محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اللہ پاک کے آخری نبی ہیں، آپ کی پیدائش 12 ربیع الاول مطابق 571ء پیر شریف کو صبحِ صادق کے وقت ہوئی۔ آپ کی پیدائش پر کئی غیر معمولی واقعات نمودار ہوئے جن کا ذکر قدیم آسمانی کتب میں تھا مثلاً ہزار سال سے فارس کا روشن آتشکدہ بجھ گیا، بوقتِ ولادت ایسا نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے، آپ کی پیدائش کی برکت سے قریش کی معاشی بدحالی دور ہوئی اور وہ خوشحال ہوگئے۔

آپ کا تعلق قریشِ عرب کے معزز ترین خاندان بنوہاشم سے تھا اور آپ کا شجرۂ نسب حضرتِ عدنان بن حضرتِ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بن حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جاملتا ہے، آپ کے دادا حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ قریش کے سردار تھے اور آپ کا نام نامی بھی آپ کے دادا حضرت عبد المطلب نے "محمد" رکھا جبکہ والدہ ماجدہ نے الہامی نام "احمد" رکھا اور یہ دونوں نام عرب معاشرے کے لئے نئے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مصطفیٰ، خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، شافعِ روزِ محشر اور ان جیسے دیگر کثیر القابات ہیں۔

آپ کے والد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ آپ کی پیدائش سے پہلے فوت ہوچکے تھے۔ ابھی آپ کی عمرِ مبارک 6 سال ہی ہوئی تھی کہ آپ کی والدۂ ماجدہ بی بی آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں جو قبیلۂ قریش کے خاندان بنوزہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف کی بیٹی تھیں اور آپ کا شجرہ نسب اپنے شوہر عبد اللہ بن عبد المطلب کے ساتھ عبد مناف بن قصی کے ساتھ مل جاتا ہے۔ آپ کی ابتدائی پرورش بی بی حلیمہ بنت حارث سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی اور آٹھ سال کی عمر میں آپ کے دادا بھی وصال فرما گئے۔ اس کے بعد آپ کی پرورش کی ذمّہ داریاں آپ کے چچا ابو طالب نے سَرانجام دیں اور آپ نے اپنے چچا کے ساتھ شام کے تجارتی سفر بھی اختیار کئے۔ آپ نے چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت فرمایا (جبکہ حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے)[1] جس کے بعد کفّارِ مکہ نے آپ پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے، کبھی معاشی و معاشرتی بائیکاٹ کیا اور شعبِ ابی طالب میں محصور رکھا، طائف کے

---

1 ...... الفتوحات المکیۃ لابن عربی، 1، 351

مقام پر اوباش لڑکوں سے پتھر برسوائے اور سرِ راہ کانٹے بچھائے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اہلِ کتاب کی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی آمد کی بشارت دی گئی تھی اور آپ ان کے درمیان صادق وامین کے لقب سے معروف تھے۔

بہر حال 619ء میں آپ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور اسی سال اُمُّ الْمُومنین حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی وصال ہوا اس لئے اس سال کو عام الحزن قرار دیا گیا۔ اس کے ایک سال بعد 620ء میں آپ معراج پر تشریف لے گئے، سفرِ معراج کے دوران آپ مکۂ مکرمہ سے مسجدِ اقصیٰ گئے تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی امامت فرمائی، آسمانوں میں انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے ملاقاتیں کیں، جنت ودوزخ کو ملاحظہ کیا، اللہ پاک کا دیدار بھی کیا اور اسی سفر میں نماز جیسا عظیم تحفہ پایا۔ بعدِ از اعلانِ نبوت آپ نے تیرہ سال مکۂ مکرمہ میں دینِ اسلام کی دعوت دیتے ہوئے گزارے، جب کفّار کی ایذا رسانی زیادہ ہوئی تو اللہ پاک نے آپ کو 622ء میں مدینۂ منورہ ہجرت کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ آپ نے مدینۂ منورہ ہجرت فرمائی اور مدینۂ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور یہی ریاستِ مدینہ بعد میں پوری دنیا میں اسلام کے نشر واشاعت کا مرکز ٹھہری۔

سن 6ھ اور 628ء میں مدینہ شریف کے مسلمان اور مشرکینِ مکہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسے "صُلحِ حدیبیہ" کہتے ہیں۔ بظاہر یہ معاہدہ مشرکین کے حق میں نظر آرہا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی دانش مندی سے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ اس معاہدے کی ایک بنیادی شق یہ تھی کہ دس سال تک آپس میں کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ اس عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے امن کے ساتھ دعوتِ دین کو جاری رکھا اور صلح حدیبیہ کے بعد مختلف حکمرانوں (مثلاً فارس کے بادشاہ خسرو پرویز، روم کے بادشاہ قیصر، حبشہ کے بادشاہ نجاشی، مصر، اسکندریہ کے حکمران مقوقس اور یمن کے سردار) کو دینِ اسلام کی دعوت پر مشتمل خطوط لکھے اور اپنے سفیروں کو ان خطوط کے ساتھ بھیجا۔ جب آپ کا مبارک خط خسرو پرویز کو دیا گیا تو اس بد بخت نے مبارک خط کو پھاڑ دیا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق اس کی سلطنت کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوئے، نجاشی نے آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی، مصر اور اسکندریہ کے حکمران مقوقس نے نرم جواب دیا اور آپ کی خدمت میں کچھ تحائف اور حضرتِ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو بھی روانہ کیا جن سے حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے بیٹے حضرتِ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔

اللہ پاک نے آپ کے ہاتھوں حیرت انگیز معجزات ظاہر کئے۔ آپ نے اپنے پیروکاروں کی ایسی تربیت فرمائی کہ وہ

اسلام پر مر مٹنے کے لئے تیار ہوئے، انہوں نے آپ کی قیادت میں بدر، اُحد، خیبر اور مختلف جنگوں میں شرکت کی پھر 630ء میں وہ دن بھی آیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور آپ کے جانثاروں نے بغیر جنگ و جدل کے مکہ فتح کیا اور اس عَظِیمُ الشان فتح کے موقع پر آپ نے عاجزی و درگزر کی عالی شان مثال قائم کی اور اپنے دشمنوں کو "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمْ یعنی آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں" فرماکر ایک تاریخ رقم فرمائی اور اپنی صفتِ رحمۃ لِّلعٰلمین کا خوب اظہار فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اپنی زندگی کا آخری حج سن 10ھ میں کیا جسے "حجۃ الوداع" کہتے ہیں اور اسی حجۃ الوداع کے بعد آپ بیمار ہوئے پھر رفتہ رفتہ بیماری کی شدت بڑھ گئی بالآخر آپ پیر کے دن مشہور قول کے مطابق 12 ربیع الاول ہجرت کے گیارویں سال مئی یا جون 632ء میں 63 سال کی عمر میں وصال فرماگئے۔

آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے باعتبارِ روایاتِ مختلفہ 9[1] یا 11 شادیاں فرمائیں[2] اور آپ کی تمام اولاد (دو بیٹے اور چار بیٹیاں) حضرتِ خدیجۃُ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوئیں اور ایک بیٹے حضرتِ ماریہ قبطیہ سے ہوئے، آپ کی اولاد میں سے آپ کے بیٹے بچپن ہی میں وفات پاگئے۔[3]

بیٹوں کے نام

(1) حضرتِ قاسم　　(2) حضرتِ ابراہیم　　(3) حضرتِ عبد اللہ

بیٹیوں کے نام

(1) حضرتِ فاطمہ زہرا　　(2) حضرتِ اُمِّ کلثوم　　(3) حضرتِ رقیہ　　(4) حضرتِ زینب

خلفائے راشدین

خلیفۂ اوّل سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

امیر المؤمنین حضرتِ سَیِّدُنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا اصل نام "عبد اللہ" کنیت "ابو بکر" جبکہ لقب "صدّیق و عتیق" ہے۔

آپ عام الفیل کے دو سال چند ماہ بعد مکۂ مکرّمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ قبولِ اسلام سے پہلے نہ صرف کامیاب تاجر تھے بلکہ اپنے عمدہ اَخلاق اور حُسنِ معاشرت کی وجہ سے اپنی قوم میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے، دیگر سردار مختلف اُمور میں آپ سے

---

1 ...... مدارج النبوۃ، 1 482

2 ...... المواھب اللدنیۃ، 1/401

3 ...... فتح الباری، 1/116، تحت الحدیث: 3821

مشورے بھی کیا کرتے تھے۔(1) 16 یا 18 سال کی عمر میں رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی صحبتِ بابرکت سے فیض یاب ہوئے، جب حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو فوراً نورِ ایمان سے اپنے سینے کو منوّر کر لیا، یوں آپ آزاد بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے کہلائے۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر 38 سال تھی۔(2) اسلام کے پہلے خلیفۂ راشد، عشرۂ مبشرہ میں شامل، خاتم النبیین محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے جانشین صحابی، خسر اور ہجرتِ مدینہ کے وقت رفیقِ سفر تھے۔ اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک حضرتِ سَیِّدُنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ انبیا اور رسولوں کے بعد انسانوں میں سب سے افضل، صحابہ میں ایمان و زہد کے لحاظ سے سب سے برتر اور حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے محبوب تر تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد تیرہ برس مکہ میں گزارے جو سخت مصیبتوں اور تکلیفوں کا دور تھا۔ بعد ازاں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رفاقت میں مکہ سے مدینہ ہجرت کی نیز غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ہم سفر رہے۔ جب حضرت محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم مرضُ الْوَفات میں تھے تو سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مسجدِ نبوی میں امامت کریں۔ رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے وصالِ ظاہری کے بعد تمام مہاجرین و انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور متفقہ طور پر آپ کو پہلا خلیفۃُ المسلمین تسلیم کر لیا۔ منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی سلطنت میں والیوں، عاملوں اور قاضیوں کو مقرر کیا، جابجا لشکر روانہ کئے اور قرآنِ مجید کو جمع کیا، اسلام اور اس کے بعض فرائض سے انکار کرنے والے عرب قبائل سے جنگ کی یہاں تک کہ تمام جزیرۂ عرب اسلامی حکومت کا مطیع ہو گیا۔ فتنۂ اِرتداد (جس میں سرِ فہرست مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگِ یمامہ) ختم ہو جانے کے بعد سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عراق اور شام کو فتح کرنے کے لئے لشکر روانہ کیا۔ ان کے عہدِ خلافت میں عراق کا بیشتر حصہ اور شام کا بڑا علاقہ فتح ہو چکا تھا۔(3) دربارِ رسالت کے اس پیارے چمکتے دمکتے ستارے نے 22 جُمادَی الاُخریٰ 13 ہجری مطابق 23 اگست 634 عیسوی پیر اور منگل کی درمیانی رات مغرب و عشا کے درمیان دارُ الْفَناء سے دارُ الْبَقاء کی طرف کُوچ فرمایا۔ بوقتِ وصال آپ کی عمر 63 سال تھی جبکہ زبانِ مبارک کے آخری کلمات یہ تھے: ”اے پروردگار! مجھے اسلام پر موت عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ

---

1 ...... اسد الغابۃ، 3/316

2 ...... تفسیر خزائن العرفان، پ26، الاحقاف، تحت الآیۃ: 15، ص906 ملخصاً۔ فتاویٰ رضویہ، 28/457

3 ...... فیضانِ صدیق اکبر، ص404-415 ملخصاً

ملادے۔" آپ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔[1]

خلیفۂ دوم سَیِّدُنا عمرِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

حضرتِ سَیِّدُنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا لقب "فاروق" اور کنیت "ابو حفص" ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب نویں پشت میں حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ سے قبل 39 مرد اور گیارہ عورتیں نورِ ایمان سے منوّر ہو چکی تھیں۔ آپ عام الفیل کے تقریباً 13 سال بعد مکۂ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور نبوت کے چھٹے سال پینتیس سال کی عمر میں مُشَرَّف بہ اسلام ہو کر حرمِ ایمان میں داخل ہوئے۔[2] حضرتِ سَیِّدُنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ وہ عظیم المرتبت شخصیت ہیں کہ جن کے لئے رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اللہ پاک سے خصوصی طور پر دعا مانگی تھی کہ "اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ اِلَيْكَ بِاَبِيْ جَهْلٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ یعنی اے اللہ! تو ابو جہل یا عمر بن خطاب دونوں میں سے اپنے ایک پسندیدہ بندے کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔"[3] آپ وہ خوش نصیب ہیں کہ جن کے ایمان لانے پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سمیت سارے اہلِ ایمان نے خوشی منائی کیونکہ آپ کے اسلام لانے سے نہ صرف اسلامی تاریخ میں تبدیلی آئی بلکہ مسلمانوں کی قوت و عظمت میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا۔ وہ مسلمان جو پہلے اپنے اسلام کو ظاہر کرتے ہوئے شدید خطرات محسوس کرتے تھے اب اعلانیہ خانۂ کعبہ میں عبادت سر انجام دینے لگے اور انہی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: "لَوْ كَانَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو ضرور وہ عمر بن خطاب ہوتے۔"[4] سَیِّدُنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد آپ کو ہی خلیفہ نامزد کیا، آپ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کو بے مثال فتوحات اور کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ آپ نے قیصر و کسریٰ کو پیوندِ خاک کرکے اسلام کی عظمت کا پرچم لہرانے کے علاوہ شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عجم، آرمینیا، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران فتح کئے۔[5]

حضرتِ سَیِّدُنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دَورِ خلافت میں بیت المال اور عدالتیں قائم کیں، عدالتوں کے قاضی

---

1 ...... الاکمال فی اسماء الرجال، ص387۔ تاریخ الخلفاء، ص62۔ تاریخ ابن عساکر، 30/36 ملخصاً

2 ...... الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، 1/285، 408، 418 ملخصاً

3 ...... ترمذی، 5/383، حدیث: 3701

4 ...... ترمذی، 5/385، حدیث: 3706

5 ...... فیضانِ فاروقِ اعظم، 2/534-692 ملخصاً

www.dawateislami.net

مقرر کئے۔ آپ نے ہجری تاریخ کی بنیاد رکھی جو آج تک جاری ہے۔ مردم شماری کروائی، نہریں کھدوائیں، شہر آباد کروائے، دریا کی پیداوار پر محصول لگایا اور محصول مقرر کئے، حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی، جیل خانہ قائم کیا، رعایا کا حال دریافت کرنے کے لئے راتوں کو دورہ کرنے کا طریقہ نکالا، پولیس کا محکمہ قائم کیا، جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، تنخواہیں مقرر کیں، عرضی نویس (Petitioner) مقرر کئے، مکۂ مکرّمہ سے مدینۂ منوّرہ تک مسافروں کے لئے مسافر خانے (Inns) تعمیر کروائے، گم شدہ بچوں کی پرورش کے لئے یومیہ وظیفہ مقرر کیا، مختلف شہروں میں مہمان خانے (Guest houses) تعمیر کروائے، مکاتب و مدارس قائم فرمائے، معلمین اور مدرسین کے مشاہرے مقرر کئے، تجارت کے گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی، وقف کا طریقہ ایجاد کیا، مساجد کے ائمۂ کرام اور مؤذِّنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا، علاوہ ازیں آپ نے عوام کے لئے بہت سے فلاحی و اصلاحی احکامات اور اصطلاحات جاری کیں۔ (1)

نمازِ فجر کے دوران ابولؤلؤ مجوسی نے 26 ذوالحجہ 23ھ کو آپ کو خنجر کے وار سے زخمی کیا، چار دن تک آپ موت وحیات کی کشمکش میں رہے چنانچہ اس حملے کے نتیجے میں یکم محرم الحرام 24ھ مطابق 3 نومبر 644ء کو آپ کی شہادت ہوئی۔ (2)

خلیفۂ سوم سیِّدُنا عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنہ

حضرتِ سیِّدُنا عثمانِ غنی رضی اللّٰہ عنہ کی کُنیت "ابو عمرو" اور لقب "ذوالنورین" ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہٖ وسلم کے مبارک سِلسلۂ نسب سے جاملتا ہے۔ (3) آپ کی والدہ کا نام "اروىٰ" ہے اور ان کی والدہ اُمِّ حکیم اور رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہٖ وسلم کے والد حضرت عبد اللّٰہ جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ (4)

آپ کی ولادت واقعۂ فیل کے چھ سال بعد ہوئی۔ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ آپ مردوں میں حضرتِ ابوبکر صدیق، حضرتِ علی اور حضرتِ زید بن حارثہ رضی اللّٰہ عنہم کے بعد چوتھے نمبر پر ایمان لائے۔ (5) آپ نے حبشہ اور مدینہ دو ہجرتیں کیں اس لئے آپ کو "ذوالہجرتین" کہا جاتا ہے

---

1 ...... فیضانِ فاروق اعظم، 2/249-394-769 ملخصاً
2 ...... الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، 1/418 ملخصاً
3 ...... الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، 2/5
4 ...... تاریخ الخلفاء، ص119 ملتقطاً
5 ...... تاریخ الخلفاء، ص118-119۔ تاریخ ابنِ عساکر، 39/26

اور آپ کے عقدِ نکاح میں یکے بعد دیگرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی دو بیٹیاں (حضرت رُقیہ اور حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہما) آئیں اس لئے آپ کو "ذُوالنُّورین" بھی کہا جاتا ہے۔[1]

حضرتِ سَیِّدُنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بعد آپ ہی کے حکم پر ایک شوریٰ خلیفۃُ المسلمین نامزد کرنے کے لئے مقرر کی گئی پھر شوریٰ کے تمام اراکین نے حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو اتفاقِ رائے سے منظور کرتے ہوئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی یعنی آپ کو خلیفۃُ المسلمین مقرر کیا گیا۔ سَیِّدُنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں شام، مصر اور ایران فتح کرلیا تھا نیز ملکی نظم و نسق اور طریقۂ حکمرانی کا ایک مستقل دستورُ العمل بنادیا تھا، اس لئے حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے لئے میدان صاف تھا۔ آپ نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی نرمی و ملاطفت اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی سیاست کو اپنا شعار بنایا اور ایک سال تک قدیم طریقِ نظم و نسق میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا البتہ خلیفۂ سابق کی وصیت کے مطابق حضرتِ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو حضرتِ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کا والی بنا کر بھیجا۔ یہ پہلی تقرری تھی جو حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

عہدِ عثمانی میں فتوحات کا سلسلہ نہایت وسیع ہوا۔ افریقہ میں طرابلس، الجزائر، رقہ، مراکش اور سپین مفتوح ہوئے، ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی، ایران کے متصلہ ملکوں میں افغانستان، خراسان اور ترکستان کا ایک حصہ زیرِ نگین ہوا، دوسری سمت میں آرمینیا اور آذربائیجان کی فتح کے بعد اسلامی سرحد کوہِ قاف تک پھیل گئی، اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ فتح ہوا۔

بحری فتوحات کا آغاز حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے ہوا۔ ایک عَظِیمُ الشان بیڑا تیار کرکے جزیرۂ قبرص (سائپرس) پر 28 ہجری میں اسلامی عَلَم بلند کیا اور بحری جنگ میں 31ھ میں قیصرِ روم کے بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز شامل تھے ایسی شکست دی کہ پھر رومیوں کو کبھی بحری حملے کی ہمت نہ ہوئی۔ آپ کے زمانے میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں قرآنِ کریم کو ایک ہی روایت کے مطابق مرتب (جمع) کیا گیا۔[2] اسی وجہ سے آپ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن سبا یہودی کے ایما پر بصرہ، کوفہ اور مصر کے کچھ باغیوں کی طرف

1 ......تہذیب الاسماء، 1/297

2 ......تاریخ طبری، 8 442-470 ملخصاً۔ تاریخ الخلفاء، ص 125 ملخصاً

سے چالیس دن محاصرے میں رکھنے کے بعد شہید کیا گیا۔ آپ کی تاریخِ شہادت 18 ذوالحج مطابق 35ھ ہے۔[1]

خلیفۂ چہارم سَیِّدُنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرتِ سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رضی اللہُ عنہ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب، لقب حیدر، والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ بنتِ اَسد ہے۔ آپ کی ولادت ہجرت سے تقریباً 23 اور بعثتِ نبوی سے دس سال قبل 13 رجب کو مکۂ مکرّمہ میں ہوئی۔ آپ خاندانِ بنو ہاشم کے چشم و چراغ اور حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔[2] حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہُ عنہ کی پرورش اور تربیت کی ساری ذمہ داری حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنے ذمۂ کرم پر لی۔

حضرتِ سَیِّدُنا علی رضی اللہُ عنہ ابھی دس سال کے ہی تھے کہ ایمان قبول کیا اور یوں بچوں میں سب سے پہلے ایمان لے آئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے تیرہ سال مکۂ مکرّمہ میں بسر ہوئے، چونکہ آپ رات دِن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اس لئے مشورہ کی مجالس میں، تعلیم وارشاد کے مجمعوں میں، کفار و مشرکین کے مباحث میں اور معبودِ حقیقی کی عبادت کے مواقع پر، غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے اور ہجرت کی رات بھی حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رضی اللہُ عنہ کو اپنے فرشِ اَطہر پر آرام کرنے کا حکم دیا اور خود حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہُ عنہ کو ساتھ لے کر مدینۂ منوّرہ روانہ ہوگئے۔ بہرحال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تیئیس برس کی تھی، اس عنفوانِ شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش کرنا فدویت وجاں نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔

سن 2ھ میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے آپ کو دامادی کا شرف بخشا یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سَیِّدَۃُ النساء حضرتِ فاطمہ زہرا رضی اللہُ عنہا سے نکاح کردیا۔[3] سَیِّدُنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ خلیفہ مقرر ہوئے اور آپ نے دار الخلافہ مدینہ شریف کے بجائے کوفہ بنالیا تھا۔ آپ اور حضرتِ امیرِ معاویہ رضی اللہُ عنہما کے مابین قاتلینِ عثمان رضی اللہُ عنہ کے معاملے میں اختلاف ہوا۔ سَیِّدُنا امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ فوری قصاص کے حق میں تھے جبکہ آپ رضی اللہُ عنہ فتنوں کی سرکوبی کے بعد قصاص کے حق میں تھے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے جنگِ صفین ہوئی۔ اسی

---

1. اسد الغابہ، 3/615
2. بخاری، 1 169، حدیث: 441۔ الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، 1 32۔ مرآۃ المناجیح، 8 412 ملخصاً
3. مرقاۃ المفاتیح، 10 515، تحت الحدیث: 6139

طرح حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بھی ایک جنگ (جمل) ہوئی۔ یاد رہے! ان دونوں جنگوں کے پیچھے باغی خارجیوں کا ہاتھ تھا۔[1] عبد الرحمٰن بن ملجم خارجی نے 17 رمضان 40ھ کو آپ پر تلوار سے ایسا ظالمانہ حملہ کیا جس کی شدت سے آپ کی پیشانی کنپٹی تک کٹ گئی اور تلوار دماغ پر جا کر ٹھہری۔ اس المناک واقعہ کے دو دن بعد آپ جامِ شہادت نوش کر گئے۔[2] آپ کی مدتِ خلافت 4 سال 9 ماہ ہے۔[3]

اسلام دُشمن خارجیوں کا سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ ہی نے قلع قمع فرما کر مسلمانوں کو ان کے فتنے سے محفوظ و مامون کیا۔[4] آپ نے اپنے دورِ خلافت میں مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے حقوقِ عامہ کی حفاظت کا بھی اہتمام فرمایا جیسا کہ شاہراہِ عام کو گندگی سے بچانے کے لئے بیت الخلاء اور نالیوں کو شارعِ عام سے دور بنانے کا حکم فرمایا۔[5] انسانی جانوں کے تحفظ کے لئے قانون بنایا کہ اگر کسی کے کنواں کھودنے یا بانس وغیرہ گاڑنے کی صورت میں انسانی جان تلف ہوئی تو تاوان ادا کرنا ہوگا۔[6]

5۔ سَیِّدُنا امام حسن مجتبیٰ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرتِ سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفۂ پنجم حضرتِ سَیِّدُنا امامِ حسن رضی اللہ عنہ 661ء میں خلیفہ مقرر ہوئے لیکن پھر کچھ عرصہ بعد ہی حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوگئے۔[7]

خلافتِ بنواُمیہ (661ء تا 750ء)

حضرتِ حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی دستبرداری پر حضرتِ امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے 661ء میں خلافتِ بنواُمیہ کی بنیاد ڈالی۔ سَیِّدُنا امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اہم ذمہ داریاں سونپیں اور اپنے خاص لوگوں میں شامل کیا جن کا ایک کام وحی لکھنا بھی تھا۔ سرکار صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اہم اُمور آپ

1 ...... الاستیعاب، 3/ 217 ملتقطاً
2 ...... تاریخ الخلفاء، ص 139
3 ...... تاریخ الخلفاء، ص 139۔ اسد الغابۃ 4/ 132
4 ...... الاستیعاب، 3/ 217 ملتقطاً
5 ...... مصنف عبد الرزاق، 9/ 405، حدیث: 18722
6 ...... مصنف عبد الرزاق، 9/405، حدیث: 18723
7 ...... تاریخ ابن عساکر، 42/577

رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے یہاں تک کہ آپ شام کے گورنر بھی بنائے گئے۔

سَیِّدُنا امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ سیاسی سمجھ بوجھ رکھنے کے ساتھ ساتھ انتظامی معاملات کے بھی ماہر تھے اور انتہائی حلیم اور بُردبار انسان تھے۔ بیس سال تک شام کے گورنر رہے پھر اس کے بعد جب 41ھ میں حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے خلافت ان کے سپرد فرمادی تو یہ پورے عالمِ اسلام کے بادشاہ ہوگئے اور اس عہدے پر بھی بیس سال گزارے۔ جس سلطنت کی بنیاد امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے 661ء میں پڑی تھی وہ تقریباً 90 سال تک قائم رہی اور 750ء میں اس کا اختتام ہوا۔ یہ اپنے عہد کی سب سے طویل و عریض اور فتوحات کے اعتبار سے وسیع سلطنت تھی جس کا ایک سرا افریقہ تک جاتا تھا تو دوسرا سندھ تک پہنچتا تھا نیز اس کی ایک شاخ یورپ میں بھی قائم ہوئی۔ اسی خاندان کے افراد یکے بعد دیگرے تخت پر متمکن ہوتے رہے، جن کے نام یہ ہیں: 2۔ یزید بن معاویہ (یہ وہی بد بخت ہے جس نے اسلامی احکام سے روگردانی کی، حرام کردہ کاموں کو حلال ٹھہرایا اور اسی نے حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو کربلا میں شہید کروایا) (680-683ء)، 3۔ عبد الملک بن مروان (685-705ء)، 4۔ ولید بن عبد الملک (705-715ء)، 5۔ سلیمان بن عبد الملک (715-717ء)، 6۔ عمر بن عبد العزیز (717-720ء)، 7۔ یزید بن عبد الملک (720-724ء)، 8۔ ہشام بن عبد الملک (724-743ء)، 9۔ مروانِ ثانی (744-750ء)

نوٹ: اگرچہ 750ء پر بنو امیہ کے اقتدار کا باقاعدہ خاتمہ ہوا اور بنو عباس برسرِ اقتدار آئے لیکن بنو امیہ میں سے ایک شخص عبد الرحمان الداخل فرار ہو کر 756ء میں اندلس جا پہنچا اور وہاں خلافتِ قرطبہ کی بنیاد رکھی تو یوں اس خطے میں 1031ء تک بنو امیہ کی خلافت رہی۔

خلافتِ بنو عباس (750ء تا 1258ء)

خاندانِ عباسیہ کے دو بھائیوں السفاح اور ابو جعفر المنصور نے 750ء (132ھ) میں خلافتِ عباسیہ کو قائم کیا۔ خاندانِ عباسیہ نے 500 سال سے زائد عرصے تک حکومت کی جو کہ ایک طویل دور ہے۔ اس تمام عرصے میں عباسیوں کے کُل 37 حکمران برسرِ اقتدار آئے اور ان میں سے کئی قابل اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ابو جعفر المنصور نے جو سفاح کے بعد تخت نشین ہوئے، 22 سال حکومت کی، خلافتِ عباسیہ کی جڑوں کو مضبوط کیا اور انہوں نے ہی دار الحکومت کو دمشق سے بغداد منتقل کیا لیکن زوال کے آغاز کے بعد یہ مملکت کئی حصوں میں تقسیم ہوگئی، ایران میں مقامی اُمرا نے اقتدار حاصل

کیا جبکہ المغرب اور افریقیہ، اغالبہ اور فاطمیوں کے زیرِ اثر آ گئے۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا یہاں تک کہ عباسیوں کی حکومت کا خاتمہ 1258ء میں منگول فاتح ہلاکو خان کے حملے کے ذریعے سے ہوا لیکن ان کی خلیفہ کی حیثیت پھر بھی برقرار رہی اور مملوک سلطان ملک الظاہر بیبرس نے خاندانِ عباسیہ کے ایک شہزادے ابو القاسم احمد کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا، اس طرح خلافت بغداد سے قاہرہ منتقل ہو گئی تاہم یہ صرف ظاہری حیثیت کی خلافت تھی، تمام اختیارات مملوک سلاطین کو حاصل تھے۔ عثمانیوں کے ہاتھوں مملوکوں کی شکست کے بعد عباسیوں کی اس ظاہری حیثیت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور خلافت عباسیوں سے عثمانیوں میں منتقل ہو گئی۔

نوٹ: خلافتِ بنو عباس کو آسانی سے سمجھنے کے لئے اسے تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

دورِ اوّل (132ھ-247ھ/ 750-861ء)

132ھ سے 247ھ تک یعنی ابو العباس السفاح سے متوکل تک 10 حکمران برسرِ اقتدار رہے۔ یہ حکمران غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ابو جعفر، مہدی، ہارون اور مامون جیسے باصلاحیت حکمران اسی پہلے دور سے وابستہ تھے۔ اس دور میں تہذیب و ثقافت، علم و ادب اور صنعت و حرفت کی ترقی عروج پر رہی بلکہ اس کی ترقی دنیا کے لئے ایک مثال بن گئی۔ دوسرا پہلو اس دور میں عجمی عنصر کا عروج تھا کہ عربوں کے مقابلے میں عجمیوں نے اثر و رسوخ حاصل کیا۔ اس دور کے آخری خلفا نے عجمیوں کے بارے میں اپنی پالیسی بدل دی اور ترکوں کو عروج دیا۔ یہ پہلا دور ایک صدی تک رہا۔

دورِ ثانی (247ھ-422ھ/ 861-1031ء)

یہ 247ھ سے شروع ہو کر 422ھ تک دو صدیوں کا دور ہے۔ خلیفہ معتصم سے لے کر واثق باللہ تک یہ عرصہ خلافتِ عباسیہ کے دوسرے دور میں شمار کیا جاتا ہے جو زوال کا دور ہے، خلافت کمزور ہو جانے کے بعد سلطنت کے اختیارات ترکوں اور پھر اَمیرُ الْاُمراء کے ہاتھوں میں چلے گئے۔

دورِ ثالث (422ھ-656ھ/ 1031-1258ء)

تیسرا دور 422ھ سے 656ھ یعنی قادر باللہ سے مستعصم باللہ (آخری حکمران) تک ہے جو سلجوقیوں کے غلبے کا دور ہے۔ اس دور میں خلیفہ کی تمام حیثیت ختم ہو گئی۔ یہ عہد بغداد کی مرکزیت اور سیاسی وحدت کے مکمل خاتمے کا بھی دور ہے۔ تمام اختیارات سلجوقیوں کے ہاتھوں میں تھے اور آخر کار 656ھ میں ہلاکو خان نے عباسیوں کے آخری تاجدار

مستعصم باللہ کے اقتدار کا خاتمہ کر کے عباسی خاندان کا چراغ بھی گل کر دیا تھا۔

نوٹ: یاد رہے! مجموعی طور پر عہدِ عباسیہ میں ہی اسلامی تاریخ کو 750ء سے شروع ہونے والے اسلامی عہدِ زریں کا دیکھنا نصیب ہوا، مختلف مسلم سائنسدانوں کی متعدد عظیم کتب اسی زمانہ میں لکھی گئیں، کاغذ کی صنعت اور بغداد کے بیت الحکمہ جیسے شاہکار بھی اسی خلافت کے مرہونِ منت ہیں۔

سلطنتِ عثمانیہ (1299-1922ء)

ارتغرل کی وفات کے بعد سلجوقیوں کی طرف سے ملی ہوئی جاگیر کی سربراہی عثمانِ اول کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے 1299ء میں سلجوقی سلطنت سے خود مختاری کا اعلان کر کے عثمانی سلطنت کی بنیاد ڈالی یوں آلِ عثمان کی حکومت جولائی 1299ء میں قائم ہوئی جو یکم نومبر 1922ء تک قائم رہی۔ 623 سالوں تک 36 عثمانی سلاطین نے فرمانروائی کی۔ اپنے عروج کے زمانے میں یہ سلطنت تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ آخری عثمانی سلطان عبد الحمید ثانی تھے جنہیں خلیفہ مقرر کیا گیا تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ کے آخری خلیفہ و سلطان عبد الحمید ثانی کو 3 مارچ 1924ء کو معزول کر دیا گیا اور سلطنتِ عثمانیہ اپنے اختتام کو پہنچی۔

اہم اسلامی شخصیات

اسلام علم و ثقافت کا دین ہے، اس حوالے سے اہم شخصیات مندرجہ ذیل ہیں:

عِلمِ تفسیر میں اہم شخصیات

ابتدائے اسلام میں سَیِّدُنا علی بن ابی طالب، سَیِّدُنا عبد اللہ بن عباس، سَیِّدُنا عبد اللہ بن عمر، سَیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود، سَیِّدُنا اُبی بن کعب اور سَیِّدُنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم معروف ہیں۔

تابعین کے دور میں امام سعید بن جبیر، امام مجاہد بن جبر، امام عطاء بن ابی رباح، امام عکرمہ اور امام طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ معروف ہیں اور ان کے علاوہ باقی ادوار میں بھی کئی بڑے مفسرین کے نام آتے ہیں جیسے حضرتِ ابنِ جریر طبری، امام فخر الدین رازی، امام بغوی، قاضی بیضاوی، امام جلال الدین سیوطی، حضرت محمود آلوسی وغیرہ۔

عِلمِ حدیث میں اہم شخصیات

نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے زیادہ تر روایات سَیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سَیِّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا،

سَیِّدُنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سَیِّدُنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور سَیِّدُنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نقل کی ہیں اور ان کے علاوہ امتِ محمدیہ میں حدیث کی خدمت کرنے والی کئی اہم شخصیات موجود ہیں مثلاً امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام مسلم بن حجاج، امام احمد بن شعیب نسائی، امام ابوداؤد السجستانی، امام ابوعیسیٰ محمد ترمذی، امام ابنِ ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی اور ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل جیسی شخصیات بھی شامل ہیں۔

علم الکلام میں اہم شخصیات

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی حنفی (333ھ)، امام ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری (324ھ)، امام ابوالمعین میمون نسفی (508ھ)، مفتی الثقلین امام عمر نسفی (538ھ)، امام سعد الدین تفتازانی (791ھ)، علامہ عبدالعزیز بن احمد حامد قریشی پرھاروی (1239ھ)

فقہ میں اہم شخصیات

(صحابۂ کرام وصحابیات میں) خلفائے راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، (تابعین میں) حضرت سعید بن مسیب، حضرت عروہ بن زبیر، حضرت سالم بن عبداللہ، حضرت قاسم بن محمد، (اہلِ سنت وجماعت کے مذاہبِ اربعہ فقہیہ کے بانی)[1] امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم۔ (بعد کے فقہا میں) امام ابویوسف، امام محمد، امام عبداللہ بن مبارک، امام ابوجعفر طحاوی، امام ابوالحسن کرخی، امام فخرالدین قاضی خان، امام ابوالحسن قدوری، امام ابوالحسن مرغینانی، علامہ محمد امین شامی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان، صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی اور مفتی نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ شامل ہیں۔

ماہرینِ فلکیات

البیرونی (1048ء)، یعقوب ابن اسحاق کندی (801ء-873ء)، ابوالعباس احمد کثیر فرغانی (800ء-870ء)، یحییٰ ابن ابی منصور (متوفی 831ء)، جعفر بن محمد ابوالمعشر البلخی (10 اگست 787ء-9 مارچ 886ء)

ماہرینِ کیمیا

جابر بن حیان (815ء)، ابوبکر الرازی (952ء)، احمد بن وحشیہ

1 ...... حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، 4/ 153

ماہرینِ فزکس

الکندی(873ء)،البیرونی(1048ء)

ریاضی دان

محمد الفرازی(806ء)،عمر خیام(1131ء)،الخُوارزی(850ء)،الکندی(873ء)،ابن الہیثم(1040ء)،الفارابی(950ء)

ماہرینِ طب

ابو بکر الرازی(952ء)،ابنِ سینا(1037ء)،الفارابی(950ء)

نوٹ: اہم اسلامی شخصیات اور ان کے عظیم کارناموں کا نہ تو یہاں مکمل احاطہ کیا گیا ہے اور نہ ہی ضمناً کسی کتاب میں ان پر سیر حاصل روشنی ڈالنا آسان ہے لہٰذا اس عنوان پر لکھی جانے والی کتب میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ نیز مسلم سائنسدانوں کو اللہ پاک کی طرف سے یہ خوبی عطا کی گئی تھی کہ وہ بیک وقت کئی علوم وفنون کے ماہر تھے لیکن ان میں سے بہت سے سائنسدان کسی ایک فن میں ہی معروف ہوگئے اس لیے اُن کا تذکرہ اس خاص وصف کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اسلامی تعلیمات

اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے وہ اپنے پیروکاروں کو ایک مکمل دستور عطا کرتا ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر اپنے ساتھ وابستہ افراد کی دینی، مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے لہٰذا اس کا مکمل بیان درج ذیل پانچ چیزوں میں ذکر کیا جاتا ہے:(1)عقائد (2)عبادات (3)معاملات (4)معاشرت (5)اخلاقیات

(1)عقائد

عقیدۂ توحید و رسالت: اللہ پاک کی ذاتی وصفاتی توحید کا عقیدہ جو خصائصِ اسلام میں سے ہے۔[1] اسلام کے سوا دنیا کے موجودہ ادیان ومذاہب میں یہ عقیدہ اپنی وضاحت وصراحت کے ساتھ نہیں ملتا۔ رسالت یعنی از حضرتِ آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تا حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم اللہ کے سب انبیا و رُسل پر اُن کی صداقت و عصمت سمیت ایمان لانا۔ یاد رہے! جن انبیائے کرام کا نام کتاب وسنت میں آچکا ہے ان پر نام بنام تفصیلی ایمان لانا اور باقی پر اجمالی ایمان رکھنا ضروری ہے۔[2]

---

1 ...... شرح عقائد نسفیہ، ص114

2 ...... شرح عقائد نسفیہ، ص295

کتبِ الٰہیہ پر ایمان: سب آسمانی کتابیں اور صحیفے جو انبیا ورسل پر نازل ہوئے سب حق اور کلامُ اللہ ہیں ان میں جو کچھ ارشاد ہوا ان کی صداقت اور اپنے اپنے اوقات میں واجب العمل ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے۔[1]

ملائکۃ اللہ: فرشتوں پر ایمان لانا کہ وہ خدائی سلطنت کے خادم اور کارکن ہیں، اللہ پاک نے جو فرائض ان کے ذمہ کئے ہیں وہ انہیں بے چون وچرا بلاکم وکاست انجام دیتے ہیں۔ یاد رکھیے! فرشتے تذکیر و تانیث اور افزائشِ نسل وتولید سے مبرا ہیں۔[2]

عقیدۂ آخرت: یومِ آخرت پر ایمان لانا کہ اس کائنات کو ایک دن اجتماعی فنا کا شکار ہونا ہے[3] اور تمام لوگوں کو اپنے اگلے پچھلے سب حساب وکتاب اور جزا وسزا کے لئے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔[4]

تقدیر: دنیا میں سب کچھ اللہ کے ارادے، قدرت اور عِلمِ اَزلی کے مطابق ہوتا ہے مگر انسان کو نیک وبد میں امتیاز کرنے اور اس کے مطابق چلنے کا اختیار حاصل ہے۔[5]

عقیدۂ جنت و جہنم: موت کے بعد از سرِ نو نئی زندگی شروع ہوگی جس میں اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ ملے گی۔[6]

(2) عبادات

نماز: دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں جن کی ادائیگی ہر عاقل و بالغ مسلمان پر ضروری ہے۔[7] فرائض کے علاوہ کچھ سنت ونوافل بھی ہیں جن سے فرائض کی تکمیل اور قربِ خداوندی کا حصول ہوتا ہے۔[8]

روزہ: ہر عاقل و بالغ مسلمان پر رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں۔[9] روایات میں نفلی روزوں کے فضائل

1 ...... شرح عقائد نسفیہ، ص312
2 ...... شرح عقائد نسفیہ، ص310-311
3 ...... تفسیر روح المعانی، پ20، القصص، تحت الآیۃ:88، 20/130
4 ...... شرح عقائد نسفیہ، ص246
5 ...... شرح مسلم للنووی، 1/-155-154 ملتقطاً
6 ...... الحدیقۃ الندیۃ، 1 303
7 ...... در مختار مع رد المحتار، 2/6
8 ...... بخاری، 4/248، حدیث:6502
9 ...... تفسیر خازن، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ:183، 1 119

بھی بیان کئے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو اس کی طرف رغبت ہو۔[1]

زکوٰۃ: صاحبِ نصاب مسلمانوں پر سال کے بعد زکوٰۃ فرض ہے جو نقدی کے علاوہ اموالِ تجارت اور مال مویشی پر بھی مقرر کی گئی ہے اور ہر جنس و نوع کے مختلف نصاب مقرر کئے گئے ہیں۔[2]

حج: صاحبِ استطاعت مسلمانوں پر عمر بھر میں ایک بار حجِ بیت اللہ فرض ٹھہرایا گیا ہے[3] تاکہ دنیا بھر کے مسلمان اس اجتماعی عبادت میں شامل ہو کر اسلام کی عالمگیر برادری اور مساواتِ اسلامی کا عملی مظاہرہ کرکے رِضائے الٰہی حاصل کریں۔

نوٹ: مذکورہ بالا عبادات کے علاوہ حصولِ علمِ دین ہر مسلمان پر اس کی کیفیت کے اعتبار سے فرض کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ضروریاتِ وقت کے لحاظ سے ہر قسم کے علوم و فنون کو حاصل کرنا بھی لازم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدین کے عمل سے واضح ہے۔[4]

(3) معاملات

اسلام نے زوجین، والدین و اولاد، ہمسایوں، اہلِ شہر و اہلِ وطن، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق و فرائض اور دیگر معاملاتِ زندگی کے وسیع اور واضح احکام بیان کئے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے زندگی میں سکون و اطمینان اور سوسائٹی میں امن و سلامتی پیدا ہوتی ہے۔ یہ احکام مدنی سورتوں بالخصوص سورۂ بقرہ، نساء، تحریم، مائدہ اور طلاق میں تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور کتبِ حدیث میں بے شمار اَبواب کے تحت ان کی شرح و تفصیل آئی ہے۔

(4) معاشرت

معاشرت کے معنٰی "مل جل کر زندگی گزارنا، طرزِ زندگی اور رہن سہن" کے ہیں۔ اسلام نے جس طرح فرد کی زندگی کو اہمیت دی ہے اسی طرح اس کو معاشرے سے الگ تصور بھی نہیں کیا بلکہ فرد کے مفادات اور حقوق کے خیال کے ساتھ اسے وسیع ترین معاشرے کے ایک ذمہ دار رُکن کی حیثیت سے فرائض و واجبات بھی دیے ہیں۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں صالح اجتماعیت اور معاشرے کا تحفظ و بقاء فرد کے تحفظ و بقاء کے مقابلے میں کہیں زیادہ ضروری ہے۔

---

1. ......بہارِ شریعت، حصہ 5، 1/1008
2. ......فتاویٰ ہندیہ، 1/170
3. ......فتاویٰ ہندیہ، 1/216
4. ......بہارِ شریعت، حصہ 19 (ضمیمہ)، 3/1027

www.dawateislami.net

اسلام نے ایک ایسے صالح معاشرے کی تشکیل کا نہ صرف تصور دیا ہے بلکہ عملی جامہ پہنایا ہے کہ جس میں انسانی حقوق اور انسانی اخوت و مساوات کو پیش نظر رکھا جائے اور زنا، بے حیائی، بے پردگی، ذات پات کا فرق، ظلم، دھوکا اور خیانت وغیرہ بے شمار اخلاقی و سماجی برائیوں سے بچاجائے۔ نیز اس میں خیر اور نیکی کی حوصلہ افزائی ہو اور شر و بُرائی کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملے چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۝ (پ۶، المآئدۃ:۲)

ترجمۂ کنز العرفان: اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ شدید عذاب دینے والا ہے۔

اسی طرح اصلاح معاشرہ کے عنوان پر اسلامی تعلیمات میں دیگر بہت سے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

(5) اخلاقیات

اسلامی تعلیمات میں اخلاقی احکام کو اعلیٰ مقام حاصل ہے کیونکہ عبادات اور اخلاقیات ہی اسلامی تعلیمات میں دو اہم ستون ہیں۔ علم کے معنیٰ "جاننا" ہیں اور اس علم کا استعمال ادب و اخلاق ہے یعنی قرآن و حدیث سے حاصل ہونے والے علم پر عمل کیسے کرنا ہے؟ اس کے متعلق آداب اور اخلاق ہماری راہ نمائی کرتے ہیں۔ مسلمان جب حُسنِ اخلاق یعنی صدق و امانت، دیانت داری، وعدہ وفائی، عدل و احسان، عفوو درگزر، تقویٰ و پرہیز گاری اور خدمتِ خلق سے اپنی حیات کو آراستہ کرلے اور کذب و خیانت، بد دیانتی، بدعہدی، بے انصافی، خود غرضی اور بغض و حسد وغیرہ بُرائیوں سے اپنے آپ کو بچالے تو وہ بارگاہِ خداوندی اور مخلوقِ خدا دونوں میں مقبول ہو جاتا ہے۔ اسلام بڑے شدو مد سے اخلاقیات کو بہتر بنانے پر زور دیتا ہے اسی وجہ سے اَحادیث و روایات میں اخلاقِ حسنہ کے فضائل اور اَخلاقِ سیئہ کے رذائل کثرت سے بیان کئے گئے ہیں۔

فرقے

اسلام کے مشہور فرقے تین ہیں: (1) اہلِ سنت (2) اہلِ تشیع (3) خوارج

سب سے بڑا فرقہ اہلِ سنت ہے جبکہ عالَمِ اسلام میں دس فیصد شیعہ ہیں اور خوارج دس فیصد سے بھی کم ہیں۔ ان کے علاوہ کئی چھوٹے چھوٹے فرقے آئے اور ختم ہو گئے اور کچھ موجودہ دور میں بھی موجود ہیں۔

میری اُمّت میں تہتر فرقے ہوں گے

ہر مذہب میں فرقہ واریت ہے لیکن کسی بھی مذہب کے بانی نے یہ نہیں کہا کہ میرے ماننے والوں میں اتنے فرقے ہوں گے اور فلاں فرقہ حق پر ہوگا لیکن اسلام کو جس طرح دیگر باتوں میں سب مذاہب پر فوقیت حاصل ہے اسی طرح اس مسئلے میں بھی برتری حاصل ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے چودہ سو سال پہلے جب اسلام میں کوئی فرقہ واریت نہ تھی اس وقت غیبی خبر دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا تھا کہ میری اُمّت میں تہتر فرقے ہوں گے ایک جنّتی اور بقیہ دوزخی چنانچہ ترمذی شریف کی حدیثِ پاک میں ہے: ”اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً، کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً، قَالُوْا: وَمَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللہِ؟ قَالَ: مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ یعنی بے شک بنی اسرائیل 72 فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمّت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سوائے ایک فرقے کے سب دوزخی ہیں۔ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! وہ کون سا فرقہ ہے؟ فرمایا: جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔“(1)

جنّتی فرقے کی نشانیاں

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فقط تہتر فرقوں کی پیشین گوئی کرکے اُمّت کو یونہی نہیں چھوڑا بلکہ جنّتی فرقے کی نشانیاں بتلائیں اور ہر مسلمان کو اس کے ساتھ وابستہ رہنے کی تلقین بھی کی جیسا کہ ابھی اوپر پیش کی گئی حدیثِ پاک میں حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے جنّتی فرقہ کے بارے میں فرمایا: وہ میرے اور میرے صحابہ کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں گے۔

جنّتی فرقے کی ایک نشانی حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے یہ اِرشاد فرمائی کہ وہ تعداد میں زیادہ ہوگا: ”اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰی ضَلَالَةٍ، فَاِذَا رَاَیْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَیْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ یعنی بے شک میری اُمّت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی جب تم ان میں اختلاف دیکھو تو بڑے گروہ کی پیروی کرو۔“(2)

(1) اہلِ سنّت وجماعت

یہ وہ لوگ ہیں جو اُصول و فروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اور ان کے صحابہ واہلِ بیتِ کرام رضی اللہ عنہم کے منہج کی پیروی کرتے ہیں۔ درحقیقت اہلِ سنّت کوئی ایجاد شدہ نیا فرقہ نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اور صحابۂ کرام

---

1 ...... ترمذی، 4/ 291، حدیث: 2650

2 ...... ابن ماجہ، 4/ 327، حدیث: 3950

رِضوانُ اللہِ علیہم اجمعین سے چلا آرہا ہے۔ ہر مسلمان پیدائشی طور پر حدیثِ پاک میں بیان کیے گئے گروہ یعنی اہل سنت وجماعت کے عقائد و نظریات پر ہی ہوتا ہے اس کے بعد وہ اپنے والدین یا ماحول کے سبب دیگر فرقوں میں سے کسی فرقے میں چلا جاتا ہے۔ صحابۂ کرام، تابعین، مجددِ دین، صوفیائے کرام اور بڑے بڑے علمائے کرام سب کے سب اہلِ سنت وجماعت میں سے تھے۔ تفسیر ابنِ کثیر میں ہے: "وَهٰذِهِ الْاُمَّةُ اَيْضًا اِخْتَلَفُوْا فِيْمَا بَيْنَهُمْ عَلٰى نِحَلٍ كُلُّهَا ضَلَالَةٌ اِلَّا وَاحِدَةً وَهُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، اَلْمُتَمَسِّكُوْنَ بِكِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِمَا كَانَ عَلَيْهِ الصَّدْرُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَاَئِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ قَدِيْمِ الدَّهْرِ وَحَدِيْثِهِ، كَمَا رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِيْ مُسْتَدْرَكِهِ اَنَّهُ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْفِرْقَةِ النَّاجِيَةِ مِنْهُمْ، فَقَالَ: مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ یعنی یہ اُمت بھی ان (یہود و نصاریٰ) کی طرح دین کے معاملے میں اختلاف کرے گی، تمام کے تمام فرقے گمراہ ہوں گے سوائے ایک فرقے کے اور وہ اہل سنت وجماعت ہوگا، اس سے تعلق رکھنے والے کتاب اللہ اور سنتِ رسول کو تھامے ہوں گے جن پر صدرِ اوّل کے لوگ مثلِ صحابۂ کرام رضی اللہُ عنہم، تابعین اور ائمۂ مسلمین رحمۃُ اللہِ علیہم چلے آرہے ہیں۔ جسے امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے نجات والے فرقے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔"[1]

فرقہ واریت کی مذمت

اسلام فرقہ واریت کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔ جو اسلام کو چھوڑ کر کسی اور مذہب میں جائے وہ مرتد ہے اور جو عقائدِ اہلِ سنت چھوڑ کر کوئی اور عقیدہ بنائے وہ گمراہ ہے۔ گمراہ شخص جتنی مرضی عبادت کرے وہ نامقبول ہے۔ ابنِ ماجہ کی حدیثِ پاک میں ہے: "عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَقْبَلُ اللهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلَاةً وَلَا صَدَقَةً، وَلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً، وَلَا جِهَادًا، وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا، يَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ یعنی حضرتِ حذیفہ رضی اللہُ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک بدعتی (یعنی بدعت اعتقادی والے) کا نہ روزہ قبول فرماتا ہے، نہ نماز، نہ زکوٰۃ، نہ عمرہ، نہ حج، نہ جہاد، نہ فرض اور نہ نفل، ایسا شخص دین سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے آٹے میں سے بال۔"[2]

---

1 ...... تفسیر ابن کثیر، پ21، الروم، تحت الآیۃ:30، 6/285

2 ...... ابنِ ماجہ، 1/ 38، حدیث:49

نوٹ: اہلِ سنت و جماعت کے وہی عقائد ہیں جو قرآن و حدیث میں موجود ہیں اور جنہیں اوپر بیان کر دیا گیا ہے لیکن کچھ باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ اہلِ سنت و جماعت تمام صحابۂ کرام و اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کو دین دار سمجھتے، ان کی محبت کو دین و ایمان قرار دیتے اور ان سے بُغض کو "کفر و نفاق" سمجھتے ہیں۔ مشاجراتِ صحابہ میں بغیر ضرورت کے بحث نہیں کرتے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل سَیِّدُنا ابو بکر صدیق پھر سَیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم پھر سَیِّدُنا عثمانِ غنی اور پھر سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں۔ سَیِّدِی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "انہیں بلکہ صحابہ میں سے کسی کو بھی بُرا کہنے والا جہنمی، مردود و ملعون ہے۔ جو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما پر قربِ الٰہی میں تفضیل دے وہ گمراہ مخالفِ سنت ہے۔ جنگِ جمل و صفین میں حق، بدستِ حق پرست امیر المؤمنین مولیٰ علی رضی اللہ عنہ تھا مگر حضراتِ صحابۂ کرام مخالفین کی خطا خطائے اجتہادی تھی جس کی وجہ سے ان پر طعن سخت حرام، ان کی نسبت کوئی کلمہ اس سے زائد گستاخی کا نکالنا بے شک رفض ہے اور خروج از دائرۂ اہلِ سنت۔ جو کسی صحابی کی شان میں کوئی کلمۂ طعن و توہین کہے، انہیں بُرا جانے، فاسق مانے، ان میں سے کسی سے بُغض رکھے مطلقاً رافضی ہے۔"(1)

(2) اہلِ تشیع

عربی لغت میں لفظِ "شیعہ" دو معنیٰ رکھتا ہے۔ پہلا "کسی بات پر متفق ہونا" اور دوسرا "کسی شخص کا ساتھ دینا یا اس کی پیروی کرنا۔" اس کا اِطلاق واحد، تثنیہ، جمع اور مذکر و مؤنث سب پر ہوتا ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ ﴿۸۳﴾﴾ (پ۲۳، الصّٰفّٰت: ۸۳) اسی معنیٰ پر محمول ہے یعنی "اور بیشک اسی (نوح) کے گروہ سے ابراہیم ہے۔" اصطلاحی اعتبار سے اہلِ تشیع وہ فرقہ ہے کہ جس کے خیال کے مطابق سَیِّدُنا علی رضی اللہ عنہ وراثتِ خلافت میں شیخین اور سَیِّدُنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم سے زیادہ اولیٰ ہیں یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کے بعد فقط حضرتِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کے قائل ہیں اور صرف انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کا جانشین اور پہلا معصوم امام مانتے ہیں۔(2)
شیعہ یا اہلِ تشیع نظریۂ خلافت کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ وہ نظریۂ امامت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک سوائے چار صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے معاذ اللہ خلفائے راشدین سمیت تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان مرتد ہیں جیسا کہ ملا باقر مجلسی نے لکھا

1 ...... فتاویٰ رضویہ، 29، 615
2 ...... لسان العرب، 1/2133 ملخصاً

کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی تو چار اشخاص ”علی ابن ابی طالب، مقداد، سلمان اور ابو ذر رضی اللہُ عنہم “کے سِوا سب مرتد ہو گئے۔(1) اسی طرح غلام حسین نجفی نے لکھا ہے کہ جو تم نے جان کے صحابہ، صحابہ کی رَٹ لگائی ہوئی ہے، ان میں بقول تمہارے افضل تو تمہارے تین خلفاء ہیں اور کئی سو سال گزر چکے ہیں لیکن آج تک تمہارا بڑے سے بڑا عالم ان چاروں کے ایمان تک ثابت نہیں کر سکا۔(2) شیعہ مَعاذَ اللہ تمام صحابۂ کرام علیہمُ الرِّضوان پر سب و شتم یعنی تبرا کو عبادت سمجھتے ہیں۔

یہ فرقہ اپنے افکار و آراء کے اعتبار سے اہلِ سنت کے بالمقابل فرقہ ہے۔ یہ اسلام کا ایک بہت پُرانا فرقہ ہے۔ صحابۂ کرام علیہمُ الرِّضوان و تابعینِ عظام کے دور میں اس کا وجود ہو چکا تھا(3) پھر وقت کے ساتھ ساتھ ان کے نئے سے نئے عقیدے بنتے گئے اور یوں اہلِ تشیع میں بھی کئی فرقے بن گئے۔ شیعہ فرقوں کے عقائد شاہ عبد العزیز محدثِ دہلوی رحمۃُ اللہِ علیہ کی کتاب ”تحفۂ اِثنا عشریہ“ اور دیگر کئی کتب میں موجود ہیں۔

نوٹ: اہلِ تشیع کو امامی (اثنا عشری) بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے ہاں امامت سب سے بنیادی مسئلہ ہے اور اثنا عشری کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ بارہ اماموں کے قائل ہیں اور ان کے خیال کے مطابق بارہواں امام غار میں غائب ہوا ہے جس کو امامِ منتظر (یعنی جس امام کا انتظار کیا جائے) کہتے ہیں۔

اہلِ تشیع کی شاخیں

اہلِ تشیع بنیادی طور پر چار شاخوں میں تقسیم ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1۔ سبائیہ　　2۔ کیسانیہ　　3۔ زیدیہ　　4۔ رافضہ

لیکن موجودہ زمانے میں ان کی مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے شاخیں موجود ہیں جن کی تفصیل کُتبِ عقائد و فِرق میں دیکھی جا سکتی ہے۔

عقائد

یہاں مطلقاً اہلِ تشیع و روافض سے تعلق رکھنے والے مختلف گروہوں کے چند عقائد کو ذکر کیا جاتا ہے:

---

1 ...... بحار الانوار، 64، 165

2 ...... تحفہ حنفیہ، ص 55

3 ...... اسد الغابۃ، 4/175

1۔ فرقۂ نصیریہ کہتا ہے کہ اللہ پاک نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد میں حلول کیا ہے۔

2۔ فرقۂ اسحاقیہ کہتا ہے کہ دنیا کبھی پیغمبر سے خالی نہیں رہتی اور یہ فرقہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ اور اِماموں میں حلولِ باری تعالیٰ کا قائل ہے۔

3۔ فرقۂ خمسیہ پنجتن پاک (حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم) کو "الٰہ" کہتا ہے۔ (1)

4۔ فرقۂ خلفیہ کہتا ہے کہ جو کچھ قرآن اور حدیثوں میں وَارد ہوا ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ لغوی معنیٰ ہیں نہ کہ دوسرے (یعنی مسلمان جو صلوٰۃ کا مطلب رکوع و سجود لیتے ہیں ان کا یہ عمل غلط ہے) قیامت اور بہشت و دوزخ کچھ نہیں ہے۔

5۔ شیعوں کا ایک فرقہ "میمونیہ" یہ کہتا ہے کہ ظاہرِ کتاب وسنت پر عمل حرام ہے۔ (2)

6۔ زیدیہ فرقے سے تعلق رکھنے والے حضرتِ ابو بکر صدیق، عمرِ فاروق اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم کو خلیفۂ برحق مانتے تھے البتہ ان کا مؤقف یہ تھا کہ امام کے لئے قریشی ہونا نہیں بلکہ فاطمی ہونا شرط ہے۔ یہ فرقہ اہلِ سنت کے بہت قریب تھا لیکن بعد میں یہ تحریف میں چلا گیا اور اس کے عقائد بھی دیگر شیعوں جیسے ہوگئے۔ (3)

7۔ فرقۂ سریغیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے پانچ ہستیوں میں حلول کیا تھا، نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام، حضرتِ علی، حضرتِ عباس، حضرتِ جعفر اور حضرتِ عقیل رضی اللہ عنہم۔ (4)

8۔ فرقۂ مفوضیہ کا نظریہ ہے کہ اللہ پاک نے مخلوق کا انتظام اماموں کے سپرد کر دیا ہے اور اللہ پاک نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا بلکہ ہر چیز کی تخلیق اور اس کے انتظام کی قدرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تفویض فرما دی تھی۔ (5) حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ان کا یہی خیال ہے۔ نیز اس فرقہ کے بعض لوگ جب بادل کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ اس میں ہیں اور ان پر سلام بھیجتے ہیں۔

---

1 ...... تحفۂ اثنا عشریہ، ص 13

2 ...... تحفۂ اثنا عشریہ، ص 16

3 ...... تحفۂ اثنا عشریہ، ص 14 ملخصاً

4 ...... تحفۂ اثنا عشریہ، ص 12 ملخصاً

5 ...... تحفۂ اثنا عشریہ، ص 15 ملخصاً

(3)خوارج

عربی لغت کے اعتبار سے خوارج خارج کی جمع ہے جو خروج سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ”نکلنا“ ہے۔ ان کا”خوارج“ نام ان کے خروج کی وجہ سے پڑا ہے چاہے دین سے نکل جانے کی وجہ سے یا خلیفۂ راشد حضرتِ سَیِّدُنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کی وجہ سے یا پھر مسلمانوں کے خلاف خروج کی وجہ سے۔ اصطلاحاً ”ہر وہ شخص جو اہلِ سنت و جماعت کے متفقہ امام کے خلاف خروج کرے اسے ”خارجی“ کہاجاتا ہے،چاہے یہ خروج صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں خلفائے راشدین کے خلاف ہو یا ان کے بعد تابعین کے خلاف ہو یا ہر زمانے میں ائمہ کے خلاف ہو۔“

خارجی فرقے کا ظہور

یہ فرقہ حضرتِ سَیِّدُنا عثمانِ غنی اور حضرتِ سَیِّدُنا علی المرتضی رضی اللہ عنہما کے دورِ مبارک میں رونما ہوا۔[1] خارجی فرقے کی سب سے بنیادی نشانی یہ ہے کہ یہ بات بات پر مسلمانوں کو مشرک کہہ کر ان سے جہاد کرتا ہے۔[2] اس فرقہ کے لوگوں نے حضرتِ عَلِیُّ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو معاذ اللہ مشرک کہا اور ان سے لڑائی کی۔[3] تاریخ میں کئی جنگیں انہی خارجیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کی ہیں۔ آج بھی پوری دنیا میں اسلام کو نقصان پہنچانے میں اسی فرقے کا ہاتھ ہے۔ اس فرقے کی قتل وغارت گری کی وجہ سے ایک طرف کفار اسلام پر طعن کرتے ہیں اور دوسری طرف صحیح مجاہدینِ اسلام بھی دہشت گرد ثابت ہو جاتے ہیں۔ فی زمانہ کالعدم تنظیموں میں انہی عقائد کے لوگ شامل ہیں۔

خوارج کے مختلف نام

ان خوارج پر مختلف اَدوار میں کئی ناموں کا اطلاق ہوتا رہا اور ان میں سے ہر ایک نام کا اطلاق اس گروہ پر پورا پورا ہوتا ہے۔ وہ نام اپنی کچھ وضاحت کے ساتھ درج ذیل ہیں:

محکمہ: اُن کا یہ نام اس لیئے رکھا گیا کہ وہ بار بار یہ نعرہ لگایا کرتے تھے کہ ”لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ۔“

حروریہ: جب انہوں نے حضرتِ سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بغاوت کی اور کوفہ کے قریب ”حرورہ“ نامی بستی میں چلے گئے تو اس نسبت سے ان کا یہ نام رکھا گیا۔

---

1 ......البدایۃ والنھایۃ، 5/278

2 ......الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ، 1/67-69 ماخوذاً

3 ......سنن کبریٰ للبیھقی، 8/309، حدیث: 16740

نواصب/ناصبی: خوارج کو نواصب یا ناصبی اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دشمنی کھڑی کر دینے میں مبالغہ کیا اور پھر یہ لقب ہر اس شخص کے لئے بولا جانے لگا کہ جس نے اہلِ بیت اور بالخصوص حضراتِ حسنینِ کریمین اور ان کے والدِ گرامی حضرتِ سَیِّدُنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے بُغض میں غلو کیا۔

مارقہ: اس کے معنیٰ "پار ہونے والے" خوارج پر اس نام کا اطلاق حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اس حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں کیا جاتا ہے: "یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ یعنی وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔"(1)

خوارج کی شاخیں

1۔ محکمہ 2۔ ازارقہ 3۔ نجدات 4۔ صفریہ 5۔ عجاردہ

6۔ اباضیہ 7۔ ثعالبہ

خوارج مذکورہ بالا سات بڑے اور بنیادی گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں لیکن ان میں حصر نہیں بلکہ یہ مختلف اَدوار میں مختلف عقائد اور ناموں کے ساتھ معرضِ وجود میں آتے رہے۔ اگرچہ ان کا آپس میں بعض باتوں میں اختلاف ہے لیکن ان سب میں قدرِ مشترک جنگِ صفین کے موقع پر جن حضرات کو ثالث بنایا گیا تھا یعنی حضرتِ ابو موسیٰ اشعری اور حضرتِ عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نیز وہ حضرات جنہوں نے انہیں ثالث مقرر کیا تھا یعنی سَیِّدُنا علی بن ابی طالب اور سَیِّدُنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم اور وہ تمام اَفراد جنہوں نے اس ثالثی کو قبول کیا، خوارج کے نزدیک یہ سب کافر ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن کی واضح آیت ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (پ۱۲، یوسف: ۴۰) "ترجمۂ کنزالعرفان: حکم تو صرف اللہ کا ہے" کی خلاف ورزی کی۔ اسی طرح خوارج کا یہ بھی نظریہ ہے کہ جنگِ جمل کے تمام شُرکا بشمول حضرتِ طلحہ بن عبید اللہ، حضرتِ زبیر بن عوام اور حضرتِ عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم سب نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے۔ ایسے ہی وہ امام سے بغاوت کے وجوب پر (جبکہ امام ان کی نگاہ میں ظلم کرے یا ان کی من پسند دینی تشریحات کے مطابق عمل نہ کرے حقیقتاً ایسا ہو یا نہ ہو) بھی متفق ہیں۔

خوارج کے عقائد

عقیدہ: خوارج کا عقیدہ ہے کہ ارتکابِ معصیت کفر ہے اور مرتکبِ کبائر اس وقت تک کافر رہتا ہے جب تک وہ

---

1 ...... مسلم، ص412، حدیث: 2452

اس معصیت سے تائب نہ ہو جائے۔

عقیدہ: جو کلمہ گو اُن جیسے عقائد نہیں رکھتا وہ مشرک اور واجب القتل ہے۔[1]

عقیدہ: ابراہیم خارجی کا عقیدہ تھا کہ ہم خارجیوں کے علاوہ دیگر تمام مسلمان کافر ہیں اور ہمارا اُن کے ساتھ سلام ودُعا اور نکاح ورشتہ داری کرنا جائز نہیں اور نہ ہی میراث میں ان کو حصہ بانٹ کر دینا درست ہے۔ خارجیوں کے نزدیک مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں کا قتل بھی جائز تھا کیونکہ اللہ پاک نے یتیم کا مال کھانے پر آتشِ جہنم کی وعید سنائی ہے[2] لیکن اگر کوئی شخص یتیم کو قتل کر دے یا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے یا اس کا پیٹ پھاڑ دے تو جہنم واجب نہیں۔

عقیدہ: نافع بن الازرق خارجی اور اس کے ساتھی یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جب تک ہم شرک کے ملک میں ہیں تب تک مشرک ہیں اور جب ملکِ شرک سے نکل جائیں گے تو مؤمن ہوں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ جس کسی سے گناہِ کبیرہ سرزد ہو وہ مشرک ہے اور جو ہمارے اس عقیدے کا مخالف ہو وہ بھی مشرک ہے اور جو لڑائی میں ہمارے ساتھ نہ ہو وہ کافر ہے۔[3]

عقیدہ: خارجی فرقے محکِّمیہ کے مطابق جو کوئی مخلوق سے فیصلے کا خواہش مند ہو یعنی اس کو ثالث یا حَکم بنائے وہ کافر ہے۔[4]

عقیدہ: خارجی فرقے ثعلبیہ کے بانی ثعلبہ بن مشکان کا اعتقاد یہ تھا کہ اللہ پاک نے نہ کچھ جاری کیا اور نہ تقدیر میں مقدر کیا۔[5]

عقیدہ: خارجی فرقے خلفیہ کے بانی خلف خارجی کا نظریہ تھا کہ جس کسی نے جہاد چھوڑا وہ کافر ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔[6]

عقیدہ: خارجی فرقے اخنسیہ کے قول کے مطابق مرنے کے بعد میت کو کوئی بھلائی یا بُرائی لاحق نہیں ہوتی[7] یعنی یہ لوگ قبر میں عذاب یا ثواب کے منکر ہیں۔

بہر حال مذکورہ بالا عقائد پر اکتفاء نہیں بلکہ عصرِ حاضر کے خوارج میں بھی قرآن وحدیث کے منافی عقائد و نظریات پائے جاتے ہیں جیسے توحید کی آڑ میں انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیائے کرام رحمۃُ اللہِ علیہم کی شان میں بے ادبیاں

---

1 ...... تلبیس ابلیس، ص116 ماخوذاً
2 ...... تلبیس ابلیس، ص116
3 ...... تلبیس ابلیس، ص116
4 ...... تلبیس ابلیس، ص29 ماخوذاً
5 ...... تلبیس ابلیس، ص29
6 ...... تلبیس ابلیس، ص29
7 ...... تلبیس ابلیس، ص29

www.dawateislami.net

کرنا، ان کی شان و عظمت کا منکر ہونا اور نیک اعمال کو شرک و بدعت قرار دینا وغیرہ۔

مذہبی کتب

قرآنِ کریم اللہ پاک کا بے مثل کلام ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اللہ پاک نے اپنے ذِمّۂ کرم پر لیا ہے۔ اللہ پاک نے اپنا یہ کلام رسولوں کے سردار، دوعالم کے تاجدار صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نازل فرمایا تاکہ اس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لوگوں کو اللہ پاک پر ایمان لانے اور دینِ حق کی پیروی کرنے کی طرف بلائیں اور شرک و کفر و نافرمانی کے انجام سے ڈرائیں، لوگوں کو کفر و شرک اور گناہوں کے تاریک راستوں سے نکال کر ایمان اور اسلام کے روشن اور مستقیم راستے کی طرف ہدایت دیں اور ان کے لئے دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی کی راہیں آسان فرمائیں۔

قرآنِ مجید نازل ہونے کی ابتدا رمضان المبارک جیسے بابرکت مہینے میں ہوئی اور اسے نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں لانے کا شرف روح الامین حضرتِ جبرئیل علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ قرآنِ مجید کو دنیا کی فصیح ترین زبان یعنی عربی میں نازل کیا گیا تاکہ عرب کے رہنے والوں اور کفارِ قریش کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم اس کلام کو سن کر کیا کریں گے جسے ہم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ قرآنِ مجید کو تورات و انجیل کی طرح ایک ہی مرتبہ نہیں اُتارا گیا بلکہ حالات و واقعات کے حساب سے تھوڑا تھوڑا کرکے تقریباً 23 سال کے عرصے میں نازل کیا گیا تاکہ اس کے احکام پر عمل کرنا مسلمانوں پر بھاری نہ پڑے اور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قلبِ اَطہر کو مضبوطی حاصل ہو اور یہ اللہ پاک کا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اُمّت پر بہت بڑا احسان ہے۔ قرآنِ عظیم کے کثیر اسماء ہیں جو کہ اس کتاب کی عظمت و شرف کی دلیل ہیں، ان میں سے چھ مشہور اسماء یہ ہیں: (1) قرآن (2) برہان (3) فرقان (4) کتاب (5) مصحف (6) نور [(1)]

مشہور کتبِ تفاسیر

1۔ تنویر المقباس من تفسیر ابنِ عباس
2۔ جامع البیان عن تاویل القرآن محمد بن جریر الطبری
3۔ تفسیر ابنِ ماجہ
4۔ تفسیر القرآن العظیم لابنِ کثیر
5۔ تفسیر نیشاپوری
6۔ معالم التنزیل
7۔ انوار التنزیل واسرار التاویل
8۔ احکام القرآن
9۔ الدر المنثور فی تفسیر بالمأثور
10۔ روح المعانی

---

(1) ...... تفسیر صراط الجنان (مقدمہ)، 1/10-11

مشہور کتبِ حدیث

1۔ صحیح بخاری 2۔ صحیح مسلم 3۔ سننِ ابی داؤد 4۔ سننِ ترمذی
5۔ سننِ ابنِ ماجہ 6۔ سنن نسائی 7۔ مؤطا امام مالک 8۔ مصنف عبد الرزاق
9۔ مسند احمد بن حنبل 10۔ مستدرک علی الصحیحین حاکم

رسم ورواج

اسلام میں رسم ورواج کے جائز وناجائز ہونے کا اُصول یہ ہے کہ جو رسم ورواج قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف ہیں وہ ناجائز ہیں اور جو اس کے خلاف نہیں وہ جائز ہیں اور جس کی اصل شرع سے ثابت ہے وہ مستحب ہیں مثلاً بسنت مال کا ضیاع ہونے کی وجہ سے[1] اور ویلنٹائن ڈے (کہ لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کو پھول دیتے ہیں) بے حیائی کی وجہ سے ناجائز ہے کہ یہ سب قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف ہیں البتہ جسے نظر لگی ہو اس کے سر سے سات بار مرچیں گھما کر جلانا[2] اور شادی میں سہرا باندھنا قرآن وسنت کے خلاف نہیں اس لئے ان کا کرنا جائز ہے[3] نیز ذکرو اذکار اصلاً باعثِ ثواب ہے اور اگر یہ قل خوانی اور میلاد شریف کی صورت میں ہو تو مستحب ہے۔[4]

اسلامی نقطۂ نظر سے کفار کے طور طریقوں بالخصوص دینی رسومات سے سختی سے بچنے کا حکم ہے جیسے کرسمس اور دیوالی وغیرہ رسومات کو منانا اور اس میں شرکت کرنا جائز نہیں۔[5]

چند اسلامی رسومات

1۔ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے کان میں اذان واقامت کہنا اسلامی تعلیمات میں سے ہے۔[6]

2۔ پیدائش کے بعد ساتویں دن سر منڈوانا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنا، عقیقہ کرنا[7] یعنی لڑکی کی

---

1 ...... فتاویٰ رضویہ، 24/659
2 ...... مرآۃ المناجیح، 6/224
3 ...... فتاویٰ رضویہ، 11 178
4 ...... الحاوی للفتاوی، 1/226
5 ...... البحر الرائق، 5/208
6 ...... شعب الایمان، 6 390، حدیث: 8619
7 ...... بہار شریعت، حصہ 15، 3 355

طرف سے ایک سال کا بکرا اور لڑکے کی طرف سے ایک ایک سال کے دو بکرے ذبح کرکے ان کا گوشت قربانی کے گوشت کی طرح تقسیم کرنا اور بچے کا نام رکھنا، یہ سب مستحب کام ہیں۔[1]

3۔لڑکے کا ختنہ کروانا اسلامی تعلیمات میں سے ہے۔[2] یاد رہے! ختنہ کروانے کے موقع پر بعض خاندان والے دعوت کا اہتمام کرتے ہیں جس کی شرع میں ممانعت نہیں جبکہ گانے باجے اور دیگر غیر شرعی افعال سے بچا جائے۔

شادی بیاہ کی رسومات

اسلام شادی بیاہ کے متعلق بھی مکمل راہنمائی کرتا ہے۔شادی بیاہ کی کئی رسمیں اسلامی تعلیمات میں ناجائز ہیں جیسے ناچنا، گانا، مرد و عورت کا اختلاط وغیرہ۔ اسلامی تعلیم کے مطابق مستحب یہ ہے کہ نکاح مسجد میں منعقد ہو،[3] نکاح میں فضول خرچی اور دِکھلاوے سے بچا جائے، سادگی سے نکاح ہو، لڑکی والے اپنی حیثیت کے مطابق اپنی مرضی سے جتنا جہیز دینا چاہیں دیں، شبِ زفاف کے بعد شوہر اپنی استطاعت کے مطابق ولیمہ کرے جو کہ سنت ہے۔[4]

فوتگی کی رسومات

فوتگی کے حوالے سے اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان فوت ہو تو اسے اچھا کفن دیا جائے، اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے، مسلمانوں کے قبرستان میں کسی نیک شخص کے قریب دفن کیا جائے، مرنے والے کے عزیز و اقارب سے تعزیت کی جائے اور مرنے والے کے لئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کیا جائے۔ تین دن سے زیادہ میت کا سوگ نہ کیا جائے البتہ بیوی پر چار ماہ دس دن سوگ ہے[5] وہ اس مدت میں زیب وزینت اور آگے نکاح نہیں کرسکتی۔[6]

دینی تہوار

عید الفطر

رمضان المبارک کے ختم ہونے کے بعد مسلمان یکم شوال المکرم کو عید مناتے ہیں جسے ”عید الفطر“ کہا جاتا ہے۔ یہ

---

1 ...... فتاویٰ رضویہ، 20/586

2 ...... فتاویٰ ہندیہ، 5/357

3 ...... ترمذی، 2/346، حدیث: 1091

4 ...... فتاویٰ رضویہ، 11/278

5 ...... بخاری، 1/433، حدیث: 1281-1282

6 ...... درمختار مع ردالمحتار، 5/220

دن مسلمانوں کی رمضان میں کی گئی عبادتوں اور رکھے گئے روزوں پر انعام کا دن ہے۔[1] اس دن مسلمان صبح سورج طلوع ہونے کے بعد نمازِ عید پڑھتے ہیں اور پھر ایک دوسرے سے گلے مل کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ عید الفطر کے موقع پر بچوں کو پیسے دیئے جاتے ہیں جسے "عیدی" کہا جاتا ہے۔ عید کے دن عمدہ کھانوں بالخصوص میٹھے کا خوب انتظام کیا جاتا ہے، رشتہ دار باہم ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں اور نئے کپڑے پہن کر اس دن کو منایا جاتا ہے۔

عید الاضحیٰ

اسلامی مہینوں میں سب سے آخری مہینا ذوالحجہ کا ہے اس مہینے کی دس تاریخ کو "عید الاضحیٰ" منائی جاتی ہے۔ اس دن صاحبِ ثروت (مالدار) لوگ اللہ پاک کی راہ میں جانور قربان کرتے ہیں اور ان کا گوشت خود بھی کھاتے ہیں، رشتہ داروں میں بھی تقسیم کرتے ہیں اور غرباء کو بھی دیتے ہیں۔ یہ قربانی کے تین دن ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت پہلے دن قربانی کرتی ہے بعض دوسرے اور تیسرے دن بھی کرتے ہیں۔

عید میلاد النبی

اسلامی مہینے ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔[2] مسلمان حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری والے دن کو بہت خوشی سے مناتے، اپنے گھروں بازاروں اور مساجد کو سجاتے، نعت وبیان کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی شان و عظمت بیان کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ جلوس بھی نکالتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اپنی ولادت کے دن کو روزہ رکھ کر منایا ہے،[3] اس کے بعد صدیوں سے علمائے کرام نے اس دن کو منانا مستحب فرمایا ہے۔[4] لوگ اس دن کھانے پکا کر لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

اس دن کو منانے کے فضائل وبرکات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا چچا ابولہب جو کہ اسلام کا دشمن اور کافر تھا لیکن آپ کی ولادت کی خوشی میں لونڈی آزاد کرنے پر اس کے عذاب میں ہر پیر کو تخفیف کر دی جاتی ہے۔ مصنف عبد الرزاق اور دیگر کتب میں ہے کہ جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ولادت کی خبر حضرتِ ثویبہ رضی اللہ عنہا

---

1 ...... شعب الایمان، 3، 336، حدیث: 3695
2 ...... فتاویٰ رضویہ، 26، 405
3 ...... مسلم، ص455، حدیث: 2747
4 ...... الحاوی للفتاوی، 1/226

نے ابو لہب کو سنائی اس وقت ابو لہب نے خوش ہو کر ثوبیہ کو آزاد کر دیا پھر کئی دن تک حضرتِ ثوبیہ رضی اللہُ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو دودھ پلایا۔ ابو لہب کے مرنے کے بعد حضرتِ عباس رضی اللہُ عنہ نے یا کسی اور نے خواب میں دیکھا اور پوچھا: تیرا کیا حال ہے؟ بولا: "مَاوَجَدْتُ بَعْدَكُمْ رَاحَةً غَيْرَ أَنِّي سُقِيتُ فِي هٰذِهِ مِنِّي وَأَشَارَ إِلَى النُّقْرَةِ الَّتِي تَحْتَ إِبْهَامِهِ فِي عِتْقِي ثُوَيْبَةَ یعنی تم سے جدا ہونے کے بعد میں نے راحت نہ پائی البتہ اپنی اس انگلی سے جس کے ذریعے میں نے ثوبیہ کو (نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پیدا ہونے کی خوشی میں) آزاد کیا تھا سیراب کیا جاتا ہوں۔"[1] بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے کہا: "آگ میں ہوں لیکن ہر پیر کی رات تخفیف ہوتی ہے اور ان دو انگلیوں سے پانی چوستا ہوں جن کے اشارے سے ثوبیہ کو آزاد کیا تھا۔"[2] شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃُ اللہِ علیہ نے مدارجُ النبوۃ[3] اور علامہ جزری رحمۃُ اللہِ علیہ نے اپنے رسالے میلاد شریف میں اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ "اِذَاكَانَ هٰذَا اَبُوْلَهَبِ الْكَافِرُ الَّذِيْ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِذَمِّهٖ جُوْزِيَ فِي النَّارِ بِفَرْحِهٖ لَيْلَةَ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٖ فَمَا حَالُ الْمُسْلِمِ الْمُوَحِّدِ مِنْ اُمَّتِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ یعنی جب یہ حال ابو لہب جیسے کافر کا ہے جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا کہ نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ولادت کی شب خوشی منانے کی وجہ سے اس کو بھی قبر میں بدلہ دیا گیا تو آپ کے موحد و مسلمان اُمتی کا کیا حال ہوگا؟"[4]

مبارک ایام و شب

جمعہ

اسلام میں جمعہ کے دن کو تمام دِنوں پر فضیلت حاصل ہے۔[5] مسلمانوں پر (خاص شرائط کے ساتھ) جمعہ کے دن ظہر کی جگہ جمعہ پڑھنا ضروری ہے۔[6]

پیر

پیر کا دن اس حوالے سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے کہ آخری نبی حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پیر کے دن پیدا

---

1 ...... مصنف عبد الرزاق، 9، حدیث: 16661

2 ...... بخاری، 3، 432، حدیث: 5101 ملتقطاً

3 ...... مدارج النبوۃ، 2/18-19

4 ...... المواھب اللدنیۃ 1/78

5 ...... بخاری، 1/303

6 ...... در مختار، 3/5

www.dawateislami.net

ہوئے تھے اور آپ ہر پیر کو روزہ رکھتے تھے [1] اس لئے مسلمانوں کی ایک تعداد اس دن کو روزہ رکھتی ہے۔

یوم عاشورا

دس محرم الحرام کو کئی نسبتیں حاصل ہیں۔ [2] اَحادیثِ مبارکہ میں اس دن روزہ رکھنے کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ [3] اس دن حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے نواسے حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے رفقاء کے ساتھ بھوک پیاس کی حالت میں بے دردی کے ساتھ یزید نے شہید کروایا۔ [4] مسلمان اس دن حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کی یاد میں ان کو ایصالِ ثواب پیش کرنے کے لئے خوب کھانے اور مشروبات تقسیم کرتے ہیں۔

عرفہ کا دن

عیدالاضحیٰ سے ایک دن پہلے عرفہ کا دن خاص اہمیت کا حامل ہے اس میں غیرِ حاجی کو روزہ رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ [5]

ستائیس رجب

اسلامی مہینے رجب کی ستائیس تاریخ کو اللہ پاک نے نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو معراج جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی۔ فرشتے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو جنتی جانور براق پر سوار کرکے مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ لے کر آئے جہاں آپ نے تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کروائی اور پھر وہاں سے آسمانوں کی سیر کی اور جنت و دوزخ کو دیکھا۔ پھر سر کی آنکھوں سے اللہ پاک کا دیدار کیا جو نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے علاوہ کسی نبی کو حاصل نہ ہوا۔ [6] مسلمان ستائیس رجب کی رات مساجد میں محافل کا انتظام کرتے ہیں جس میں واقعۂ معراج بیان کیا جاتا ہے اور پھر اگلے دن روزہ بھی رکھا جاتا ہے۔

شبِ براءت

اسلامی مہینے شعبان المعظم کی پندرہ تاریخ کو شبِ براءت آتی ہے۔ اس رات پورے سال میں ہونے والے معاملات

---

1 ...... مسلم، ص455، حدیث:198

2 ...... ماثبت من السنۃ (مترجم)، ص16

3 ...... مسلم، ص454، حدیث:2746

4 ...... الکامل فی التاریخ، 3/428-432

5 ...... مسلم، ص454، حدیث:2746

6 ...... بخاری، 2، 584، حدیث:3887 ملخصاً

فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ جس نے اس سال مرنا ہے، شادی کرنی ہے، رزق ملنا ہے اور اس جیسے دیگر معاملات کو اسی رات طے کیا جاتا ہے۔ نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اس رات عبادت کرنے اور دن کو روزہ رکھنے کی بہت ترغیب دی ہے۔(1) مسلمان اس رات کو مساجد میں گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کثیر مسلمان شب براءت میں زیارت قبور کے لیے قبرستان جاتے ہیں۔ یاد رہے! اس رات زیارتِ قبور سنت ہے چنانچہ اُمُّ المؤمنین حضرتِ سَیِّدَتُنا عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ایک رات (یعنی شعبان کی پندرھویں رات) سرورِ کائنات، شاہِ موجودات صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو نہ دیکھا تو بقیعِ پاک میں مجھے مل گئے، آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہیں اس بات کا ڈر تھا کہ اللہ پاک اور اس کا رسول تمہاری حق تلفی کریں گے؟ میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! میں نے خیال کیا تھا کہ شاید آپ اَزواجِ مُطَہَّرات میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے۔ تو فرمایا: بیشک اللہ پاک شعبان کی پندرھویں رات آسمانِ دُنیا پر تجلّی فرماتا ہے، پس قبیلۂ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ گنہگاروں کو بخش دیتا ہے۔(2)

لیلۃ القدر

آخری نبی حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اُمّت کی عمریں دیگر انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کی اُمّت کی عمروں سے کم ہیں۔ اللہ پاک نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو جس طرح تمام نبیوں کا سردار بنایا اسی طرح ان کی اُمّت کو پچھلی تمام اُمتوں سے افضل قرار دیا۔ اب چونکہ عمریں کم ہونے کی وجہ سے ان کے نیک اعمال پچھلی اُمتوں سے کم ہونے تھے(3) اس لئے اللہ پاک نے مسلمانوں کو چند مبارک راتیں عطا فرمادیں کہ جو ان راتوں میں عبادت کرے گا اسے کئی سالوں کی عبادت کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ ان راتوں میں سب سے افضل رات "لیلۃ القدر" کی رات ہے(4) لیکن یہ کس تاریخ کو ہے اس بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا(5) البتہ روایات میں کچھ اس طرح کے اشارے ملتے ہیں کہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں سے اکیس، تیئس، پچیس، ستائیس اور انتیس کی رات میں اسے تلاش کیا جائے

---

1 ...... ابن ماجہ، 2/160، حدیث: 1388

2 ...... ترمذی، 2/183، حدیث: 739

3 ...... تفسیر عزیزی، پ30، القدر، 3/257 ملتقطاً

4 ...... ابن ماجہ، 2/298، حدیث: 1644 ماخوذاً

5 ...... بخاری، 1/662، حدیث: 2023

بالخصوص ستائیسویں رات کو۔[1] مسلمان ان راتوں میں بالخصوص ستائیسویں رات کو عبادت کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔

دینِ اسلام کی خصوصیات

(1) ذاتِ خدا کے بارے میں واضح عقیدہ

تمام ادیان میں سے دینِ اسلام ہی صرف اور صرف اللہ پاک کی ذات سے متعلق واضح عقیدے کا پیغام دیتا ہے۔ اس میں اللہ پاک کے سِوا کسی بھی چیز یا شخصیت کی عبادت شرک ہے یہاں تک کہ اگر کوئی کسی کو ذات وصفات میں خدا جیسا سمجھے وہ کافر و مشرک ہے۔ قرآنِ مجید کی کئی آیات اس بات کی شاہد ہیں چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمْ یَلِدْ ۙ۬ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾ (پ ۳۰، الاخلاص: ۱ تا ۴)

ترجَمۂ کنز العرفان: تم فرماؤ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور کوئی اس کے برابر نہیں۔

یونہی کسی کو اللہ کا بیٹا، والد یا بیوی وغیرہ کہنے والا بھی کافر ہو جائے گا۔ جیسا کہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ﹰ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ یُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ۫ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ (پ ۱۰، التوبۃ: ۳۰)

ترجَمۂ کنز العرفان: اور یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی اپنے منہ سے کہی ہوئی بات ہے، یہ پہلے کے کافروں جیسی بات کرتے ہیں، اللہ انہیں مارے، کہاں اوندھے جاتے ہیں؟

اس کے برعکس دیگر ادیان میں اللہ پاک کے متعلق نہ صرف غیر واضح عقائد ہیں بلکہ بکثرت تضادات بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں دہریت بڑھنا شروع ہو گئی ہے جیسا کہ عیسائیت اور بدھ مت میں اللہ پاک کے بارے میں ایسے عجیب و غریب عقائد بیان کئے گئے ہیں کہ عقلِ سلیم رکھنے والا شخص سمجھ جاتا ہے کہ یہ عقائد انسانوں ہی کے مرتب کردہ ہیں جبکہ اسلام کے ماننے والوں میں اللہ پاک کے فضل و کرم سے دہریت اپنے افکار و نظریات کا زہر اگلنے میں ناکام رہی سوائے چند لوگوں کے جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مسلم علما نے عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ اللہ پاک کے وجود کو نا صرف ثابت کیا ہے بلکہ سیکولرازم کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب بھی دیا ہے۔

---

[1] ...... بخاری، 1 / 661، حدیث: 2018 ملتقطاً

(2) مکمل دین / ضابطۂ حیات

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ اس کے مکمل نظامِ حیات ہونے سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اسلام نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں راہ نمائی فراہم کی ہے۔ اس بارے میں قرآن و حدیث میں بہت سے دلائل ہیں اور علما نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ محدثینِ کرام کی تصنیفات کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ اسلام کے مکمل نظامِ حیات ہونے کا تصور تمام محدثین کے یہاں موجود رہا ہے اور اسی بنیاد پر انہوں نے اپنی معرکۃ الآرا کتبِ احادیث مرتب فرمائی ہیں۔ کتبِ احادیث میں کتاب الایمان سے لے کر کتاب الآداب تک انسانی زندگی میں پیش آنے والے انفرادی، اجتماعی، دینی اور دنیوی سارے موضوعات شامل ہیں یا ان میں سے اکثر کا احاطہ کیا گیا ہے اور بقیہ موضوعات بھی ضمنی طور پر انہی موضوعات میں موجود ہیں الغرض کوئی گوشۂ حیات ایسا نہیں کہ جس کی طرف اسلام نے راہ نمائی نہ کی ہو۔

اگر زندگی کے مختلف شعبہ جات کو الگ الگ عنوانات کے تحت تقسیم کیا جائے تو عام طور پر ان کی تقسیم اس طرح ہوگی: عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت (نکاح، طلاق، وراثت)، سیاست و حکومت، مسلح و جنگ، صحت و مرض، قانون، تاریخ و سیرت اور اخلاق و آداب۔ یہ شعبہ ہائے زندگی کی بہت مجمل اور مختصر تقسیم ہے جبکہ محدثین کے یہاں تقسیم کافی وسیع ہے اور انہوں نے زندگی کے ایسے شعبے بھی دریافت کئے اور ان کے بارے میں ہدایاتِ نبوی جمع کی ہیں کہ جن کی طرف عام طور پر لوگوں کے ذہن منتقل نہیں ہوتے۔ اس سے ان کی باریک بینی اور حقائقِ زندگی سے انتہائی درجہ واقفیت کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری کا بھی پتا چلتا ہے۔

اس کے برعکس دیگر ادیان میں اُن کی بنیادی کتابیں ہی تحریف سے محفوظ نہیں ہیں، تحریف کے بعد بھی جو موجود ہیں ان میں معلومات بہت سرسری سی ہیں جیسا کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق موجودہ عیسائی کتب میں انتہائی قلیل معلومات ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ موجودہ مذاہب خواہ سماوی ہوں یا غیر سماوی انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی راہ نمائی کے لئے کافی نہیں کیونکہ جس مذہب میں بانیِ مذہب و اَصلِ ماخذِ مذہب کے بارے میں بھی پوری معلومات نہ ہوں تو وہ پوری انسانیت کے لیے کیسے راہ نما مذہب بن سکتا ہے۔

(3) دینِ فطرت

دینِ اسلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ فطرت کے عین مطابق ہے، انسانی فطرت کو نظر

اَنداز کر کے اس میں کوئی حکم نہیں دیا گیا اور نہ ہی انسان کے فطری مطالبات کو کچلا گیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں یا فطرت کے جو تقاضے ہیں وہ اسلامی تعلیمات میں محصور ہیں لہٰذا ان سے دوری اختیار کر کے نہ تو فطرت کی رعایت ہو سکتی ہے اور نہ ہی اسلامی تعلیمات کے فیوضات سے کماحقہ فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں وارد اَحکام صدیوں سے لے کر اب تک قابلِ عمل ہیں اور کوئی حکم ایسا نہیں ہے کہ جس پر عمل کرنا ناممکن ہو اور پوری اُمتِ مسلمہ اس کے کرنے سے عاجز ہو جائے۔

اس کے برعکس دیگر مذاہب چونکہ لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں اس لئے ان کے مذہب کے کئی احکام لوگ پورا کرنے سے عاجز آ گئے ہیں جیسے ہندوؤں کے ہاں ''رَسمِ ستّی'' کہ پہلے تو اس پر عمل ہوتا رہا بعد میں لوگ اس سے عاجز آ گئے پھر پنڈتوں نے یہ حکم دیا کہ عورتوں کو نہ جلایا جائے لیکن ان کا سر منڈوا دیا جائے۔ یہ بھی کچھ عرصہ چلا بعد میں لوگوں نے چھوڑ دیا پھر یہ حکم صادر ہوا کہ بیوہ عورتیں سر نہ منڈوائیں لیکن ہمیشہ سفید لباس پہنیں اور آگے نکاح نہ کریں۔ اب موجودہ دور کے ہندو اس سے بھی عاجز آ گئے ہیں۔

اسی طرح عیسائیت میں رہبانیت سنتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طور پر اَپنائی گئی لیکن بعد میں یہ زنا کی صورت اختیار کر گئی۔ یاد رہے! عیسائیت میں مذہبی پیشواؤں کا شادی نہ کرنا اور اپنی شہوتِ نفس پر بے انتہا ضبط بہت کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے حالانکہ اسلام اس قسم کے غیر فطری ضبط کی اجازت نہیں دیتا۔

(4) مہذب دین

اسلام کی متعدد خصوصیات و امتیازات میں سے ایک خصوصیت واِمتیاز یہ بھی ہے کہ یہ دین اپنے ماننے والوں کو اخلاق و تہذیب سکھاتا اور غیر شائستہ حرکات سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات تمام شعبہ ہائے حیات پر محیط ہیں چاہے انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی ہر معاملے میں اسلام نے کرامتِ انسانی کی حفاظت کی ہے اور ایسی ہدایات دی ہیں جو انسان کو ناصرف عام حیوانات سے ممتاز کرتی ہیں بلکہ دیگر تمام مذاہب و نظریات کے ماننے والوں سے بہتر بناتی ہیں۔

قرآن و حدیث میں اخلاق کی عام تعلیمات دی گئی ہیں جن میں فضائلِ اخلاق، صدق و سخاوت، عفت و دیانت داری، شرم و حیا، عہد کی پابندی، رحم، احسان، عفوودرگزر، حلم و بردباری، تواضع، خوش کلامی، ایثار، اعتدال، خودداری، استقامت اور حق گوئی جیسی دیگر صفات و اوصافِ حسنہ اپنے اندر پیدا کرنے کی ہر فردِ مسلم کو تلقین کی گئی ہے۔ اسی طرح رذائل

جیسا کہ اخلاقِ منکرِ نبی، فشاء، جھوٹ، خیانت، غیبت، چغل خوری، بدگمانی، فخر و غرور، حرص، بے ایمانی، چوری، غیظ و غضب، حسد، بغض و کینہ، خوشامد اور ظلم جیسے ناپسندیدہ اَوصاف سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے سے آدمی کافی حد تک مہذب و شائستہ ہو جاتا ہے مگر اس پر مستزاد اسلام میں بعض ایسی تعلیمات ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والے کو انتہائی درجہ مہذب اور شائستہ بنانا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس دیگر مذاہب میں انسانیت میں حد درجہ تہذیب و شائستگی کے معیار کو بلند کرنے کے اصول و انداز نہیں اپنائے گئے۔ ادیان میں سے سماوی ادیان میں اگرچہ انسانی طبیعتوں میں نکھار پیدا کرنے کے مختصراً اُصول بیان ہوئے لیکن ان کے انبیا کی موجودگی میں لوگوں نے ان کو پسِ پشت ڈال دیا اور ان کے علاوہ ادیان میں یا تو تہذیب کے اصول بیان ہی نہیں ہوئے اور اگر بیان ہوئے بھی ہیں تو وہ انسانی زندگی کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے ناکافی ہیں۔

(5) دینِ یُسر (آسان دین)

اسلام کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے احکام میں بے حد سہولتیں اور آسانیاں ہیں اور کسی بھی حکم میں انسان کو مجبور نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس پر بہت زیادہ مشقت ڈالی گئی ہے۔ قرآنِ حکیم نے جگہ جگہ اسی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (پ۳، البقرۃ:۲۸۶) "ترجمۂ کنز العرفان: اللہ کسی جان پر اس کی طاقت کے برابر ہی بوجھ ڈالتا ہے۔" نیز ایک مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (پ۲، البقرۃ:۱۸۵) "ترجمۂ کنز العرفان: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔"

اسی قانونِ آسانی کے تحت یہ رعایت دی گئی ہے کہ جب بندے پر کوئی فرض زیادہ دشوار ہو جاتا ہے تو اسے بالکل معاف کر دیا جاتا ہے یا اس کے بدلے کوئی آسان کام کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ نماز ہی کو لے لیجئے اس میں قیام فرض ہے[1] مگر جس کے لئے کھڑا ہونا دشوار ہو اس کے لئے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔[2] اسی طرح روزہ بیمار اور بہت ضعیف شخص سے ساقط ہو جاتا ہے یعنی بیمار تندرست ہونے کے بعد قضا کرتا ہے[3] اور جو بہت ہی بوڑھا اور کمزور ہو وہ

---

1 ......فتاویٰ ہندیہ، 1/69

2 ......غنیۃ المتملی، ص 261

3 ......درمختار مع ردالمحتار، 3/462-465

اس کا کفارہ دیتا ہے۔[1] بہت سی چیزیں ہیں جن کا کھانا حرام ہے لیکن اگر مجبوری آپڑے تو ایسے وقت میں بقدرِ ضرورت ان کا کھانا جائز ہو جاتا ہے۔[2]

(6) دینِ اعتدال

تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے کہ جو نہ تو صرف روحانیت پر زور دیتا ہے اور نہ ہی صرف مادیت پر بلکہ وہ انسان کو روح اور مادہ دونوں ہی کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور دنیا و آخرت دونوں کی اصلاح کا طریقہ بتاتا ہے۔ قرآنِ پاک میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جن کی دعا یہ ہے: ﴿رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً﴾ (پ۲، البقرۃ:۲۰۱) ”ترجمۂ کنز العرفان: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں آخرت میں (بھی) بھلائی عطا فرما۔“

چونکہ ایسی جامعیت اور میانہ روی اسلام کی ایک بنیادی شان ہے اس لئے قرآنِ پاک نے ملتِ اسلامیہ کو ”اُمَّةً وَّسَطًا“ کا خطاب دیا ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایسی قوم جو اعتدال کی راہ پر چلتی ہے اور روح و مادہ یا دنیا و آخرت میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کرتی۔ مسلمان نہ یہودیوں کی طرح ہیں جن کے پیشِ نظر مادی فائدوں اور جسمانی لذتوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں اور نہ ہی نصاریٰ اور ہندوؤں کی طرح ہیں جن کے ہاں عبادات کا دارو مدار نفس کو ذلیل کرنے اور جسمانی مشقتیں برداشت کرنے ہی پر ہے۔

(7) اسلام اور نجات

اسلام میں نجات کا دارو مدار محض کسی عقیدے یا سب کی طرف سے کسی کے کفّارہ ہو جانے پر نہیں رکھا گیا جیسا کہ یہودیوں کا خیال ہے کہ اسرائیلی ہونا نجات کے لئے کافی ہے یا نصاریٰ کا خیال ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام سولی پر چڑھ کر ساری دنیا کے لئے کفارہ بن گئے۔ اسلام نے دنیا و آخرت کی فلاح اور جہنم سے نجات کے لئے حسبِ ذیل امور کو ہر ہر فرد کے لئے لازم ٹھہرایا ہے:

1۔ صحیح ایمان اور عرفانِ خداوندی کے ذریعے نفس کو پاک کرنا

2۔ اخلاق درست کرنا

3۔ نیک اعمال بجالانا

---

1 ...... درمختار مع ردالمحتار، 3 471

2 ...... تفسیر خازن، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ:173، 1/113

www.dawateislami.net

عقیدۂ ختمِ نبوت

ختمِ نبوت کا مطلب

مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق ختمِ نبوت سے مراد یہ ہے کہ جو سِلسلۂ نبوت اللہ پاک نے حضرتِ سَیِّدُنا آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے شروع کیا اس کی انتہا محمدِ عربی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس پر فرمائی یعنی حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم آخری نبی اور آخری رسول ہیں آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔ اس عقیدے کو شریعت کی اصطلاح میں "عقیدۂ ختمِ نبوت" کہا جاتا ہے۔

عقیدۂ ختمِ نبوت کی اہمیت

عقیدۂ ختمِ نبوت ان اجماعی عقائد میں سے ہے جس کو اسلام کے اصول اور ضروریاتِ دین میں شمار کیا گیا ہے اس لئے عہدِ نبوت سے لے کر آج تک ہر مسلمان بلا کسی تاویل و تخصیص کے آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان رکھتا آیا ہے جیسا کہ امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ختمِ نبوت سے متعلق فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا: حُضور پُرنور خاتم النبیین، سید المرسلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا خاتم یعنی بعثت میں آخرِ جمیع انبیاء و مرسلین بلا تاویل وبلا تخصیص ہونا ضروریاتِ دین سے ہے جو اس کا منکر ہو یا اس میں ادنیٰ شک و شبہ کو بھی راہ دے کافر مرتد ملعون ہے۔ (1)

اس عقیدے کی اہمیت کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآنِ مجید کی 100 آیاتِ کریمہ اور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی 200 سے زائد احادیثِ مبارکہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اُمّت کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلے پر منعقد ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ظاہری حیات کے زمانہ میں اسلام کے تحفظ اور دفاع کے لئے جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں ان میں شہید ہونے والے صحابۂ کرام کی کُل تعداد 259 ہے اور عقیدۂ ختمِ نبوت کے دفاع کے لئے اسلام کی تاریخ میں پہلی جنگ جو سَیِّدُنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں "مسیلمہ کذّاب" کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی اس ایک جنگ میں شہید ہونے والے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کی تعداد 1200 تھی جن میں سے 700 قرآن کے حافظ و قاری تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اس عقیدے پر جانثاری سے اس کی عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

1 ......فتاویٰ رضویہ، 14/333

عقیدۂ ختمِ نبوت آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں

1۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۠ (پ۲۲، الاحزاب:۴۰)

ترجمۂ کنز العرفان: محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخر میں تشریف لانے والے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے مفتی سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: یعنی نبوت آپ پر ختم ہوگئی، آپ کی نبوت کے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی حتّٰی کہ جب حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نازل ہوں گے تو اگرچہ نبوّت پہلے پاچکے ہیں مگر نزول کے بعد شریعتِ محمدیہ پر عامل ہوں گے اور اسی شریعت پر حکم کریں گے اور آپ ہی کے قبلہ یعنی کعبہ شریف کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں گے، حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا قطعی ہے، نصِ قرآنی بھی اس میں وارد ہے اور صحاح کی بکثرت احادیث تو حدِّ تواتر تک پہنچتی ہیں۔ ان سب سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سب سے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور جو حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعد کسی اور کو نبوت ملنا ممکن جانے وہ ختمِ نبوت کا منکر، کافر اور خارج اَز اسلام ہے۔

2۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (پ۶، المآئدہ:۳)

ترجمۂ کنزالعرفان: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر دین کا تمام اور کامل ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ آخری نبی ہیں کیونکہ آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا اسی وقت ممکن ہوتا کہ جب آپ کے دین اور آپ کی شریعت میں کوئی کمی ہوتی جس کو بعد میں آنے والا نبی پورا کرتا لیکن چونکہ آپ کا دین کامل اور تمام ہے اور اس کا نا مکمل ہونا ممکن ہی نہیں ہے تو آپ کے بعد کسی نبی کا آنا بھی ممکن نہیں ہے۔

3۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ (پ۲۲، سبا:۲۸)

ترجمۂ کنز العرفان: اور اے محبوب! ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم دنیا کے تمام لوگوں کے لئے رسول ہیں، اگر آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کو جائز قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ آپ تمام لوگوں کے لئے رسول نہیں بلکہ بعض لوگوں کے لئے کوئی اور رسول آئے گا، اس صورت میں یہ آیت کاذب ہو جائے گی اور قرآنِ مجید کا کاذب ہونا محال ہے تو اس سے لازم آیا کہ آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا بھی محال ہے۔

4۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ (پ۳، اٰلِ عمرٰن:۸۱-۸۲)

ترجمۂ کنز العرفان: اور یاد کرو جب اللہ نے نبیوں سے وعدہ لیا کہ میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں گا پھر تمہارے پاس وہ عظمت والا رسول تشریف لائے گا جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو گا تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ (اللہ نے) فرمایا: (اے انبیاء!) کیا تم نے (اس حکم کا) اقرار کر لیا اور اس (اقرار) پر میرا بھاری ذمہ لے لیا؟ سب نے عرض کی: "ہم نے اقرار کرلیا" (اللہ نے) فرمایا: تو (اب) ایک دوسرے پر (بھی) گواہ بن جاؤ اور میں خود (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو کوئی اس اقرار کے بعد روگردانی کرے گا تو وہی لوگ نافرمان ہوں گے۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جس نبی کے آنے پر تمام رسولوں سے اس پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا پختہ عہد لیا گیا ہے وہ تمام رسولوں کے بعد آئے تو پس اگر آپ کے بعد کسی اور رسول کے آنے کو ممکن مانا جائے تو لازم آئے گا کہ وہی آخری رسول ہو اور اسی کے متعلق تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا گیا ہو بلکہ آپ سے بھی اس پر ایمان لانے اور اس کی مدد کرنے کا عہد لیا گیا ہو اور یہ بداہۃً باطل ہے۔

5۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ؕ(۴) (پ ۱، البقرۃ:۴)

ترجمۂ کنز العرفان: اور وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا اور جو تم سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

یہ آیتِ کریمہ بھی عقیدۂ ختمِ نبوت کو واضح کرتی ہے کیونکہ شرائطِ ایمان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے نازل شدہ وحی پر ایمان لایا جائے خواہ وہ وحی نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر نازل ہوئی ہو یا آپ سے پہلے پیغمبروں پر۔ الحمد سے والناس تک پورے قرآن مجید میں وحی کو باعتبارِ ایمان تقسیم کرتے ہوئے صرف دو اقسام بیان کی گئیں:

1۔ اس وحی پر ایمان جو حضور نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر نازل ہوئی۔

2۔ اس وحی پر ایمان جو حضور نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے پہلے نازل ہوئی۔

مذکورہ بالا آیت میں وحی کی انہی دو اقسام کو ذکر کیا گیا ہے: پہلی وحی وہ ہے جو حضور نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر نازل ہوئی، اسے ماننا عینِ ایمان اور اس کا انکار کفر ہے۔ دوسری وحی وہ جو حضور نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے پہلے نازل ہوئی، اس کا ماننا بھی ایمان اور اس کا انکار کفر ہے۔ اگر حضور نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعد بھی وحی کا نازل ہونا امرِ الٰہی ہوتا تو اس کی بھی یہی شان ہوتی اور قرآنِ پاک میں ضرور اس کو ذکر کیا جاتا مگر قرآنِ پاک میں اللہ پاک نے فقط دو قِسموں کی وحی کو ذکر کیا اور اس بات میں کوئی ابہام نہ رہنے دیا کہ وحی دو قِسم کی ہے: (1) وہ وحی جو حضور تاجدارِ کائنات حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر اُتری (2) وہ وحی جو آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے پہلے اُتری۔ دیکھیے! جب وحی بھیجنے والا خود صرف دو قسم کی وحی بیان فرما رہا ہے تو پھر کسی اور کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ تیسری قسم کی وحی کی بات کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے۔

عقیدۂ ختمِ نبوت اَحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

1۔ صحیح مسلم کی حدیثِ پاک ہے: "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بُنْیَانًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ مِنْ زَوَایَاهُ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَیَقُوْلُوْنَ: هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ یعنی حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے انبیا کی مثال ایسی ہے کہ ایک

شخص نے بہت ہی حسین وجمیل محل بنایا مگر اس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس کے گرد گھومنے اور اس پر آش آش کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ لگادی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں وہی (کونے کی آخری) اینٹ ہوں اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔“ (1)

2۔ حضور نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ یعنی سلسلۂ نبوت و رسالت منقطع کر دیا گیا ہے اور میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔“ (2)

3۔ حضرتِ ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اَنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ یعنی میری اُمّت میں تیس جھوٹے شخص پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے (مگر سن لو!) میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“ (3)

4۔ مسلم شریف کی حدیثِ پاک میں ہے: ”عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ طَهُوْرًا وَمَسْجِدًا وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِیَ النَّبِيُّوْنَ یعنی حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے چھ وجوہ سے انبیا پر فضیلت دی گئی ہے: (1) مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے (2) رعب سے میری مدد کی گئی (3) میرے لئے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا (4) تمام روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی چیز بنا دیا گیا (5) مجھے تمام مخلوق کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا (6) اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔“ (4)

میں آخری نبی اور تم آخری اُمّت

5۔ حضرتِ ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا: ”اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ یعنی میں انبیا میں سے آخری نبی ہوں اور اُمتوں میں سے تم آخری اُمّت ہو۔“ (5)

---

1 ...... مسلم، ص966، حدیث: 5961

2 ...... ترمذی، 4/121، حدیث: 2279

3 ...... ترمذی، 4/93، حدیث: 2226

4 ...... مسلم، ص210، حدیث: 1167

5 ...... ابن ماجہ، 4/404، حدیث: 4077

6۔ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور قیامت کے درمیان اب کسی نبی اور رسول کی بعثت ممکن نہیں جیساکہ حضرتِ انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ یعنی میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح بھیجے گئے ہیں۔ یہ اِرشاد آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اپنی شہادت اور درمیان والی دو انگلیوں کو ملاکر فرمایا۔"(1)

ختمِ نبوت پر تواتر

حافظ ابنِ کثیر آیتِ خاتم النبیین کے تحت لکھتے ہیں: "وَبِذٰلِكَ وَرَدَتِ الْاَحَادِيثُ الْمُتَوَاتِرَةُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَدِيثِ جَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ یعنی اور ختمِ نبوت پر آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے اَحادیثِ متواترہ وارد ہوئی ہیں جن کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے بیان فرمایا۔"(2)

اسی طرح علاّمہ سید محمود آلوسی آیتِ خاتم النبیین کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وَكَوْنُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ مِمَّا نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ وَصَدَعَتْ بِهِ السُّنَّةُ وَاَجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْاُمَّةُ فَيُكَفَّرُ مُدَّعِيْ خِلَافِهٖ وَيُقْتَلُ اِنْ اَصَرَّ یعنی اور آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ایسی حقیقت ہے جس پر قرآن ناطق ہے، احادیثِ نبویہ نے جس کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے اور جس پر اُمّت نے اجماع کیا ہے، پس جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہو اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔"(3)

ختمِ نبوت پر اجماعِ اُمّت

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: "اِنَّ الْاُمَّةَ فَهِمَتْ بِالْاِجْمَاعِ مِنْ هٰذَا اللَّفْظِ وَمِنْ قَرَائِنِ اَحْوَالِهٖ اَنَّهٗ اَفْهَمَ عَدَمَ نَبِيٍّ بَعْدَهٗ اَبَدًا وَعَدَمَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَبَدًا وَاَنَّهٗ لَيْسَ فِيْهِ تَاوِيْلٌ وَلَا تَخْصِيْصٌ فَمُنْكِرُ هٰذَا لَا يَكُوْنُ اِلَّا مُنْكِرَ الْاِجْمَاعِ یعنی بے شک اُمّت نے بالاجماع اس لفظ (خاتم النبیین) سے یہ سمجھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی ہو گا اور نہ رسول اور اس پر اجماع ہے کہ اس لفظ میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں اور اس کا منکر اجماع کا منکر ہو گا۔"(4)

1 ...... مسلم، ص1208، حدیث:7408
2 ...... تفسیر ابن کثیر، 6/381
3 ...... تفسیر روح المعانی، 300، 21-22
4 ...... کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد، ص160

مُلّا علی قاری رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: ”وَدَعْوَى النُّبُوَّةِ بَعْدَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفْرٌ بِالْإِجْمَاعِ یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔“[1]

علّامہ ابنِ نجیم المصری رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: ”اِذَا لَمْ يَعْرِفْ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آخِرُ الْاَنْبِيَاءِ فَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ لِاَنَّهُ مِنَ الضَّرُوْرِيَّاتِ یعنی جو شخص یہ نہ مانے کہ محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم انبیا میں سب سے آخری نبی ہیں وہ مسلمان نہیں کیونکہ حضور کا آخر الانبیا ہونا ضروریاتِ دین سے ہے۔“[2]

1 ...... منح الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر، ص 451

2 ...... الاشباہ والنظائر، ص 161

www.dawateislami.net

یہودیت

تعارف

یہودیت(Judaism)دنیاکے قدیم ترین اور ابراہیمی ادیان میں سے ایک دین ہے۔ یادرہے!یہودیوں کو بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے اور قرآنِ مجید میں ان کے لئے یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔یہودیوں کی ہدایت کے لئے اللہ پاک نے ان کی طرف متعدد انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام بھیجے جن میں سے حضرتِ سَیِّدُنا موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام زیادہ معروف ہیں جو تورات دے کر ان کی طرف بھیجے گئے اس لئے یہودیوں کی نسبت اللہ پاک کے پیارے نبی حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی طرف کی جاتی ہے اور یہودی بول کر مروّجہ اصطلاحات کے مطابق حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کا پیروکار ہی مراد لیا جاتا ہے۔ بہرحال یہ الہامی مذاہب میں سے ایک اہم مذہب ہے۔

وجہ تسمیہ

بنی اسرائیل کے معنیٰ "اولادِ اسرائیل" ہیں اور اِسرائیل حضرتِ یعقوب علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کا لقب ہے۔عہد نامہ عتیق کے مطابق یہودی مذہب حضرت یعقوب علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے بڑے بیٹے یہودا کے نام سے مشہور ہے، اسی وجہ سے تمام اسرائیلی یہودی کہلائے اور ان کا مذہب یہودیت مشہور ہو گیا۔

نوٹ: اسلام اور عیسائیت کی بہ نسبت قدیم مذہب ہونے کے باوجود یہودیت کے ماننے والے بہت کم ہیں کیونکہ ان کے ہاں مذہب کی تبلیغ نہیں کی جاتی اور نہ ہی کسی کو اپنے مذہب میں داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے البتہ ضرورتاً بہت کم لوگوں کو مشکل مراحل سے گزار کر یہودیت کے دائرے میں داخل کیا جاتا ہے۔اس وقت یہودیوں کی اکثریت اسرائیل میں ہے اور وہاں باقاعدہ ان کی حکومت ہے۔

تاریخ

یہودی مذہب وہ آسمانی مذہب ہے جس کا انحصار زیادہ تر تورات، تالمود، علما، مفتیان اور قُضاۃِ یہود کے فتاویٰ یا فیصلوں پر ہے حالانکہ یہ آسمانی مذہب ہے لیکن زمانے کے اُتار چڑھاؤ اور یہودیوں کی دنیا پرستی کے سبب اتنے زیادہ تاریخی مدوجزر اور عروج وزوال سے گزرا ہے اور اس میں تحریفات کا اتنا ضخیم ڈھیر لگ گیا ہے کہ اب اصلِ دین کو پہچاننا مشکل ہے۔ بہرحال موجودہ زمانے میں یہودی مذہب کی جو بھی شکل ہے اسے یہودی تاریخ اور یہودیوں کے دوسری اقوام سے

تعلقات کا گہرا مطالعہ کئے بغیر سمجھنا بہت مشکل ہے۔یہود اہلِ کتاب شمار کئے جاتے ہیں اور یہ اپنے مذہب کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے بتاتے ہیں۔ حضرتِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شخصیت اتنی زیادہ عظیم اور باوقار ہے کہ دنیا کے تین بڑے مذہب اسلام، عیسائیت اور یہودیت ان کو "ابُو الانبیاء" مانتے ہیں اور علما کے ایک عام تخمینے کے مطابق پوری دنیا میں من جانبِ اللہ مبعوث ہونے والے انبیائے کرام میں سے آدھے سے بھی زیادہ انبیاو رسل حضرتِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نسل میں سے ہیں مثلاً حضرتِ اسمٰعیل، حضرتِ اسحاق، حضرتِ یعقوب، حضرتِ یوسف، حضرتِ موسیٰ، حضرتِ ہارون، حضرتِ داؤد، حضرتِ سلیمان، حضرتِ ایوب، حضرتِ یونس، حضرتِ شمویل، حضرتِ الیاس، حضرتِ الیسع، حضرتِ زکریا، حضرتِ یحییٰ علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور ہمارے پیارے آقا، مکی مدنی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سب کے سب حضرتِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ہی نسل سے ہیں اور حضرتِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بذاتِ خود دسویں پشت میں حضرتِ نوح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور ان کے بیٹے حضرتِ سام سے نسلاً منسوب ہیں۔یاد رہے! حضرتِ نوح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بیٹے حضرتِ سام (Shem) کی وجہ سے ہی یہود کو سامی (Semitic) کہا جاتا ہے اور اسی لفظ سے سامیت (Semitism/Semitic) کے الفاظ تاریخ میں رائج ہوگئے۔یہود اپنے نسلی تفاخر اور اپنی قوم میں انبیا اور سلاطین کی کثیر تعداد سے اتنے غرور و تکبر میں مبتلا ہو گئے کہ جہاں ایک وقت میں دنیا کی افضل ترین قوم شمار ہوتے تھے غرور و تکبر کی وجہ سے خدا کی نظر سے اتنے زیادہ گرے کہ ان پر قرآنِ کریم کی زبان میں لفظِ "مغضوب" کا اطلاق ہونے لگا یہاں تک کہ ان میں رائج بدعات، لادینیت، خُدا فراموشی، احکامِ الٰہی کی مخالفت اور قتلِ انبیا کے ارتکاب وغیرہ جیسے اعمالِ قبیحہ ذلیلہ کی وجہ سے اللہ پاک نے قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِؕ-اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (پ۹، الاعراف:۱۶۷) "ترجمۂ کنز العرفان: اور جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ وہ ضرور قیامت کے دن تک ان پر ایسوں کو بھیجتا رہے گا جو انہیں بُرا عذاب دیتے رہیں گے بیشک تمہارا رب ضرور جلد عذاب دینے والا ہے اور بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس بات کو بڑے دُکھ کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ بنی اسرائیل اور یہودیت کی تاریخ سے مسلمانوں کو واقف کروانے کی اشد ضرورت ہے اور ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ جس ملت کی مذہبی کتاب کے ایک چوتھائی حصہ میں بنی اسرائیل اور یہود کے واقعات، تاریخ، عادات، خصائل نیز ان کا اجتماعی اِرتداد اور مفسدانہ ذہنیت کو عالَمِ انسانی کے لئے فساد کا سگنل بتایا گیا ہے وہی قوم

تاریخِ یہودیت سے سب سے زیادہ ناواقف ہے حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ آج روئے زمین پر مسلمانوں سے زیادہ یہود کو جاننے والا کوئی نہ ہوتا کیونکہ ایک یہودی خود کو اتنا نہیں جان سکتا جتنا قرآنِ پاک پڑھنے والا مسلمان اس کے متعلق باخبر ہو سکتا ہے۔

بہر حال جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ دنیا کے ہر مذہب کے ماننے والوں کی تاریخ سے بہت کچھ متاثر ہوا ہے یہی حال یہودی مذہب کا بھی ہے لہٰذا یہودیت کی تاریخ کو آسان انداز میں سمجھنے کے لئے ہم نے کتبِ مقدسہ اور دیگر مذہبی کتب کی بنیاد پر اس کی تاریخ کو مندرجہ ذیل اہم اَدوار میں تقسیم کیا ہے:

1۔دورِ اکابرین	2۔حضرتِ موسیٰ کی آمد	3۔دورِ قضاۃ
4۔دورِ سلاطینِ انبیا علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام	5۔منقسم سلطنتِ بنی اسرائیل	6۔دورِ جلاوطنی اوّل
7۔بنی اسرائیل کی بابل سے واپسی	8۔بنی اسرائیل یونانیوں کے زیرِ اقتدار	9۔دورِ آزادی
10۔بنی اسرائیل رومیوں کے زیرِ اقتدار	11۔یہود عیسائیوں کے زیرِ اقتدار	12۔یہود مسلمانوں کے زیرِ اقتدار

1۔دورِ اکابرین

اس دور میں حضرتِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام سے لے کر حضرتِ یوسف علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام تک کے احوال شمار ہوتے ہیں۔

حضرتِ سَیِّدُنا ابراہیم و حضرتِ سَیِّدُنا یوسف علیہما الصّلوٰۃُ والسّلام کے مختصر احوال

حضرتِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام عراق میں پیدا ہوئے اور عراق ہی میں توحید کی دعوت شروع کی جس کے باعث وہاں کے حکمران نمرود نے آپ کی مخالفت کی یہاں تک کہ آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ آگ سے صحیح سلامت نکلنے کے بعد حضرتِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے مصر کا رُخ کیا پھر شام تشریف لائے اور شام ہی میں رہے۔ پتا چلا تاریخی لحاظ سے حضرتِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام عراقی پھر شامی اور پھر حجازی تھے۔ آپ کی ذاتِ اقدس سے دو نسلیں چلیں جن کا زمانہ 2160 سے 1985 قبلِ مسیح سے شروع ہوا۔ ایک نسل حضرت بی بی ہاجرہ مصریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرتِ اسماعیل علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے ذریعے چلی جو بنی اسماعیل کہلائی اور حضرتِ ہاجرہ رضی اللہ عنہا مع اپنی اولاد کے حجاز میں رہیں اور آگے چل کر اسی کی ایک شاخ قبیلۂ قریش بنی، ان کا وطن بھی حجاز و عرب رہا۔

حضرتِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی دوسری نسل آپ کی زوجہ حضرت بی بی سارہ عراقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرتِ اسحاق اور ان کے بیٹے حضرتِ یعقوب علیہما الصّلوٰۃُ والسّلام کے ذریعے چلی جو بنی اسرائیل کہلائی، اس نسل کا وطن ملکِ شام رہا

یعنی حضرتِ سارہ رضی اللہ عنہا مع اپنی اولاد کے شام میں رہیں اور بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا مع اپنی اولاد کے حجاز میں رہیں۔
شام میں حضرتِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی جو اولاد تھی وہ حضرتِ یعقوب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے آخری زمانے میں حضرتِ یوسف علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے توسط سے مصر چلی گئی کہ جب حضرتِ یوسف علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مصر میں وزیرِ اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے تو انہوں نے اپنے والد حضرتِ یعقوب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور اپنے گیارہ بھائیوں اور تمام تر قبیلے کو مصر بلوا کر وہاں آباد کیا۔ یہ قبیلہ چار سو سال تک مصر میں رہا اور اس طویل مدت میں وہ ایک طاقتور قوم بن گیا۔ ان کے وصال کے بعد قبطی نسل پرستوں نے مصر میں بغاوت کی اور انقلاب لاکر قومِ عمالقہ کو شکست دے کر حکومت پر قابض ہوگئے۔ انقلاب کے بعد انہوں نے عمالقہ کو ملک بدر کر دیا اور اُن کے حامیوں یعنی بنی اسرائیل کو ازاوّل تا آخر غلام بنالیا اور پھر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا اور کئی فرعون حکمرانی کرتے رہے یہاں تک کہ حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا دور آیا۔

2۔حضرتِ سَیِّدُنا موسیٰ کی آمد

اس دور میں حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بچپن، جوانی اور پیغمبری کے حالات بہت تفصیل کے ساتھ قرآنِ کریم میں بیان کر دیئے گئے ہیں یہاں انہیں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے چنانچہ حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے والد کا نام "عمران" اور والدہ کا نام "یوکابد" تھا۔ آپ کی پیدائش سے قبل فرعون (جس کا نام ولید بن مُصعَب بن رَیان تھا) کا خواب دیکھنا، پھر بچوں کے قتل کا حکم دینا، حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا معجزاتی طور پر بچ جانا اور فرعون ہی کے شاہی محل میں حضرتِ آسیہ رضی اللہ عنہا کے زیرِ سایہ پرورش پانا جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

وَ اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ (۴۹) (پ۱،البقرۃ:۴۹)	ترجمۂ کنز العرفان: اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بہت بُرا عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

اور مصر سے ترکِ وطن کر کے سوئے مدین جانا، وہاں حضرتِ شعیب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ملاقات ہونا، دس سال تک ان کی خدمت کرنا اور اُن کی بیٹی سے نکاح کرنا، راستہ میں نبوت ملنا، معجزات عطا ہونا، فرعون کے دربار میں نعرۂ توحید بلند کرنا، فرعون کا مقابلہ بازی پر اُتر آنا، جادوگروں کا ایمان لانا، حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر

روانہ ہونا، فرعون کا تعاقب کرنا اور لشکر سمیت دریا میں غرق ہونا جیسا کہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۰ (پ۱، البقرۃ:۵۰)

ترجَمۂ کنزُ العرفان: اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا تو ہم نے تمہیں بچالیا اور فرعونیوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا۔

وہاں سے حضرتِ موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا وادیٔ سینا جانا، گرمی کی شدت سے استسقائے رحمت کرنا، پتھر سے بارہ چشمے جاری ہونا جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًاؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۝۶۰ (پ۱، البقرۃ:۶۰)

ترجَمۂ کنزُ العرفان: اور یاد کرو، جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تو ہم نے فرمایا کہ پتھر پر اپنا عصا مارو تو فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے (اور) ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ کو پہچان لیا (اور ہم نے فرمایا کہ) اللہ کا رزق کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

بادلوں کا سایا کرنا، مَن وسلویٰ کا نازل ہونا، بنی اسرائیل کا سبزیوں کا مطالبہ کرنا جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰىؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ۝۵۷ (پ۱، البقرۃ:۵۷)

ترجَمۂ کنزُ العرفان: اور ہم نے تمہارے اوپر بادل کو سایہ بنا دیا اور تمہارے اوپر من اور سلویٰ اُتارا (کہ) ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا بلکہ اپنی جانوں پر ہی ظلم کرتے رہے۔

اور بچھڑے کی پوجا کرنا جیسا کہ اللہ پاک اِرشاد فرماتا ہے:

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝۵۱ (پ۱، البقرۃ:۵۱)

ترجَمۂ کنزُ العرفان: اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ فرمایا پھر اس کے پیچھے تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی اور تم واقعی ظالم تھے۔

یہ سب حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی کے تفصیلی واقعات ہیں جنہیں قرآنِ پاک میں بیان کیا گیا ہے، ان واقعات کی تفصیل کے لئے کتبِ تفاسیر وسیر کی طرف رجوع کیا جائے۔

3۔دورِ قضاۃ

یہ دور حضرتِ موسیٰ وہارون علیہما الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے بعد تین سو سال کا ہے جس میں بنی اسرائیل کا انتظام وانصرام ان کے قضاۃ کے ذریعے ہوا جو حضرت یوشع بن نون کی زیر سرپرستی چلتا رہا یہاں تک کہ اس کے آخری قاضی حموئیل تھے۔جب کوئی قاضی شریعتِ موسوی کا پابند ہوتا تو خدا کی نصرت اس کے ساتھ ہوتی اور پڑوس کی قومیں مغلوب رہتیں اور جب بھی کوئی قاضی خدا کا نافرمان یا شریعتِ موسوی کو فراموش کرنے والا ہوتا تو وہ ذلیل وخوار ہو جاتا اور آس پاس کی قومیں اس پر غالب آجاتیں۔

4۔دورِ سلاطین انبیا

اس دور میں حضرتِ طالوت، حضرتِ داؤد، حضرتِ سلیمان علیہمُ الصّلوٰۃ والسّلام شامل ہیں جو تقریباً 120 سال کا زمانہ ہے۔

جب بنی اسرائیل طرح طرح کے گناہوں میں ملوث ہوئے اور اُن میں معاصی وطغیان اور سرکشی وعصیان کا دور دورہ ہوا تو ان کی بد اعمالیوں کی نحوست سے ان پر خدا کا غضب اس صورت میں نازل ہوا کہ قومِ عمالقہ کے کفار نے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ حملہ کر دیا، بنی اسرائیل کا قتلِ عام کرکے ان کی بستیوں کو تاخت وتاراج (تباہ) کر ڈالا، عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر علاقے کو تہس نہس کر دیا اور متبرک صندوق جسے "تابوتِ سکینہ" کہا جاتا ہے اُٹھا کر لے گئے اور اس مقدس تبرک کو کوڑے خانہ میں پھینک دیا۔اس بے ادبی کا قومِ عمالقہ پر یہ وبال پڑا کہ وہ طرح طرح کی وباؤں اور بلاؤں کے ہجوم میں جھنجھوڑ دیئے گئے چنانچہ قومِ عمالقہ کے پانچ شہر پوری طرح برباد اور ویران ہوگئے۔جب ان کافروں کو یقین ہو گیا کہ صندوقِ رحمت کی بے ادبی کرنے کے باعث اُن پر عذاب آ پڑا ہے تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے اس مقدس صندوق کو ایک بیل گاڑی پر لاد کر بیلوں کو بنی اسرائیل کی بستیوں کی طرف ہانک دیا۔اللہ پاک نے چار فرشتوں کو مقرر فرما دیا جو اس مبارک صندوق کو بنی اسرائیل کے نبی حضرت شموئیل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں لائے اور اس طرح بنی اسرائیل کو اُن کی کھوئی ہوئی نعمت دوبارہ مل گئی۔یہ صندوق ٹھیک اس وقت حضرت شموئیل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس پہنچا جب انہوں نے طالوت کو بادشاہ بنا دیا تھا اور بنی اسرائیل طالوت کی بادشاہی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور اُن کی طرف

سے یہی شرط ٹھہری تھی کہ اگر مقدس صندوق آجائے تو ہم طالوت کی بادشاہی تسلیم کرلیں گے چنانچہ صندوق آگیا اور بنی اسرائیل طالوت کی بادشاہی پر رضامند ہوگئے۔

طالوت نے جالوت کو للکارا تو جنگ چھڑ گئی، طالوت کی طرف سے ایک جوان حضرتِ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیر مار کر جالوت کو قتل کیا تو طالوت نے اپنی ساری حکمرانی بمع اپنی صاحبزادی ان کے حوالے کی اور اللہ پاک نے انہیں خلعتِ نبوت سے بھی نوازا۔ حضرتِ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عہد میں مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کی ابتدا کروائی اور ان کے بعد حضرتِ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مالکِ کائنات نے مشرف بنبوت و مملکت فرمایا جنہوں نے اس تاریخی مسجد کو جنات کے ذریعے مکمل کروایا۔

حضرتِ داؤد اور ان کے صاحبزادے حضرتِ سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام آلِ اسرائیل کے بادشاہ اور پیغمبر بنے۔[1] اسرائیل کے پرچم پر جو ستارہ ہے اسے داؤد کا ستار "Star of David" کہتے ہیں۔ گیارہویں صدی قبلِ مسیح میں حضرت داؤد نے پہلی بار یروشلم کا دارالحکومت بنایا۔ دسویں صدی قبلِ مسیح میں حضرتِ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس میں پہلا ہیکل "Temple" تعمیر کیا اور یہ بنی اسرائیل کے عروج کا زمانہ تھا۔ پھر ان کے زوال کی داستان بڑی ہی طویل اور عبرتناک ہے، الغرض ان کے اپنے اعمال اور خصائل ہی ان کی تباہی و بربادی کا باعث بنے۔

6-5۔ منقسم سلطنتِ بنی اسرائیل اور دورِ جلاوطنی اوّل

حضرتِ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد سلطنتِ بنی اسرائیل دو حصوں میں تقسیم ہوگئی:

1۔ اسرائیل: جو دس قبائل پر مشتمل تھی جن کا دارالخلافہ سامرہ (نابلس) مقرر کیا گیا۔

2۔ یہودا: جو بنی اسرائیل کے دو قبائل بنو یہودا اور بنیامین پر مشتمل تھی ان کا دارالخلافہ بیت المقدس مقرر کیا گیا۔

ان دونوں میں شدید قسم کی عداوت و دشمنی تھی۔ پہلے اسرائیل میں شرک و بت پرستی عام ہوئی اور وہ اس معاملے میں اتنے جری ہوگئے کہ انہوں نے اللہ پاک کے پیارے نبی حضرتِ الیاس اور حضرت یسع علیہما الصلوٰۃ والسلام کی بات کو بھی نہ سنا بلکہ حضرتِ الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جلاوطن بھی کردیا۔ ان حالات میں آشوری حملے[2] متواتر شروع ہوئے، اسی دوران

---

1 ...... تفسیر صاوی، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 247-251، 1/ 209-212 ملتقطاً

2 ...... آشوری 2000 سال قبل مسیح میں شمالی عراق کے دریائے دجلہ اور فرات کے کنارے فروغ پانے والی ایک تہذیب و سلطنت تھی جو آشوری (Ashur) کے نام سے ایک بت کی پوجا کرتے تھے اور اسی نسبت سے آشوری کے نام سے مشہور ہوگئی۔

بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرتِ عاموس اور حضرتِ یوشع علیہما الصلوٰۃ والسلام کو بھی جھٹلایا گیا، بالآخر آشوری حملوں کی وجہ سے پہلی حکومت یعنی اسرائیل 721 قبلِ مسیح میں اپنا وجود کھو بیٹھی، بنی اسرائیل کی شمالی حکومت یعنی اسرائیل کے دس قبائل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیئے گئے اور آج تک ان کو کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس وادی میں کھو گئے یا زمین کے کس حصے نے ان کو نگل لیا؟ یہی دس قبائل بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑ (Lost Sheep of Bani Israel) کہلاتے ہیں۔

پھر دوسری حکومت یعنی یہودا میں بھی شرک وبت پرستی پھیلی۔ آشوریوں نے حملے تو بہت کئے مگر یہ سلطنت کچھ دیرپا ثابت ہوئی۔ آخرکار 598 قبلِ مسیح میں بخت نصر نے بیت المقدس سمیت ساری یہودی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ یہودیہ نے کچھ عرصہ تو بغاوت کی مگر بالآخر بخت نصر نے اس بغاوت کو مکمل طور پر ختم کر کے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور کئی یہودیوں کو غلام اور قیدی بنا کر عراق (بابل) لے گیا۔ ہیکلِ سلیمانی کو بھی تباہ کر دیا اور تورات کے نسخے کو بھی جلا دیا۔ یہ دور 606 قبلِ مسیح سے 536 قبلِ مسیح تک پھیلا ہوا ہے یعنی ستر سال۔ یہی وہ دور ہے کہ جس میں یہود جلاوطن رہے۔

7-8۔بنی اسرائیل کی بابل سے واپسی سے اہلِ فارس / یونانیوں کے زیرِ اقتدار تک

539 قبلِ مسیح میں ایرانی بادشاہ سائرس نے بابل فتح کیا تو اہلِ فارس کا اقتدار فارس سے لے کر فلسطین تک پھیل گیا اور یہود اہلِ فارس کے زیرِ اقتدار آ گئے۔ اہلِ فارس کی رواداری کی وجہ سے بنی اسرائیل کو غلامی سے آزادی ملی اور انہیں بیت المقدس کی واپسی بھی نصیب ہوئی۔ 522 قبلِ مسیح میں حضرتِ زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیرِ نگرانی بَیْتُ المقدس کو تعمیر کیا گیا۔ 458 قبلِ مسیح میں حضرتِ عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودی کتب بشمول تورات کی کُتُبِ خمسہ اَز سرِ نَو ترتیب دیں۔ اس کے بعد اسرائیلی یونانیوں کے زیرِ اقتدار آ گئے۔ اسرائیلیوں کے یونانیوں کے زیرِ اقتدار آنے کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ 445 قبلِ مسیح میں نحمیاہ (Nehemiah)[1] نے شاہِ ایران کی اجازت سے یروشلم کی فصیل بنائی۔ اسی وجہ سے شمالی فلسطین یعنی اسرائیل والوں نے کوہِ جرزیم پر اپنے معبد (یعنی عبادت گاہ) کو تعمیر کر لیا جس کے باعث ان دونوں فریقوں میں عداوت بڑھ گئی اور 196 قبلِ مسیح میں انٹیوکس ثالث شاہِ انطاکیہ نے فلسطین پر قبضہ کر لیا اور یوں یہود یونانی تسلط اور تہذیب وتمدن اختیار کرنے پر مجبور کئے گئے۔

---

1 ...... نحمیاہ: شہنشاہِ ایران (جس کا دور 465 سے 424 قبل مسیح ہے) کا قابلِ اعتماد، باوفا ساتھی اور بادشاہ کا رازدار مشیر تھا۔ شہنشاہِ ایران نے ہی اس کو یروشلم کا گورنر بنایا۔

9-10۔دورِ آزادی/بنی اسرائیل رومیوں کے زیرِ اقتدار

175 قبلِ مسیح میں انٹیوکس چہارم نے بیت المقدس میں بُت رکھوا کر یہودیوں سے بُت پرستی کروائی۔ اسی زمانے میں مکابی تحریک اُٹھی اور اس نے سارا فلسطین یونانیوں سے آزاد کروا کر ایک بڑی سلطنت قائم کی اور یہ سلطنت 67 قبلِ مسیح تک قائم رہی اور یہ یہودیوں کی آزادی کا سنہرا دور تھا اس کے بعد یہود کو 1948ء تک کبھی بھی حکومت نصیب نہیں ہوئی لیکن ان کی بد بختی کہ ان میں پھر اختلاف ہوا اور انہوں نے رومیوں کو خود فلسطین پر حملے کی دعوت دی۔ 63 قبلِ مسیح میں رومی بادشاہ نے فلسطین پر حملہ کر کے اسے رومی سلطنت کا حصہ بنا دیا مگر عملاً حکومت مقامی لوگوں کو دے کر مطمئن کیے رکھا۔ 40 قبلِ مسیح سے 4 قبلِ مسیح تک رومی فلسطین پر ہیرود یہودی کے ذریعے حکومت کرتے رہے۔

11۔یہود عیسائیوں کے زیرِ اقتدار

یہودیوں کی ایک بڑی تعداد بازنطینی (Byzantine) سلطنت میں آباد تھی جو یونان، اٹلی اور ایشیائے کوچک (Anatolia) کے بعض حصوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں شروع میں یہودی خوشحال رہے حتّٰی کہ انہیں سرکاری عہدوں سے بھی نوازا گیا لیکن چھٹی صدی عیسوی کے بعد عیسائی بادشاہوں کا سلوک یہودیوں کے ساتھ اچھا نہ رہا اور ہرقل (r.610-640) نے بازنطیہ کے خلاف ایران کا ساتھ دینے کی وجہ سے اُنہیں یروشلم سے نکال دیا۔ ساتویں صدی میں لیو سوئم (r.717-741) نے انہیں اس شرط پر آباد کرنے کا وعدہ کیا کہ وہ عیسائی مذہب قبول کر لیں گے چنانچہ بعض یہودیوں نے عیسائیت قبول کر لی اور بعض نے سزائیں برداشت کیں لیکن جب پندرھویں صدی عیسوی میں یورپ میں احیائے علوم اور نشاۃِ ثانیہ کا دور شروع ہوا تو یہودی معیشت میں ماہر ہونے کی وجہ سے عیسائیت پر چھا گئے اور آج تک عیسائیت کے دل و دماغ پر یہودیت ہی کی حکمرانی ہے اگرچہ بظاہر حکومتیں عیسائیت کی ہیں۔

12۔یہود مسلمانوں کے زیرِ اقتدار

یہ دور دورِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اور خاص طور پر 636 عیسوی سے لے کر عرب ممالک اور دیگر کئی مسلم ممالک میں آج تک جاری ہے۔ اس کی مختصر رُوداد کچھ یوں ہے کہ پانچویں صدی عیسوی کا آخر تاریخِ عالم میں اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس دور میں عرب میں نوعِ انسانی کے ایک اہم مذہب اسلام کا ظہور ہوا۔ اسلام کے ظہور کے وقت یہودی عرب میں اچھی تعداد میں آباد تھے۔ نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں عرب یہودیوں کے مسلمانوں سے بعض معرکے

بھی ہوئے لیکن جنگِ خیبر کے بعد یہودیوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلی۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے بعد کے دور میں جب اسلامی فتوحات پھیلتے ہوئے ایران، عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ اور اسپین تک پہنچیں تو یہاں کے یہودیوں نے مسلمان خلفا کے ساتھ کسی متعصبانہ رویے کا اظہار نہ کیا البتہ حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب مجاہدین شام کی طرف جاتے تو راستے میں خیبر کے مقام پر ایک پڑاؤ پڑتا تھا یہودی اس موقع پر مجاہدین کا پانی بند کر دیتے اور ان کے خیمے جلا دیتے تھے۔ بالآخر حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُنہیں یہاں سے نکال دیا اور یہودی اَطراف میں آباد ہوگئے جہاں اُنہیں مکمّل آزادی دی گئی۔ اس کے بعد عہدِ عثمانی اور دیگر خلفا کے دور میں بھی یہودیوں پر کسی قسم کی قید نہ تھی اور وہ مذہبی، سماجی اور تمدنی طور پر بالکل آزاد تھے۔ خود اسلامی شریعت میں اہلِ کتاب سے جو معاملات برتے گئے ہیں اس کی وجہ سے مسلم ممالک یہودیوں کے لئے سازگار مسکن ثابت ہوئے۔

700CE میں یروشلم سے نکل کر جو یہودی ہسپانیہ (اسپین) میں آباد ہوئے تھے وہ پہلے عیسائی حکومتوں کے زیرِ سایہ رہے اور پھر جب 711CE میں مسلمان فاتح طارق بن زیاد (720.d) نے ہسپانیہ فتح کیا اور مفتوحہ علاقے بنو اُمیّہ کی سلطنت میں شامل ہوگئے تو اب یہاں کے یہود مسلمانوں کے زیرِ سایہ آ گئے۔ بعد ازاں CE750 میں عبد الرحمٰن [1] (756-788) نے ہسپانیہ میں اپنی الگ سلطنت قائم کی تو ہسپانیہ علوم وفنون کا گہوارہ بن گیا اور اس میں یہودیوں کو بھی ایک خاص مقام حاصل ہوا۔ بنو اُمیّہ کے بعد یہاں یوسف بن تاشفین (1061ء تا 1107ء) نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے ایک مستحکم سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد ہسپانیہ پر موحدین حکومت (1121-1269) کا تسلط ہوا تو انہوں نے یہود و نصارٰی کو یہ اختیار دیا کہ یا تو وہ مسلمان ہوجائیں اور آزادی سے زندگی بسر کریں یا پھر ریاست سے باہر نکل جائیں چنانچہ کئی یہودیوں نے اسلام قبول کرلیا جبکہ اکثر یہودی شمالی سپین اور مصر ہجرت کر گئے۔

مصر میں بھی مسلمانوں کی سلطنتِ فاطمیہ اور ان کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی (r.1174-1193) کے دور میں یہودی مسلمانوں کے زیرِ سایہ رہے۔ مسلمانوں کی حکومت کے بعد r.1492 میں جب اُندلس (ہسپانیہ) پر عیسائی حکمران فرڈیننڈ (r.1479-1516) کا قبضہ ہوا تو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہودیوں پر بھی مظالم شروع ہوئے، بے شمار یہودیوں کو

1 ...... خلافت بنو اُمیہ کے زوال کے بعد جب خلافتِ عباسیہ کا عروج ہوا تو عبد الرحمٰن نامی ایک اموی شہزادہ عباسیوں کے ہاتھوں قتلِ عام سے کسی طرح بچ کر مشرق سے بھاگ کر بکمال پریشانی و سرگردانی اندلس (ہسپانیہ) پہنچا اور وہاں ایک آزاد سلطنت قائم کرلی۔

قتل کیا گیا اور ہزاروں یہودی جلاوطن کر دیئے گئے چنانچہ اب انہوں نے سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِ انتظام علاقوں میں پناہ لی۔

اسرائیل کا قیام اور بیت المقدس پر یہود کا قبضہ

اگرچہ اسرائیل کے وجود کو 73 برس ہی گزرے ہیں لیکن اسے فلسطینی سرزمین پر بنائے جانے کی کوششیں 200 سال پرانی ہیں۔ یہودیوں کو صیہونی ریاست بنانے کی پہلی پیش کش فرانسیسی ڈکٹیٹر نیپولین بوناپارٹ نے 1799ء میں کی تھی۔ اس کے بعد 1882ء میں فلسطینی سرزمین پر پہلی یہودی بستی قائم کی گئی اور گزرتے سالوں کے ساتھ ساتھ فلسطینی سرزمین پر دنیا کے مختلف ممالک سے یہودیوں کو لاکر آباد کیا جانے لگا اور اس عمل میں پہلی جنگِ عظیم کے بعد تیزی دیکھی گئی۔ پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد برطانیہ اور فرانس نے مشرقِ وسطیٰ کے متعدد ممالک اور خطوں پر کنٹرول حاصل کیا اور فلسطین انگریزوں کے حصے میں آیا۔

برطانوی کابینہ کے یہودی ارکان نے 1915ء میں تجویز پیش کی کہ فلسطینی سرزمین پر یہودیوں کا ملک بنایا جائے، جس کے بعد امریکا اور برطانیہ میں صیہونی ریاست کے قیام کے لئے کوششیں تیز ہوئیں اور 1922ء میں اس وقت کے عالمی ادارے لیگ آف نیشن نے بھی فلسطینی سرزمین پر صیہونی ریاست کی منظوری دی۔

دوسری جنگِ عظیم کے آغاز میں ہی برطانوی حکومت نے یورپ کے مختلف ممالک سے یہودیوں کو فلسطینی سرزمین پر منتقل کرنا شروع کیا جس کے خلاف فلسطینیوں نے اس وقت بھی مظاہرے کیے لیکن ان مظاہروں کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔

برطانوی حکومت نے 1936ء میں فلسطینی سرزمین کو تقسیم کرنے کے لئے پیل کمیشن کا قیام کیا جس نے تاریخی طور پر عربوں کی سرزمین پر صیہونی ریاست کو قائم کرنے کی تجویز دی اور اس کے بعد دنیا بھر کے یہودی اپنی پہلی ریاست کے قیام کے لئے متحرک ہو گئے اور انہیں اس وقت کی بڑی ریاستوں کی حمایت حاصل تھی۔

اقوامِ متحدہ نے 1945ء میں فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا: ایک حصہ اسرائیل، دوسرا حصہ فلسطین اور تیسرا حصہ بیت المقدس۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ بیت المقدس پر "بیت اللحم" کے حوالے سے عیسائی بھی دعویدار ہیں اور اُن کا کہنا ہے کہ بیت اللحم سے مراد "مکاناً شرقیا" ہے کہ جہاں حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ولادت ہوئی۔ یہ بیت المقدس سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر ہے اور یہ عیسائیوں کا قبلہ ہے۔

2۔ بیت المقدس پر ”مسجدِ اقصیٰ“ کے حوالے سے مسلمانوں کا بھی دعویٰ ہے۔ (1)

3۔ بیت المقدس پر ہیکلِ سلیمانی کے حوالے سے یہودیوں کا بھی دعویٰ ہے۔ معلوم ہوا کہ تین قوموں کا فلسطین کی تین جگہوں پر دعویٰ ہے اور یہ تینوں جگہیں الگ الگ ہیں۔

اقوامِ متحدہ کی تقسیم میں فلسطین یہودیوں کو دے دیا گیا لیکن چونکہ فلسطین پر عیسائیوں کا اپنا دعویٰ بھی تھا اس لئے بیت المقدس کو اس سے الگ رکھا۔ بیت المقدس نہ یہودیوں کو دیا اور نہ ہی (فسلطینی) مسلمانوں کو اور یہ کہہ کر کہ ”اس کا فیصلہ بعد میں بین الاقوامی سطح پر کریں گے“ اسے عارضی طور پر اُردن کے کنٹرول میں دے دیا۔ اب بعد میں فیصلہ کرنے کے حوالے سے عیسائی قیادت کا ذہن یہ ہے کہ وہاں مسلمان، یہودی اور عیسائی تینوں مذاہب کی مشترکہ کمیٹی قائم کرکے بیت المقدس کا کنٹرول اُسے دے دیا جائے۔ یاد رہے! اسرائیل کے باضابطہ نقشے میں ”بیت المقدس“ اسرائیل کا حصہ نہیں بلکہ اُردن کا حصہ ہے۔

عقائد و نظریات

حضرتِ سَیِّدُنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے آنے کے بعد یہودیت سے بُت پرستی ختم ہو گئی لیکن انہوں نے دیگر عجیب و غریب عقائد گڑھ لیے مثلاً

1۔ یہودی اللہ پاک کی محبوب ترین مخلوق ہیں۔

2۔ یہودی اللہ کے بیٹے ہیں۔

3۔ اگر دنیا میں یہودی نہ ہوتے تو زمین کی ساری برکتیں اُٹھالی جاتیں جیسے سورج چھپا لیا جاتا اور بارشیں روک لی جاتیں وغیرہ وغیرہ۔

4۔ اسی طرح یہود غیرِ یہود سے ایسے افضل ہیں جیسے انسان جانوروں سے افضل ہیں۔

5۔ یہود پر حرام ہے کہ وہ غیرِ یہود پر نرمی و مہربانی کرے یہاں تک کہ یہود کے لئے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ غیرِ یہود کے ساتھ بھلائی کرے۔

6۔ دنیا کے سارے خزانے یہودیوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور یہ ان کا حق ہے لٰہذا اُن کے لئے جیسے ممکن ہو ان پر قبضہ کرنا جائز ہے۔

---

(1) ......یاد رہے! جو سنہری گنبد دکھایا جاتا ہے یہ مسجدِ اقصیٰ نہیں بلکہ مسجدِ اقصیٰ اس سے الگ ہے۔

7۔اللہ پاک صرف یہودیوں کی عبادت قبول کرتا ہے۔

8۔انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام معصوم نہیں ہوتے بلکہ کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔

9۔دجال ان کے عقیدہ میں امامِ عدل ہے اس کے آنے سے ساری دنیامیں ان کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

10۔یہودی حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام اور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی نبوت کے قائل نہیں ہیں اور وہ حضرتِ مریم رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہیں نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے بارے میں ان کا گمان یہ ہے کہ ہم نے اُنہیں سولی پر لٹکا کر قتل کر دیا ہے۔

11۔حضرت عزیر علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ پاک کے بیٹے ہیں۔

12۔ان کے عقیدہ میں اللہ پاک زمین و آسمان بنانے کے بعد تھک گیا اور اس نے ساتویں دن آرام کیا اور وہ ساتواں دن ہفتے کا دن تھا۔

اس قسم کے اور بھی بہت سے غلط عقیدے ان کے مذہب کا حصہ ہیں۔یاد رکھیے! قرآنِ مجید نے ان کے غلط نظریات کی جابجا تردید کی ہے۔

نوٹ: یہ اہلِ کتاب ضرور ہیں لیکن اپنے عقائد کی بناپر کافر ہیں۔

فرقے

دیگر اَدیان و مذاہب کی طرح یہودیت بھی فرقوں میں تقسیم ہے اور ان کے مختلف فرقوں میں باہمی اختلافات ہیں۔ جن میں سے چند اہم فرقوں کا تعارف پیشِ خدمت ہے:

فریسی/ آرتھوڈوکس(Pharisee/Orthodox)

یعنی متشدد دین، ان کو اَحبار اور رُھبان بھی کہا جاتا ہے اور یہ اصل میں صوفی راہب ہیں جو شادی بیاہ نہیں کرتے لیکن تبنّی (کسی کو بیٹا بنانے) کے ذریعے اپنے مذہب کو باقی رکھتے ہیں۔ یہ بعث بعد الموت، فرشتوں اور عالمِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔اس فرقے سے تعلق رکھنے والے یہودی عام طور پر اپنی علیحدہ بستیاں بنا کر رہتے ہیں، یہ لوگ قبالہ سے منسلک ہیں[1]

1 ......قبالہ(Kabbalah) کو جب انگریزی میں k کے ساتھ لکھا جاتا ہے تو اس سے مراد یہودی مذہب میں موجود مخفی، باطنی علوم ہیں اور ان کا حصول مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

اور عبرانی کے حروفِ ابجد میں جادوئی اثرات پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

صدوقی (Sadducee)

یہ گویا تسمیہ بالضد ہے کیونکہ یہ لوگ منکرین کے نام سے مشہور ہیں اور یہ بعث، حساب و کتاب، جنت و دوزخ اور فرشتوں کو نہیں مانتے۔ ان کے ہاں مذہبی قوانین کی لفظی پیروی ضروری ہے ان میں ترمیم و اضافہ جائز نہیں۔ صدوقی فرقے کے عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ یہ ہے کہ اللہ پاک صرف "رَبُّ الیھود" ہے۔

متعقبین

ان کے نظریات فریسیوں کے نظریات سے زیادہ قریب ہیں۔ یہ لوگ ظالم ہوتے ہیں اور عفوودرگزر سے کام نہیں لیتے چنانچہ انہوں نے پہلی صدی عیسوی کے آغاز میں ایک انقلاب کے ذریعے رومیوں اور ان کے ساتھ تعاون کرنے والے یہودیوں کا قتلِ عام کیا، یہی وجہ ہے کہ انہیں سفّاک کہا جاتا ہے۔

قرّائین

یہ یہودیوں کی بہت تھوڑی جماعت ہے، فریسیوں کے حالات خراب ہونے کے بعد یہ لوگ ظاہر ہوئے اور اپنے پیروکاروں کے وارث بنے۔ قرّائین صرف عہدِ قدیم کو مانتے ہیں "تلمود" کو نہیں مانتے اور نہ ہی اس کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ وہ تورات کی تشریح کرنے میں آزاد ہیں۔

سامری (Samaritan)

یہ وہ یہودی ہیں جو حقیقت میں بنی اسرائیل میں سے نہیں مگر دنیا بھر میں یہودیت کو اختیار کرنے والے مختلف النسل لوگ ہیں اور یہ یہودیوں کا سب سے قدیم فرقہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ حضرتِ موسیٰ، حضرتِ ہارون اور حضرتِ یوشع علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کی نبوت کو ثابت مانتے ہیں مگر ان کے بعد آنے والے انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو نہیں مانتے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس تورات کا قدیم ترین نسخہ ہے جو بائبل و دیگر نسخوں سے کافی مختلف ہے۔ عمومی طور پر سامری دو فرقوں میں تقسیم ہوگئے: ایک "دوستانیہ (یعنی الفانیہ)"[1] دوسرا "کوستانیہ (یعنی صوفیوں کی جماعت)۔" سامریوں کی زبان عبرانی نہیں اور نہ ہی ان کا قبلہ بیت المقدس ہے۔ سامریوں کا قبلہ جبلِ غریزم (بیت المقدس اور نابلس کے مابین ایک پہاڑ) ہے۔

---

1 ...... کیونکہ ایک صدی قبلِ مسیح میں ان میں سے ایک شخص نے ظاہر ہوکر نبوت کا دعویٰ کیا تھا جس کا نام الفان تھا۔

www.dawateislami.net

سبائیہ (Sabian)

یہ عبد اللہ بن سبا کے پیروکار ہیں جس نے اسلام کو اندر سے نقصان پہنچانے کے لئے اسلام کا اظہار کیا تھا اور یہ وہی شخص تھا جس نے حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف انقلاب کو بھڑکا کر اپنے مذموم مقصد کو عملی جامہ پہنایا تھا۔ عبد اللہ بن سبا نے اپنے نظریات کی تائید کے لئے جھوٹی حدیثیں وضع کیں اور در حقیقت اسلام میں دینی اور سیاسی فتنوں کی جڑ یہی تھا۔

ریفارمسٹ (Reformist)

یہودیت میں جدت پسندی کی تحریک جرمنی میں اٹھارہویں صدی میں شروع ہوئی جسے برطانیہ میں قبولیتِ عام حاصل ہوئی۔ روایت پسند یہودیوں کے برعکس ریفارم یہودیوں نے یہودی شریعت کو جدید تہذیب کے عین مطابق بنانے کے لئے اس میں کئی معنوی تبدیلیاں کیں اور یہودی قوانین کی نئی تشریحات پیش کیں۔ مذہبی کتابوں کے متعلق اس مکتبِ فکر کا کہنا ہے کہ اگرچہ تورات خدائی تعلیمات پر مبنی ہے لیکن اسے انسانوں نے اپنی زبان اور اپنے انداز میں لکھا ہے۔ روایت پسندوں کے برعکس ریفارم یہودی سیکولر خیالات کے حامی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہودیت کسی ایک قوم یا خطے سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ یہ ایک عامی مذہب ہے جس میں ہر طرح کی تہذیب و تمدن کی گنجائش موجود ہے لہٰذا جدید تہذیب اپنانے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ ریفارم یہودی مذہبی رسومات سے زیادہ معاشرتی رویے پر زور دیتے ہیں۔ روایت پسندوں کے ہاں مردوں اور عورتوں کے متعلق بعض معاملات میں حقوق کا فرق موجود ہے جبکہ ریفارم یہودی ہر قسم کے معاملات میں مساوی حقوق کے قائل ہیں۔

مذہبی کتابیں

یہودی اپنی مذہبی کتابوں کی تقسیم دو طرح سے کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر جو وحی نازل ہوئی وہ دو اقسام پر تھی۔

پہلی قسم سے مراد وہ بنیادی قوانین و احکام اور ان کی تفصیل جو اللہ پاک کی طرف سے جبلِ طور پر لوہے کی تختیوں پر کندہ ہو کر حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو عطا ہوئے۔ اسے یہودی "مکتوبِ شریعت" کہتے ہیں۔

دوسری قسم کی وحی وہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو الہام کی صورت میں عطا ہوئی یعنی ان قوانین و احکام کی تشریح و وضاحت جو حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے از خود ارشاد فرمائی۔ اسے یہودی "زبانی شریعت" کہتے ہیں۔

www.dawateislami.net

(1) مکتوب شریعت

جس کو "عہد نامہ قدیم و عتیق" بھی کہا جاتا ہے یہ یہودیوں کی سب سے زیادہ مقدس کتاب کہلاتی ہے اور اسے بنی اسرائیل کی ایک تاریخی کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ کتاب انتالیس (39) حصوں پر مشتمل ہے۔ آسانی کی غرض سے ان حصوں کو تین سلسلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

سلسلہ نمبر 1: تورات

تورات لغوی اعتبار سے عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنٰی وحی یا فرشتہ کے ہیں۔ یہودیت کی اصطلاح میں یہ "عہد نامہ قدیم و عتیق" کی وہ پانچ کتابیں ہیں جو حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے منسوب ہیں۔ یہ کتابیں پیدائش، خروج، احبار، اعداد اور استثناء ہیں۔ ان کتابوں کو کتبِ خمسہ (Pentateuch) یا قانونِ موسوی (Law of Moses) بھی کہا جاتا ہے۔ یہودیوں کے عام عقیدے کے مطابق یہ پانچوں کتابیں حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کوہِ طورِ سینا پر خدا کی طرف سے ملیں یعنی ان کی طرف وحی کی گئیں اور وہ پانچ کتابیں یہ ہیں:

1۔ کتابِ پیدائش (Genesis)　　2۔ کتابِ خروج (Exodus)　　3۔ کتابِ احبار (Leviticus)

4۔ کتابِ اعداد (Book of Numbers)　　5۔ کتابِ استثناء (Deuteronomy)

سلسلہ نمبر 2: نویم (Neviim)

نویم، تانخ (یعنی عبرانی بائبل) کا دوسرا حصہ ہے۔ یہ بائیس کتابوں کا مجموعہ ہے اور اس میں انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کے صحائف بھی شامل ہیں۔ یہ حصہ کتابِ یوشع، کتابِ یسعیاہ، کتابِ یرمیاہ، کتابِ سموئیل، حزقی ایل، قضاۃ، سموئیل (اول و دوم)، سلاطین (اول و دوم) اور دیگر انبیائے کرام کے صحائف پر مشتمل ہے۔ معروف اور غیر معروف پیغمبروں کے صحائف کی مناسبت سے اس کتاب کے مزید دو حصے کر کے بھی فرق کیا جاتا ہے۔

سلسلہ نمبر 3: کتویم (Ketuvim)

یہ حصہ بارہ کتابوں پر مشتمل ہے۔ موضوع کے اعتبار سے اس کے بھی تین حصے کئے جاتے ہیں۔ پہلے حصے میں حضرتِ داؤد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زبور، حضرتِ سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی امثال اور حضرتِ ایوب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مزامیر شامل ہیں۔ دوسرے حصے میں پانچ مجلات ہیں جو غزالغزلات، رعوت، نوحہ یرمیاہ، الجماعہ اور آستر پر مشتمل ہیں۔ تیسرا

حصہ حضرت دانیال، نحمیاہ، تواریخِ اول اور دوم پر مشتمل ہے۔

مذکورہ بالا تین سلسلوں کے علاوہ بھی عہد نامہ قدیم وعتیق کی تقریباً 17 کتابیں مزید ہیں جن کے حوالے عہد نامہ قدیم وعتیق میں ملتے ہیں لیکن وہ کتابیں اب معدوم ہو چکی ہیں۔

موجودہ عہد نامہ قدیم کی تدوین وتالیف

موجودہ عہد نامہ قدیم کی تدوین وتالیف کب ہوئی؟ اس حوالے سے کوئی بھی تاریخ متفقہ طور پر نہیں بتائی جاسکتی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو کئی مرتبہ غیر حکمرانوں کے عتاب کا شکار ہونا پڑا اور ان حکمرانوں نے ہیکلِ سلیمانی اور کتبِ مقدسہ کو جلا دیا۔ یہودیوں کی کتبِ مقدسہ کسی بھی گزشتہ دور میں زیادہ عرصے تک کتابی صورت میں قائم نہ رہ سکیں لیکن ان کے مذہبی ادب کا سرمایہ علما کے حافظوں سے نسلوں تک منتقل ہوتا رہا۔ آٹھویں صدی قبلِ مسیح میں سامریوں کی پہلی تباہی سے لے کر 613 میں ایران کے شاہ خسرو پرویز تک تقریباً سات مرتبہ یہودیوں کی مقدس کتابوں کو مکمل طور پر ضائع کیا گیا۔ یہودی محققین کے مطابق عہد نامہ قدیم کی سب سے آخری تدوین جامنیا کونسل میں کی گئی۔

(2) زبانی شریعت

دوسری قسم کی وحی وہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو الہام کی صورت میں عطا ہوئی یعنی ان قوانین واحکام کی تشریح ووضاحت جو حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے از خود ارشاد فرمائی۔ اسے یہودی "زبانی شریعت" کہتے ہیں۔ یہودیوں کے مطابق زبانی شریعت کی تعلیم حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرتِ ہارون اور حضرتِ یوشع علیہما الصّلوٰۃ والسّلام کو دی، یوشع علیہ السّلام نے بنی اسرائیل کے اہم سرداروں کو یہ خدائی قانون پڑھایا اور اس طرح سینہ بسینہ روایت ہوتے ہوئے یہ قوانین حضرتِ عزیر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تک پہنچے اور ان کے بعد کئی نسلوں سے یہ شریعت زبانی روایت ہوتی رہی جسے بعد میں یہودیوں کے فلسطینی احبار علما نے ایک مقدس کتاب کی صورت میں جمع کیا (یاد رکھیے! زبانی شریعت کے ان قوانین کی کتابی صورت کو اگر متن قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا)۔ یہودیوں نے اس متن کا نام "مِشناء" رکھا تھا جو بعد میں "تالمود" کے نام سے مشہور ہوا۔

تالمود یا تلمود (Talmud)

لغوی اعتبار سے تلمود یا تالمود عبرانی زبان کا لفظ ہے اور یہ "لمد" سے بنا ہے۔ عبرانی زبان میں اس کے معنیٰ سکھانے، تعلیم دینے اور تعلیم پانے کے ہیں چونکہ یہ کتاب حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے سینہ بسینہ منتقل ہوتی رہی اس لیے اسے

"تلمود" کہا جاتا ہے۔ تالمود عہد نامہ قدیم کے علاوہ یہودیوں کی ایک مقدس کتاب سمجھی جاتی ہے اور اسے "وحیٔ غیرِ مقطوع" کی حیثیت حاصل ہے۔ اِس متن کی دو طویل شرحوں کا حوالہ ملتا ہے جن کا نام "جمارہ" ہے اور ان میں سے ایک شرح فلسطین میں لکھی گئی جبکہ دوسری بابل میں اور ان دونوں کی زبان رومی ہے۔

مِشناء(Mishnah)

فلسطینی علما نے جس زبانی شریعت کو ایک کتاب میں جمع کیا اس کا نام "مِشناء (دوسری تورات)" رکھا گیا اور اس کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا جن میں زراعت، تہوار، عورت، معاوضہ، وقف، قربانی اور طہارت کے موضوعات تھے۔ یہی کتاب تلمود کے نام سے مشہور ہوئی اور یہودیوں میں اس قدر مقبول ہوئی کہ یہودیوں کی برسرِ اقتدار جماعت نے فیصلہ کرلیا کہ آئندہ کوئی بھی فیصلہ تورات پر کرنا جائز نہیں بلکہ جو ایسا کرے گا اس پر "یہودا" ناراض ہوگا اور فیصلے کی فقہی اور قانونی تفسیر مِشناء کے مطابق ہوگی۔

جمارہ(Gemara)

اصل میں جمارہ ان شروح اور حواشی کا نام ہے جن میں مشناء کی تشریح کی گئی نیز جمارہ میں مِشناء کے متن کی تشریح کے علاوہ طب، نباتات، فلکیات، جیومیٹری اور اس قسم کے دوسرے مضامین شامل ہیں۔

رسم ورواج / تہوار

ہر مذہب کی طرح یہودیوں کے یہاں بھی مختلف قسم کے رسم ورواج اور تہوار پائے جاتے ہیں اور وہ انہیں بہت اہتمام سے مناتے ہیں۔ یہ تہوار یہودی عبرانی کیلنڈر کے مطابق منائے جاتے ہیں اور ان تہواروں کی تعداد بہت زیادہ ہے نیز وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، اس کا مختصر سا تذکرہ ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

یوم السبت

یہودی عبادت اور نماز کے لئے ہفتے کا دن مخصوص ہے جسے "سبت" کہا جاتا ہے اور یہ عربی میں "یوم السبت" کہلاتا ہے۔ بائبل میں سبت کو ہفتے کا ساتواں اور آرام وراحت کا دن بتایا گیا ہے۔ اس دن یہودی خصوصی عبادات کا اہتمام کرتے ہیں اور عبادت گاہوں میں آنے والوں کے لئے خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ یاد رہے! اس تہوار میں ہر یہودی کی شرکت ضروری ہوتی ہے اور اس دن کی تعطیل بہت اہم خیال کی جاتی ہے یہاں تک کہ خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے۔

عیدالفصح

یہودیوں کے لئے ملکِ مصر سے آزادی اور گلوخلاصی ایک بہت بڑی نعمت تھی جس کی یاد میں آج بھی یہودی ”عیدی“ کے نام سے ایک تہوار مناتے ہیں جس میں کھانے کی ایسی چیزیں تیار کی جاتی ہیں کہ جن سے سفر کی یاد ذہن میں تازہ ہوجائے۔چونکہ بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی نہایت عجلت کی حالت میں ہوئی تھی اس لئے وہ کھانے پینے کی چیزیں بھی اپنے ساتھ طریقے سے نہ رکھ سکے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اس دن قربانی کے جانوروں کو تیخ سالم بھون لیا جاتا ہے ان کی ہڈیوں کو توڑا یا کاٹا نہیں جاتا۔یادرہے کہ یہ تہوار[1] آٹھ دن تک منایا جاتا ہے اور اس میں ادا کی جانے والی رسم کی نوعیت دوسری رسوم سے مختلف اور جداگانہ ہوتی ہے۔

پینٹی کوسٹ (Pentecost)

یہ تہوار حضرتِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوہِ سینا پر مقدس تختیاں ملنے کی یاد میں عیدِ فصح کے بعد 50 دن گزرنے پر منایا جاتا ہے۔اس تہوار کے موقع پر یہودی راہب دودھ سے بنی گندم کی دو خمیری روٹیاں پکواتے ہیں، پھر سات بھیڑ یا ایک بیل یا دودنبے ذبح کرتے ہیں جس سے یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کی دعوت کی جاتی ہے۔عبادت گاہوں میں اس دن خصوصی عبادت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔یہ تہوار عمومی طور پر مئی یا جون کے چھٹے اور ساتویں روز منایا جاتا ہے۔

رُوش ہاشَانَاہ (Rosh Hashanah)

یہ یہودی کیلنڈر کے سال کی ابتدا کا دن ہے جو عیسوی کیلنڈر کے حساب سے ستمبر یا اکتوبر میں آتا ہے۔یہودی کیلنڈر کا آغاز یہودی عقائد کے مطابق حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام و حضرتِ حوّا رضی اللہ عنہا کے زمین پر آنے کے ساتھ ہوتا ہے، اسی کی یاد میں یہ تہوار منایا جاتا ہے۔

یہودیوں کا سب سے اہم تہوار (یومِ کپور یا یومِ کفارہ)

اب تک یہودیوں کے جتنے تہوار مذکور ہوئے ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم لیکن ایک تہوار ایسا ہے جسے تمام تہواروں میں ایک خصوصی مقام اور تقدس حاصل ہے اور وہ ہے ”یومِ کفّارہ۔“

یہودی اپنے سالِ نو کے آغاز میں ایک دس روزہ تہوار مناتے ہیں جس کے اختتام پر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور

---

1 ......اس کو پیساخ بھی کہا جاتا ہے۔

سالِ نَو کے لئے خصوصی دعائیں اور صدقہ و خیرات کا عمومی اہتمام کرتے ہیں۔اس دس روزہ تہوار کو یومِ کفارہ کہا جاتا ہے۔یومِ کفارہ کے موقع پر کھانے پینے کی چیزوں کی طرف توجہ دینے کے بجائے روایتی اعمال کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔

یومِ سکوت

یہ تہوار ایک ہفتہ رہتا ہے جو صحرائے سینا میں دربدر پھرنے کی یاد دلاتا ہے،اس تہوار کے دوران یہودی خاص قاعدوں کا خیال رکھتے ہوئے خیمے بنا کر ان میں رہتے ہیں۔

یہودی ٹوپ(Jewish hat)

یہودیوں کی ٹوپی چھوٹی اور جالی دار ہوتی ہے اور وہ اُسے جہاں بال گھومتے ہیں صرف اتنے حصے پر پہنتے ہیں،ان کے جھنڈے پر جتنے کونوں والا ستارہ بنا ہوتا ہے بالکل ویسا ہی ان کی ٹوپی پر بھی بنا ہوتا ہے جو کہ ان کی شناختی علامت ہے۔

عبادات کے طریقے

یہودیوں کے یہاں متعدد طریقوں سے عبادات کی جاتی ہیں جن میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے۔

ٹیفیلَاہ(Tefillah)

روزانہ کی جانے والی یہودی عبادت کو ٹیفیلاہ کہا جاتا ہے۔یہودی دن میں تین مرتبہ (صبح صادق کے وقت،دوپہر اور شام کے وقت غروبِ آفتاب سے کچھ دیر پہلے) نماز ادا کرتے ہیں۔پہلی نماز کو شاخریت،دوسری کو منخا اور تیسری کو آروت اور مارِو کہا جاتا ہے۔یہ تین نمازیں یہودیوں کے روزانہ کے دینی و مذہبی اعمال کا جزو ہیں۔

مُوسَاف(Musaf)

روزِ سبت (ہفتے کے دن) اور سال بھر کے تمام ایامِ مقدسہ (یعنی عیدین و جشن وغیرہ کے موقع) پر یہودیوں کے راسخ العقیدہ فرقے اور رجعت پسند یہودی ایک اضافی نماز ادا کرتے ہیں جسے "موساف" کہا جاتا ہے۔

یہودیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ

توحید

یہودیت کے بعض طبقات حضرتِ عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم کی سورۂ توبہ کی آیت نمبر 30 ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ﴾(پ۱۰،التوبۃ:۳۰)"ترجمۂ کنز العرفان:اور یہودیوں نے کہا:عزیر اللہ کا بیٹا ہے"سے ثابت ہے۔

جبکہ اسلام توحیدِ خالص ہے اور کسی بھی طرح کا ذرا سا بھی شرک اسلام میں برداشت نہیں چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے: ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ﴾ (پ۲۳،الزمر:۳) "ترجمۂ کنز العرفان: سن لو! خالص عبادت اللہ ہی کے لئے ہے۔" اور ایک مقام پر ہے: ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ (پ۲۴،المؤمن:۱۴) "ترجمۂ کنز العرفان: تو اللہ کی بندگی کرو، خالص اسی کے بندے بن کر۔" اسی طرح قرآنِ پاک میں یہود سمیت ہر باطل دین کا ردّ کرتے ہوئے اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۠ (پ۲،البقرۃ:۱۶۳)

ترجمۂ کنز العرفان: اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بڑی رحمت والا، مہربان ہے۔

یونہی سورۂ اخلاص میں اللہ پاک کی وحدانیت کا ایسا بہترین اسلوب ہے کہ جس میں شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور یہودیت کے عقیدۂ توحید کے منافی ہر عقیدہ کی تردید ہو جاتی ہے۔

اگر موجودہ تورات کو دیکھا جائے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہود اللہ پاک میں انسان کی صفات جیسی صفات مانتے تھے جیسا کہ تورات میں ایک جگہ ہے کہ "خدا انسان کو اس سرزمین پر بھیج کر پچھتایا اور کہا کہ میں نے جن انسانوں کو پیدا کیا نہ صرف انہیں بلکہ پرندوں اور حیوانات کو بھی ختم کر دوں گا کیونکہ مجھے ان کے بنانے کا پچھتاوا ہے۔" جبکہ اس کے مدِّ مقابل قرآنِ پاک میں انسان کو بھیجنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے اللہ پاک اِرشاد فرماتا ہے:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (پ۱،البقرۃ:۳۰)

ترجمۂ کنز العرفان: اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

یاد رکھیے! نائب اسی کو بنایا جاتا ہے جو کہ پسند ہو نہ کہ جس پر پچھتاوا ہو۔

انبیا

یہودی قوم زمانۂ موسوی سے ہی انبیائے کرام کی نافرمانی کرتی آئی ہے۔ خود حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ان کا رویّہ اور انداز یہ تھا کہ جب حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انہیں جہاد کی دعوت دی تو انہوں نے جواباً وہ بات کہی جسے قرآنِ پاک میں یوں بیان کیا گیا:

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝ (پ۶،المائدۃ:۲۴)

ترجمۂ کنز العرفان: (پھر قوم نے) کہا: اے موسیٰ! بیشک ہم تو وہاں ہرگز کبھی نہیں جائیں گے جب تک وہ وہاں ہیں تو آپ اور آپ کا رب دونوں جاؤ اور لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔

اسی طرح محرف تورات میں یہ بھی موجود ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرتِ لوط علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا۔ یوں ہی "یہودا" پر الزام لگایا کہ اس نے حضرتِ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل کو بڑھانے کے لئے (نعوذ باللہ) اپنے لڑکے کی بھاوج سے زنا کی ترغیب دی۔ الغرض یہودیوں نے ہر طرح سے انبیائے کرام کی تعلیمات سے منہ پھیرتے ہوئے نہ صرف اُن کی تعلیمات کو جھٹلایا بلکہ ہمیشہ ان کی تعلیمات کے مخالف طریقہ کو ہی اختیار کیا۔

اس کے برخلاف دینِ اسلام نہ صرف انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی تعظیم و توقیر کا حکم دیتا ہے بلکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو اپنانے کا درس بھی دیتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ اگر تم اللہ پاک سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنا چاہتے ہو تو بغیر رسول یا رسول کی محبت اور اطاعت کے یہ حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ اللہ پاک قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ(۳۱) (پ۳، اٰلِ عمرٰن: ۳۱)

ترجمۂ کنز العرفان: اے حبیب! فرمادو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیتِ کریمہ کا واضح مفہوم اس بات پر شاہد ہے کہ نبی کی اطاعت و فرمانبرداری کے بغیر اللہ پاک کی رضا و خوشنودی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دینِ اسلام میں ہر ہر حوالے سے معتدل راستہ اختیار کیا گیا ہے حتّٰی کہ نبوت و رسالت کے متعلق بھی قرآن و اسلام کی تعلیمات واضح بھی ہیں اور افراط و تفریط سے پاک بھی۔

عورت اور نبوت

یہودیت کے مطابق عورت نبی ہو سکتی ہے اور عہد نامہ قدیم میں کئی عورتوں کے نام انبیا کی فہرست میں شامل ہیں جبکہ اسلام کے مطابق کوئی بھی عورت رسول یا نبی نہیں ہو سکتی چنانچہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰىؕ﴾ (پ۱۳، یوسف: ۱۰۹) "ترجمۂ کنز العرفان: اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب شہروں کے رہنے والے مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔"

قرآن اور تورات

اگر یہودیوں کی مذہبی اور مقدس کتاب تورات کی بات کی جائے تو ہمیں پتہ چلے گا کہ اس کتاب کے بارے میں تاریخ یہ کہتی ہے کہ یہ کتاب کئی مرتبہ صفحۂ ہستی سے بالکل مٹ چکی ہے جیسا کہ مؤرخین کہتے ہیں کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس پر حملہ کیا تھا تو اس وقت ہیکلِ سلیمانی کو بالکل تباہ و برباد کر دیا تھا اور تورات کا وہ واحد نسخہ جو ہیکل کے اندر موجود تھا اس کو بھی تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بخت نصر پوری یہودی قوم کو غلام بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا جہاں یہود کو تورات پڑھنے کی تو کجا اپنی مذہبی عبادات و رُسوم ادا کرنے کی بھی اِجازت نہیں تھی۔ اس کے بعد جب ایران کے بادشاہ نے یہودیوں کو بابل سے آزادی دِلوائی تو یہودیوں نے نجانے کہاں سے تورات کا ایک نسخہ ڈھونڈ لیا؟ تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ تورات کا نسخہ دنیائے ہستی سے یکسر ختم ہوا اور پھر یہودیوں نے اُسے دوبارہ پیدا کر لیا۔ ظاہر ہے اس عمل میں نجانے کتنی تبدیلیاں ہوئی ہوں گی؟ تورات کی تحریف کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں حضرتِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کفن دفن کے واقعات بھی موجود ہیں حالانکہ اگر یہ وہی کتاب ہے جو منزل من اللہ ہے تو پھر اس میں اس طرح کے واقعات کا ہونا انسانی عقل سے بعید ہے۔

جبکہ اس کے مقابلہ میں ”قرآنِ مجید“ اللہ پاک کی ایسی لاریب کتاب ہے کہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور اس کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے ایک وجہ تو یہی ہے کہ اس مقدس کتاب کے بارے میں خود اللہ پاک نے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 2 میں اِرشاد فرمایا: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۚۖۛ فِیْهِ ۚۛ﴾ (پ۱، البقرۃ:۲) ”ترجمۂ کنزُ العرفان: وہ بلند رتبہ کتاب جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔“ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ پاک نے لیا ہے چنانچہ اِرشاد فرمایا: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾ (پ۱۴، الحجر:۹) ”ترجمۂ کنزُ العرفان: بیشک ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بیشک ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“ لہٰذا جب قرآنِ مجید کی حفاظت کا ذمہ ربّ نے خود اپنے ذِمّۂ کرم پر لیا ہے تو یہ رہتی دنیا تک ہر قسم کی تحریف و تبدیل سے پاک ہو گا۔

ذاتِ باری تعالیٰ اور نظریہ آرام

یہودیت میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ جب اللہ پاک نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا تو ان کو بنانے کے بعد خدا کی ذات تھک گئی اور ہفتہ کے دن آرام کیا۔

اس عقیدہ کے برعکس دینِ اسلام ہمیں خدا کا بہترین تصور پیش کرتا ہے۔ اسلام ہمیں ایسے خدا کا تصور دیتا ہے کہ جو قادرِ مطلق ہے، ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور نیند، اونگھ، تھکاوٹ، سستی و کاہلی وغیرہ چیزوں سے مبرا اور پاک ہے جیسا کہ اللہ پاک نے "آیۃ الکرسی" میں ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (۲۵۵)

(پ۳، البقرۃ:۲۵۵)

ترجمۂ کنزالعرفان: اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ خود زندہ ہے، دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے، اسے نہ اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور لوگ اس کے علم میں سے اتنا ہی حاصل کرسکتے ہیں جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی آسمان اور زمین کو اپنی وسعت میں لئے ہوئے ہے اور ان کی حفاظت اسے تھکا نہیں سکتی اور وہی بلند شان والا، عظمت والا ہے۔

یہ آیت واضح طور پر اس بات پر دال ہے کہ ربّ کی ذات ہر عیب والی چیز مثلاً نیند اور اونگھ وغیرہ سے پاک ہے۔

وراثت

یہودیت میں عورتوں کو ہمیشہ ابتر اور کمتر ہی سمجھا گیا ہے اور انہیں ایک لونڈی سے زیادہ کوئی عزت نہیں دی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ وراثت میں بھی عورت کو کوئی حصہ دار نہیں بنایا گیا بلکہ عورت کی اپنی ذاتی کمائی پر شادی سے قبل اس کے والدین اور شادی کے بعد اس کے شوہر کا حق بتایا گیا ہے۔ اسی طرح باپ کی بیویاں بیٹے کی وراثت میں آجاتی تھیں۔

جبکہ اس کے برعکس اسلام نے جہاں عورتوں کو بہت سارے حقوق دیئے ہیں وہیں اسلام نے عورتوں کو وراثت میں سے بھی حصہ دیا ہے اور عورت کو اس کے باپ، بھائی اور شوہر کے مال میں حق دار ٹھہرایا ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ

(پ۴، النساء:۱۱)

ترجمۂ کنزالعرفان: اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے پھر اگر صرف لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر تو ان کے لئے ترکے کا دو تہائی حصہ ہوگا اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا حصہ ہے۔

سورۂ نساء کی اس آیت کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دینِ اسلام عورت کو ہر قسم کا جانی اور مالی تحفظ فراہم کرتا ہے۔

تکبر و خود پسندی

یہودی مذہب تکبّر اور خود پسندی پر مبنی ہے جس میں دیگر لوگوں کو ذلیل و حقیر اور بغیر عمل کے خود کو جنت کا وارث سمجھا جاتا ہے۔ خود کو بزرگ اور دُوسروں کو ذلیل ورُسوا سمجھنا سب سے بڑی بُری عادت ہے جو یہود میں موجود ہے اور یہ فقط اس لئے ہے تاکہ ثابت کر سکیں کہ ہم برتر ہیں مسلمان ہماری پیروی کریں لیکن اللہ پاک نے ان کے اس غرور کو خاک میں ملا دیا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؗ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾ (پ۶، المآئدۃ:۱۸)

ترجمۂ کنزُالعرفان: اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ اے حبیب! تم فرما دو: (اگر ایسا ہے تو) پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم (بھی) اس کی مخلوق میں سے (عام) آدمی ہو۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے اور آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔

یہودیت کا تنقیدی جائزہ

یہودیت اگرچہ سماوی ادیان میں سے ایک دین ہے اور اس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد توحید کے پیغام کو عام کرنا تھا لیکن موجودہ یہودیت عقائد و معمولات اور اپنی کتب میں افراط و تفریط کے ساتھ تحریف کا شکار ہے، یہی وجہ ہے کہ یہودی اگرچہ اہلِ کتاب ہیں لیکن توحید پرست نہیں رہے بلکہ عیسائیوں کی طرح یہ بھی اللہ پاک کے لئے بیٹے کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک حضرتِ عزیر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام (نعوذ باللہ) اللہ پاک کے بیٹے ہیں جیسا کہ قرآنِ پاک کی سورۂ توبہ کی آیت نمبر 30 میں اس کا واضح بیان موجود ہے۔[1] مزید یہ کہ موجودہ یہودی مذہب میں اللہ پاک کے لئے کئی نازیبا باتیں مانی جاتیں ہیں مثلاً اللہ پاک جسم اور انسانی شکل و صورت سے پاک ہے لیکن محرف تورات میں یہ بات موجود و مذکور

1 ......﴿وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ﰳابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ یُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾

ہے کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنایا ہے۔

اسی طرح اللہ پاک کو غم و پریشانی اور فکر میں مبتلا نیز تھک کر آرام کرنے والا بیان کرنا اور یونہی انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو گناہوں اور غلطیوں سے معصوم نہ ماننا بلکہ ان سے زنا، شراب نوشی اور عورتوں کو ان کے خاوندوں سے چھین لینے کے ارتکاب کو ممکن قرار دینا یہاں تک کہ وہ رب تعالیٰ کی نگاہ میں قبیح بھی بن سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ بُرے نظریات یہودی مذہب کا حصہ ہیں۔یہودیوں کی جرأت اور بے باکی کا حال یہ ہے کہ انہوں نے کئی انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو ناحق شہید کیا۔یہودیت کی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ بھی ہے کہ یہ لوگ حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے آخری نبی ہونے کو اپنی اولاد سے زیادہ جانتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی جہالت کا عالم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت کا اِنکار کرتے ہیں جیسا کہ قرآنِ پاک میں بیان فرمایا گیا۔(1)

اس مذہب میں ایک بہت بڑا تنقیدی پہلو یہ ہے کہ یہ خود ساختہ خوش فہمیوں پر مبنی ہے، خود کو اللہ پاک کا محبوب تصور کرنا اور باقی مذاہب والوں پر ظلم و ستم کو جائز سمجھنا اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کرنا کہ جنت صرف انہی کے لئے خاص ہے اور اگر وہ جہنم میں گئے بھی تو گنتی کے چند دن ہی کے لیے جائیں گے، یہ سب یہودیوں کی خوش فہمیاں ہیں۔یہودیوں سے کہا جائے کہ اگر ایسا ہے تو تم دنیوی مصائب کو برداشت کرنے کے بجائے موت کی تمنا کرو تاکہ جلدی جنت میں پہنچ جاؤ تو یہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے کیونکہ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ اگر موت کی تمنا کرتے تو سب ہلاک ہو جاتے اور روئے زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہتا۔(2)

یہودیوں کی خوش فہمیوں کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ تلمود میں ہے: یہودی اللہ پاک کے ہاں فرشتوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ پاک کی اصل سے ہیں (جیسے بچہ اپنے باپ کی اصل سے ہوتا ہے) اور ان کو تھپڑ مارنا (نعوذ باللہ) خدا کو تھپڑ مارنا ہے۔ان کے فاسد عقیدوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ پاک کے بیٹے اور چہیتے سمجھتے ہیں اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ عبادتِ خدا صرف انہی کو روا ہے، بہرحال قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر ان کی غلط اور فاسد خوش فہمیوں کا بیان موجود ہے۔ساتھ ہی قرآنِ مجید اس امر پر بھی گواہ ہے کہ یہودی قیامت تک کے لئے عذابِ خداوندی اور

---

1 ......﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْؕ-وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ(۱۴۶)﴾(پ2، البقرۃ:۱۴۶)

2 ......تفسیر بغوی، پ1، البقرہ، تحت الآیۃ:94، 1/ 60

غضبِ الٰہی کا نشانہ بن چکے ہیں اور ذلّت وخواری ان کے حق میں ہمیشہ کے لئے مقدر کر دی گئی ہے۔

عصرِ حاضر میں موجودہ یہودیت ایک سازشی و مکر و فریب سے بھرپور مذہب بن چکا ہے۔ آج کل فتنوں کا دور دورہ ہے اور کئی ممالک میں جنگیں ہو رہی ہیں، ان سب کے پیچھے یہودی مذہب کا ہاتھ ہے اور کئی ممالک میں تو یہودی نظام رائج ہو چکا ہے۔ یہودی اپنے مذہب کے ماننے والوں کے علاوہ سب کو حقیر و ذلیل سمجھنے کے ساتھ ساتھ نیست و نابود کرنے کا اِرادہ بھی رکھتے ہیں جیسا کہ ان کی موجودہ تحریکوں اور ان کے مشنز (Missions) سے صاف ظاہر ہے۔

عیسائیت

تعارف

عیسائیت (Christianity) دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک مذہب ہے بلکہ بلحاظِ آبادی دنیا کا سب سے بڑا اور موجودہ دور میں سیاسی و معاشی طور پر سب سے زیادہ مستحکم مذہب نظر آتا ہے۔ اس مذہب کی نسبت اللہ پاک کے پیارے نبی حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی جاتی ہے اور اس کے ماننے والے عیسائی، مسیحی اور نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ان کو (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں) کو اہلِ کتاب کہا گیا ہے۔[1] چونکہ مذہبِ عیسائیت کا محور (یعنی مرکز) یسوع مسیح ہیں لہٰذا اس باب میں ان کی پیدائش، زندگی، وفات اور ان سے منسوب تعلیمات کو ذکر کیا جائے گا۔

نوٹ: تثلیث اور کفّارہ کو عیسائیت میں بنیادی عقیدے کی حیثیت حاصل ہے اور ان کے اقرار کرنے والے کو ہی عیسائی کہا اور سمجھا جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ

ان القاب کی مختصر و ابتدائی تعریف یہ ہے کہ وہ لوگ جو یہودیوں سے نکل کر یسوع مسیح کی جماعت میں شامل ہوتے تو فلسطین میں پہلے پہل یہودی انہیں امتیاز کی خاطر یسوع ناصری کے پیروکار کا لقب دیتے اور اسی نسبت سے انہیں ناصری کہا جاتا۔[2]

لفظِ عیسائی ان غیر یہودی (یونانی الاصل) لوگوں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو یہودیوں کی سزا سے بچنے کی خاطر فلسطین سے نکل کر ایک ساحلی مقام انطاکیہ پر آکر مقیم ہوتے تھے۔

تاریخ

حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کی طرف رسول مبعوث کئے گئے۔ ان کی آمد سے قبل یہود دینِ موسوی میں تحریف کر چکے تھے، یہ لوگ کئی فرقوں میں بٹ چکے تھے، ذاتی مفاد کے لئے شرعی احکام میں تبدیلی کر دیتے تھے اور بھی کئی بہت بڑی بُرائیوں میں گرفتار تھے تو ان کی ہدایت کے لئے اللہ پاک نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔

---

1 ......پ 3، اٰلِ عمرٰن، الآیۃ: 64

2 ......ناصرہ یا نزارتھ اس مقام کا نام تھا جس میں حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بچپن میں اپنی والدہ کے ساتھ کچھ عرصہ ٹھہرے تھے۔ نصرانیت کے متعلق بعض علما کا یہ خیال ہے کہ یہ لفظ ناصرہ سے نہیں بلکہ حواریوں کے قول "نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہ" اور "قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی" سے ماخوذ ہے۔

www.dawateislami.net

عیسائیت کی تاریخ میں بہت وسعت ہے اور مؤرخین نے کئی پہلوؤں سے اس پر کلام کیا ہے لیکن ہم یہاں مختصر مگر جامعیت کے ساتھ عیسائیت کی تاریخ کو چند اَدوار میں تقسیم کرکے پیش کرتے ہیں:

پہلا دور

عیسائیت کئی اَدوار سے گزر کر موجودہ منحرف شکل کو پہنچی ہے۔"پہلا دور" سَیِّدُنا عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دور پر مشتمل ہے۔ حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی والدہ بی بی مریم رضی اللہ عنہا کے والد کا نام "عمران" اور والدہ کا نام "حنہ" تھا۔ حضرتِ یحییٰ علیہ السّلام کی والدہ "ایشاع" ان کی سگی بہن تھیں اور حضرت ہارون علیہ السّلام کی اولاد میں سے تھیں۔ بائبل کی رو سے حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے عبادت گاہ کا انصرام و انتظام حضرتِ ہارون علیہ السّلام کے ذمے لگا رکھا تھا اور وہ معبد کے منتظمِ اعظم تھے۔ ان کے بعد یہ منصب ان کی اولاد میں وراثتاً چلتا رہا۔ حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے والد حضرت زکریّا علیہ السّلام کے متعلق بھی ثابت ہے کہ وہ بیت المقدس کے منتظم تھے۔ جب ایشاع باوجود بوڑھی اور بانجھ ہونے کے باذنِ اللہ حضرتِ زکریّا علیہ السّلام سے حاملہ ہوئیں (زکریّا علیہ السّلام اس وقت خود بھی کافی بوڑھے ہو چکے تھے) تو اس معجزانہ حمل نے حنہ کے دل میں اولاد کی طلب پیدا کی۔ اس زمانے میں لڑکوں کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے تاعمر وقف کرنے کا رواج تھا۔ حنہ نے اپنے پیٹ کے بچے کو اسی خیال سے بیت المقدس کی نذر کر دیا کہ اللہ پاک اسے فرزندِ نرینہ عطا فرمائے گا مگر جب حضرتِ مریم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں تو حنہ کو تعجب ہوا، بالآخر نذر کے مطابق انہیں بیت المقدس لے جایا گیا اور قرعہ اندازی سے بی بی مریم رضی اللہ عنہا کے خالو حضرتِ زکریّا علیہ السّلام کو ان کا مربی اور نگران مقرر کیا گیا۔ حضرتِ مریم رضی اللہ عنہا بڑی پاکباز، عفیفہ اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ جب وہ جوان ہوئیں تو فرشتوں نے اُنہیں حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پیدائش کی بشارت دی، ان کے اظہارِ تعجب پر فرشتوں نے خدا کا حکم سنا دیا کہ یونہی ہوگا چنانچہ اللہ پاک نے آپ کو بطورِ معجزہ بغیر باپ کے پیدا کیا جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ﳓ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۙ(۴۵)

(پ ۳، اٰلِ عمرٰن: ۴۵)

ترجَمۂ کنزُ العرفان: یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا، اے مریم! اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک خاص کلمے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح، عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ وہ دنیا و آخرت میں بڑی عزت والا ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔

جب حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پیدا ہوئے تو بی بی مریم رضی اللہ عنہا بہت غمگین ہوئیں اور بیت المقدس چھوڑ کر بیت اللحم چلی گئیں تاکہ لوگوں کے سَبّ و شتم اور بدنامی سے بچی رہیں۔ بہر حال بی بی مریم رضی اللہ عنہا نے بیت اللحم میں حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو جنم دیا، ولادت کے بعد حضرتِ مریم رضی اللہ عنہا بچے کو قوم کے سامنے لائیں تو لوگوں نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ بی بی مریم رضی اللہ عنہا نے فرشتوں کی ہدایت کے مطابق بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھ لو، بچہ گہوارے سے بول پڑا جس میں اپنی عبدیت و نبوت اور صاحبِ کتاب ہونے کا ذکر تھا۔ انجیل کے مطابق حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام 33 برس کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے اور آپ کو کئی معجزات سے نوازا گیا، یہودیوں نے آپ کے خلاف سازشیں کیں اور رومی حاکم کے ذریعہ آپ کو پھانسی دینا چاہی لیکن اللہ پاک نے آپ کو زندہ حالت میں آسمانوں کی طرف اُٹھا لیا۔[1] آپ قیامت کے قریب آسمانوں سے اُتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔[2] سَیِّدُنا عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے 12 مقرب شاگرد تھے جنہیں ”حواری“ کہا جاتا ہے۔[3] سَیِّدُنا عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے یہ احوال قرآنِ پاک و احادیثِ طیبہ میں بڑی شرح و بسط (یعنی وضاحت) کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

دوسرا دور

حضرتِ سَیِّدُنا عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے آسمانوں پر زندہ اُٹھائے جانے کے بعد آپ کے پیروکاروں پر بڑا ظلم ہوا اور انہیں تبلیغ کے دوران شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ وہ جلا وطن ہوئے، عذاب میں مبتلا کئے گئے اور سولیوں پر لٹکائے گئے حتّٰی کہ اُن مظالم کی وجہ سے کہ جو حُکّامِ روم، ان کے کارندے اور یہودی ان پر ڈھاتے تھے قریب تھا کہ زمین سے مسیحیت کے نشانات ہی مٹ جائیں، ان پر سخت مصیبت، شاہ نیرون (65ء) شہنشاہ تراجان (106ء) شہنشاہ دیسیوس (251ء) اور شاہ وقلدیانوس (284ء) کے دور میں آئی۔ رہا ”نیرون“ تو اس نے ان پر الزام لگایا کہ انہوں نے ہی روم شہر جلایا ہے پھر اس نے مختلف قسم کی سزائیں دیں چنانچہ اپنے کارندوں کو حکم کرتا تھا کہ عیسائیوں کو چمڑوں میں بند کر کے کتوں کے سامنے پھینک دیا جائے تو وہ ایسا ہی کرتے اور کتے انہیں نوچتے، اسی طرح اس کے کارندے بعض عیسائیوں کو تارکول میں ڈبوئے ہوئے کپڑے پہنا دیتے اور پھر انہیں چراغ بنا کر ان سے روشنی حاصل کرتے۔

---

1 ...... تفسیر خازن، پ6، النساء، تحت الآیۃ:158، 1/448

2 ...... مسلم، ص1203، حدیث:7381

3 ...... تفسیر جمل، پ3، اٰلِ عمرٰن، تحت الآیۃ:52، 1/424

اسی مرحلے (38ء) میں ”شاول“ نامی یہودی عالم نے ڈرامائی انداز میں عیسائیت اختیار کی، وہ اس طرح کہ ایک مرتبہ شاول دمشق کے راستے میں تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اس نے حضرتِ مسیح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو دیکھ لیا ہے اور وہ ان پر ایمان لے آیا ہے پھر اس نے اپنانام ”پولس“ رکھا۔ پولس کو باقی حواریوں کے سامنے برنابا حواری نے متعارف کروایا حالانکہ شاول عیسائیوں کو عذاب میں مبتلا کرنے کا شوقین تھا بلکہ عیسائیت کے علما بھی اس بات پر متفق ہیں کہ وہ عیسائیوں کے قتلِ عام پر خوش ہوتا تھا، چرچوں پر حملے کرتا تھا اور گھروں میں داخل ہو کر مردوں اور عورتوں کو کھینچ کر جیل والوں کے سپرد کرتا تھا۔ پولس نے ابتدا میں اخلاص کا اظہار کیا لیکن بعد میں عیسائیت کو خالص توحیدی دین سے پھیر کر بت پرستانہ دین بنادیا۔ وہ ایسی تعلیمات پھیلانے لگا جنہیں وہ ہندوؤں اور یونانیوں کے فلسفہ اور یہودیوں کی بعض تعلیمات سے اخذ کرتا تھا چنانچہ وہ پہلی مرتبہ ”نظریۂ تثلیث اور نظریۂ ابن اللہ“ لایا یعنی حضرتِ مسیح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اللہ کے بیٹے ہیں اور وہ اس لئے اُترے تھے تاکہ اپنی جان دے کر انسان کی غلطی کا کفارہ بنیں اور وہ اوپر اس لئے چڑھ گئے تاکہ اپنے باپ کے دائیں بیٹھ کر فیصلے کریں اور انسانوں کو سزا و جزا دیں۔ پولس نے یہ تحریف اس لئے کی کیونکہ اس نے کسی قسم کی تعلیم ان حوارین کے ذریعے سے حاصل نہ کی تھی بلکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ یسوع مسیح سے براہِ راست اور بلاواسطہ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اس کی یہ تحریف اس لئے قبول ہوئی کیونکہ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ اکیلا ہی مُعلّمِ مسیحیت ہے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ جو تعلیم وہ دیتا ہے اس کے سوا کوئی اور تعلیم قبول کرے۔ اس مرحلے میں عیسائیت میں انتہا درجہ کی تحریف ہوئی یہاں تک کہ اس کے نظریات ہی کو عیسائیت نے اصل مذہب سمجھ لیا۔

تیسرا دور

یہ دور چوتھی صدی سے چھٹی صدی مسیحی تک کا ہے۔ 312م میں جب قسطنطین رومانوی حکومت کا سربراہ بنا اور اس نے عیسائیت قبول کی تو یہیں سے عیسائیت کا سنہری دور شروع ہوا اور یہ عیسائیت کے فروغ اور اشاعت کا زمانہ کہلایا۔ قسطنطین نے عیسائیت کی تبلیغ کا بیڑا اُٹھایا، عبادت گاہیں بنوائیں، عیسائیوں کو بڑے بڑے عہدے دیے، ان کے علما کا بہت زیادہ اِعزاز و اِکرام کیا، مختلف عیسائی فرقوں کو متحد کرنے اور ان کے عقائد کے اختلاف کو مٹانے کی سر توڑ کوشش کی، عیسائیوں کو چار انجیلوں ”متی، لوقا، مرقس، یوحنا“ پر جمع کیا اور باقی انجیلوں کو جلا دیا، سیِّدُنا عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی الوہیت کا عقیدہ اِختیار کرکے اور تثلیث کو عیسائیت کا بنیادی عقیدہ قرار دے کر اسے سلطنت میں بزور رائج کیا نیز اس نے 324م میں سابق بازنطینی

علاقے میں جدید روم کی بنیاد رکھی اور بازنطین شہر کا نام اپنے نام سے منسوب کر کے قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) رکھا۔

قسطنطین نے 360ء میں اس شہر میں ایک لکڑی کا کلیسا تعمیر کروایا جو چھٹی صدی میں جل کر خاکستر ہو گیا، پھر اسی جگہ قیصر جستینین اول نے 532ء میں ”آیا صوفیا“[1] کے نام سے ایک پختہ کلیسا تعمیر کروایا جس کی تعمیر پانچ سال دس ماہ میں مکمل ہوئی۔ اس کی تعمیر میں دس ہزار معماروں نے حصہ لیا اور اس پر دس لاکھ پاؤنڈ خرچ آیا۔ قیصر نے اس کی تعمیر میں دنیا کے متنوع سنگِ مرمر اور خاص مسالے استعمال کروائے نیز دنیا بھر کے کلیساؤں نے اس کی تعمیر میں بہت سے نوادر بطورِ نذرانہ پیش کئے۔ اس کلیسا کے سربراہ کو اسکندری اور انطاکیہ کے بطریوں کے برابر مرتبہ دیا گیا۔ بعد میں رومی حکومت مشرق اور مغرب میں تقسیم ہو گئی جو ایک دوسرے کی رقیب و حریف بھی تھی۔ مشرقی سلطنت جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا اس میں بلقان، یونان، ایشیائے کوچک، مصر اور حبشہ شامل تھے اور یہاں کا سب سے بڑا مذہبی راہ نما ”بطریرک“ کہلاتا تھا جبکہ مغربی سلطنت جو روم اور یورپ کے بیشتر علاقے پر مشتمل تھی اس کا مرکز روم تھا اور یہاں کا مذہبی پیشوا ”پوپ“ کہلاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رومی اور قسطنطنیہ کلیساؤں کے مابین دینی سربراہی کے معاملے پر اختلاف شدت اختیار کرتا چلا گیا نیز مذہبی معاملات میں بھی اختلاف کھل کر سامنے آنے لگا[2] جس کے بعد 1054م میں مشرقی اور مغربی کلیساؤں کی آپس میں جدائی ہو گئی۔ مشرقی کلیسا ”آرتھوڈکس“ جبکہ مغربی کلیسا ”کیتھولک“ کہلایا۔

چونکہ پوپ کو معصوم قرار دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے گناہوں کی معافی کا بھی اختیار حاصل تھا لہٰذا اپنے اختیارات سے غلط فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس نے سائنسی علوم پر پابندیاں لگوائیں، مذہبی ٹیکس لگائے اور مذہبی اختیارات کو ذاتی مفاد کے لئے خوب استعمال کیا جس کی وجہ سے اصلاحی تحریکات وجود میں آئیں اور پروٹسٹنٹ کے نام سے ایک نیا مکتبِ فکر ظاہر ہوا جس کا مقصد پوپ کے اختیارات کا خاتمہ اور دین پر تنقید کے حق کا حصول تھا۔

---

1 ...... جب 1453ء میں عثمانی سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا اور بازنطینیوں کو شکست ہوئی تو سلطنتِ عثمانیہ کی فوج نے استنبول پر قبضہ کیا اور اسے مسجد میں بدل دیا اور جب سلطنتِ عثمانیہ ختم ہوئی تو اسے عجائب گھر بنا دیا گیا۔ 10 جولائی 2020ء کو ترکی کے صدر رجب طیب اردوغان نے ”آیا صوفیا“ کو دوبارہ مسجد کے طور پر بحال کرنے کا حکم دیا اور یہ اب تک الحمد للہ مسجد ہی ہے۔

2 ...... رومی اور قسطنطنیہ کلیساؤں کے درمیان مذہبی اختلاف ”مسئلۂ تثلیث“ کی تفصیل میں واقع ہوا۔ آرتھوڈکس چرچ کا یہ عقیدہ تھا کہ روح القدس کا ”اقنوم“ صرف باپ کے اقنوم سے بیٹے کے اقنوم کے واسطے سے نکلا تھا اس کے برخلاف کیتھولک چرچ کے نزدیک روح القدس کا ”اقنوم“ باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا تھا۔ آرتھوڈکس چرچ کے نزدیک باپ کا رتبہ ”اقنومِ ابن“ سے بڑا تھا جبکہ کیتھولک کے نزدیک وہ دونوں برابر ہیں۔

عقائد و نظریات

عقیدۂ تثلیث (Trinity)

تثلیث کے متعلق عیسائیوں کے ہاں ایک مشہور فلسفہ ہے: ”تین ایک میں، ایک تین میں۔“ یہ فلسفہ اس عقیدے کا آئینہ دار ہے کہ خدا تین اقانیم (Persons) باپ، بیٹا اور روح القدس سے مرکب ہے۔ اس عقیدے کی تشریح و ترویج میں عیسائی علما کا اختلاف رہا ہے۔ عام عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق باپ، بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام خدا ہے۔ باپ سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے، بیٹے سے مراد خدا کی صفتِ کلام (Word of God) ہے جو مجسم صورت میں زمین پر آکر تمام انسانوں کی نجات کا سبب بنی اور روح القدس سے مراد ان دونوں کے درمیان محبت کی صفت ہے البتہ بعض عیسائی کنواری پاک مریم کو تیسرا اقنوم مانتے ہیں۔ بہر حال اس عقیدے کے مطابق باپ الگ خدا، بیٹا الگ خدا اور روح القدس الگ خدا لیکن یہ تینوں، تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہیں۔ عیسائی حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو خدا کا انسانی وجود مانتے اور انہیں خدا قرار دیتے ہیں۔

صلیب

عیسائی عقائد کے مطابق حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو صلیب پر پھانسی دے دی گئی جس سے ان کی موت واقع ہوئی البتہ اس ضمن میں ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ عیسائیوں کے مطابق یہ پھانسی خدا کو نہیں دی گئی بلکہ خدا کے انسانی مظہر یسوع کو دی گئی جو کہ ایک مخلوق تھے۔

چونکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو مصلوب کیا گیا ہے، اسی وجہ سے عیسائیت میں صلیب کا نشان (✝) انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ہمیں تاریخ میں اس علامت کا ثبوت عیسائیت کے حوالے سے دوسری صدی تک نہیں ملتا البتہ قدیم تاریخ میں ہند، یونان، مصر، چین اور وسطی امریکہ کے لوگوں میں یہ علامت کچھ بدلی ہوئی صورت میں ملتی ہے۔

حیاتِ ثانیہ

یہ عقیدہ دراصل عقیدۂ مصلوبیت کی ہی ایک کڑی ہے اور یہ عقیدہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ جب حضرتِ مسیح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مصلوب ہونے کے بعد دفن کئے گئے تو تین دن بعد پھر سے زندہ ہو گئے اور حواریوں کو کچھ ہدایات دینے کے بعد آسمان پر لوٹ گئے۔ اب وہ ایک خاص وقت میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔

کفّارہ

عقیدۂ کفّارہ عیسائیت کی بنیاد ہے۔عیسائیت کے علمِ عقائد میں کفارہ سے مراد یہ ہے کہ حضرتِ آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام وحوا رضی اللہ عنہا نے شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا کر جو گناہ (Original Sin) کیا تھا[1] اس کی وجہ سے ہر انسان اس گناہ کا بوجھ لے کر پیدا ہوتا ہے۔یسوع مسیح نے صلیب پر جان کی قربانی دے کر تمام بنی آدم کو نہ صرف اس گناہ بلکہ تمام گناہوں کے بوجھ سے نجات دی ہے۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضرتِ مسیح علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام نے انسانیت کے تمام گناہوں کا کفّارہ ادا کر دیا ہے بلکہ یہ صرف اس کی ابتدا اور کئی گناہوں کے بوجھ کا کفارہ ہے۔[2]

فرقے

عیسائیت کی تاریخ پڑھنے والا اس حقیقت تک پہنچنے میں کوئی مشکل محسوس نہیں کرتا کہ اس مذہب میں کئی فرقے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ اگر کسی مقام پر مختلف الخیال عیسائیوں کا اجتماع ہو اور وہ باہمی اختلاف کو دور کرنے کے لئے بحث ومناظرہ کریں تو کوئی بات طے ہونے کی بجائے جب وہ مجلس کے اختتام پر اُٹھیں گے تو کئی اور فرقے بن چکے ہوں گے اور اُن میں سے ہر ایک دوسرے پر لعنت کرتا ہوا اُٹھے گا۔بہر حال نصاریٰ کے بہتّر (72) فرقے ہوئے ہیں جن میں سے بڑے اور مشہور فرقے تین ہیں: ملکانیہ، نسطوریہ اور یعقوبیہ۔

موجودہ دور میں بھی عیسائیوں کے تین فرقے تعداد کے لحاظ سے بڑے اور مشہور ہیں: کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈکس۔یہ تینوں فرقے عیسائیت کے بنیادی مسائل یعنی تثلیث، حلول، مصلوبیت اور کفّارہ میں تو بالعموم متفق ہیں لیکن حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی حیثیت کے بارے میں باہم اختلاف رکھتے ہیں چنانچہ کوئی انہیں خدا کہتا ہے تو کوئی خدا

---

1 ......یاد رکھیے! اسلام میں عصمتِ انبیا کے اعتقاد کی وجہ سے حضرتِ آدم علیہ السّلام کا پھل کھانا کسی قسم کا گناہ نہیں تھا۔اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مسلمان ہمیشہ یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کبیرہ گناہوں سے مطلقاً اور گناہِ صغیرہ کے عمداً ارتکاب اور ہر ایسے امر سے جو مخلوق کے لیے باعثِ نفرت ہو اور مخلوقِ خدا اِن کے باعث اُن سے دور بھاگے، نیز ایسے افعال سے جو وجاہت و مروت اور معززین کی شان و مرتبہ کے خلاف ہیں قبلِ نبوت اور بعدِ نبوت بالاجماع معصوم ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، 29/359-360)

2 ......انجیل مقدس، نیا عہد نامہ، ص144-145 ملتقطاً

کا بیٹا قرار دینے پر مصر نظر آتا ہے اور کسی نے اس بات کو اپنے ایمان کا جزو بنایا ہوا ہے کہ "خدا کی روح ان میں حلول کر گئی تھی۔" بہر حال موجودہ دور کے ان تین بڑے عیسائی فرقوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

کیتھولک (Catholic)

کیتھولک ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی "عام یا عالمی" کے آتے ہیں یعنی کیتھولک مسلک ہی عالمی عیسائی مذہب ہے، مغرب میں موجودہ عام عیسائی اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اسے مغربی کلیسا بھی کہا جاتا ہے نیز چونکہ پطرس کو اس کا بانی قرار دیا جاتا ہے اس لئے اس کو پطرس کا کلیسا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کلیسا رومی پوپ کا پیروکار ہے۔ کیتھولک فرقہ بھی باقی عیسائی فرقوں کی طرح ایک ایسے اللہ پر ایمان رکھتا ہے جو تین اَقانیم (یعنی اَب، اِبن اور روحُ القُدُس) سے مرکب ہے۔ اس فرقے کے نزدیک روح القدس کا ظہور باپ اور بیٹے دونوں سے ہوا ہے اور حضرتِ سَیِّدُنا عیسیٰ علیہ الصّلوۃُ والسّلام نے انسانیت کو موروثی غلطی سے پاک کرنے کے لئے تختہ دار پر چڑھ کر کفّارہ ادا کیا۔ یورپی تاریخ کے مختلف واقعات میں اس فرقے کا بڑا کردار رہا ہے۔ بادشاہوں اور کلیسا کی لڑائی کے نتیجے میں اس فرقے میں نئے عقائد کا ظہور ہوا جیسے پوپ کا معصوم عن الخطاء ہونا اور اس کی مشیت کا مشیتِ الٰہی اور فیصلۂ الٰہی ہونا جس کی پیروی ہر عیسائی پر واجب قرار دی گئی چنانچہ پوپ انوسینٹ چہارم نے اپنے اس عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس منصب کو سیاسی و دنیاوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا جس کے باعث اس کے زمانے میں مغفرت ناموں کی تجارت عام ہو گئی اور مخالف فرقوں کے اَفراد کو زندہ جلا کر اذیت رسانی کی انتہا کر دی گئی۔ اس کے بعد والے پاپاؤں نے ان بد عنوانیوں کو لامتناہی بنا دیا۔ اس کلیسا نے اگرچہ رہبانیت (یعنی ترکِ دنیا) کے دعوے کئے لیکن اس کے اَفراد فحاشی، بدکاری اور مختلف جرائم میں ملوث پائے گئے۔ رہبانیت نے یورپ میں خاندانی زندگی کو تباہ کر دیا۔ صلیبی جنگوں میں یورپی اقوام کا مسلمانوں سے اختلاط ہوا تو اس کے نتیجے میں سائنسی تحریکات کا آغاز ہوا جس سے صنعتی انقلاب پیدا ہوا۔ کلیسا نے تفتیشی عدالتوں کے ذریعے سائنسدانوں کو سخت اذیت ناک سزائیں دلوائیں جس کی وجہ سے کلیسا کے خلاف تحریکات کا آغاز ہوا یہاں تک کہ کلیسا اور مذہب کو ریاست سے مکمل طور پر علیحدہ کر دیا گیا۔

پروٹسٹنٹ (Protestant)

پروٹسٹنٹ لفظ کے معنی "احتجاج کرنے والا" ہے۔ چونکہ اس فرقے کے ماننے والوں نے کیتھولک چرچ کی بدعنوانیوں اور مغفرت ناموں کی تجارت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی اس لئے اسے پروٹسٹنٹ کہا جانے لگا۔ اسے "انجیلی

فرقہ" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ صرف انجیل کا پیروکار ہے۔اس فرقے کا کہنا ہے کہ ہر عیسائی کو انجیل سمجھنے کا حق ہے نہ کہ صرف پادریوں کو یعنی وہ پاپاؤں کی طرف کسی حاجت و مراجعت کے بغیر خود ہی اسے سمجھ سکتے ہیں۔یہ فرقہ 16 ویں صدی کے شروع میں وجود میں آیا اور مارٹن لوتھر (1483م) اس کا اصلِ محرک ہے۔یہ فرقہ مغربی کلیسا (کیتھولک) کے انجیل مخالف اقدامات کے خلاف احتجاج کے طور پر اُبھرا، ان کے نزدیک اہلِ کلیسا کو گناہوں کی بخشش کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ ہی یہ راہب بننے کی ضرورت کے قائل ہیں۔پروٹسٹنٹ فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے دین داروں کے لئے نکاح جائز قرار دیا اور وہ گرجوں میں سجدہ کرنے کے لئے تصویریں اور مورتیاں رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ پروٹسٹنٹ فرقہ جرمنی، ہالینڈ، برطانیہ، امریکہ، سوئٹزرلینڈ اور ڈنمارک میں بہت پھیلا ہوا ہے جبکہ باقی ریاستوں میں اس کی اقلیتیں ہیں۔پاکستان میں رہنے والے اکثر عیسائی پروٹسٹنٹ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

آرتھوڈکس

آرتھوڈکس ایک یونانی لفظ ہے جو دو لفظوں سے مرکب ہے۔پہلا Ortho بمعنیٰ "حق" اور دوسرا Doxa بمعنیٰ "مسلک (یعنی مسلکِ حق)۔" اس فرقے کے کلیسا کو "مشرقی اور یونانی فرقہ" کہا جاتا ہے کیونکہ اس فرقہ کے اکثر پیروکار رُوم کے مشرقی مقبوضات اور مشرقی ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔یہ فرقہ 1054م میں مغربی کیتھولک فرقے سے جدا ہوا۔ آرتھوڈکس فرقے کے ماننے والے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ "روح القدس" کا ظہور صرف خدا باپ سے ہوا ہے اور خدا بیٹے سے پیدا نہیں ہوا اور ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ معبود باپ معبود بیٹے سے افضل ہے۔یاد رہے! انیسویں صدی کے آخر میں آرتھوڈکس فرقے کی نمائندگی قسطنطینی کلیسے اور مصری یا قبطی کلیسے کے پاس تھی بعد میں دونوں کلیساؤں میں جدائی ہوگئی۔اسلامی فتوحات کے بعد مصری کلیسے سے تعلق رکھنے والے لوگ اسلام سے متاثر ہو کر کثرت سے اسلام میں داخل ہوئے۔1453ء میں مسلمانوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ کی فتح کے بعد روسی کلیسا نے اپنے آپ کو آرتھوڈکس فرقے کا اصل جانشین قرار دیا۔یونانی آرتھوڈکس فرقے کی کلیسائیں ترکی، یونان، روس، بلقان اور جزائر بحرِ ابیض وغیرہ میں پھیلی ہوئی ہیں جبکہ مصری کلیسا کی پیروی کرنے والی کلیسائیں کینیا، لیبیا، الجزائر، کویت، عراق، امارات، دبئی، ابوظہبی، بحرین، شام، فلسطین، اردن، لبنان، شمالی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور کچھ یورپی ممالک میں ہیں۔

مذہبی کتابیں

عیسائیوں کی مقدس کتابیں جو الہامی خیال کی جاتی ہیں دو حصوں پر مشتمل ہیں: عہد نامہ قدیم و عتیق اور عہد نامہ جدید۔

عہد نامہ قدیم و عتیق (Old Testament)

عہد نامہ قدیم و عتیق (بائبل حصہ اول) یہودیوں اور عیسائیوں میں مشترک ہے۔ اس میں کل 39 کتابیں ہیں تاہم عیسائیت کا ایک فرقہ پروٹسٹنٹ ان میں سے سات کتابوں کو جعلی قرار دیتا ہے۔ عہد نامہ قدیم کا تعلق زمانۂ قبل اَز مسیح سے ہے اور اس میں حضرتِ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے منسوب کتاب تورات کے علاوہ بنی اسرائیل کے دیگر انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحائف شامل ہیں۔ بائبل کا یہ حصہ تخلیقِ کائنات سے لے کر حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ولادت سے پہلے تک کے واقعات و حالات پر مشتمل ہے۔

عہد نامہ جدید (New Testament)

عہد نامہ جدید (بائبل حصہ دوم) میں ستائیس کتابیں شامل ہیں جن کا مجموعہ چار اناجیل، رسولوں کے اعمال اور دیگر کتب و خطوط ہے۔ چار اناجیل یہ ہیں: (1) انجیلِ متّی (2) انجیلِ مرقس (3) انجیلِ لوقا (4) انجیلِ یوحنا۔ جبکہ "رسولوں کے اعمال" میں حواریوں کے کارنامے اور اس کے علاوہ کچھ خطوط ہیں جو پال اور دیگر شخصیات نے لکھے ہیں، اس کا مصنف لوقا ہے جو پولس کا شاگرد اور ساتھی تھا۔ اس کے علاوہ 13 کتابیں اور دیگر خطوط بھی ہیں۔ عہد نامہ جدید کا یہ مجموعہ پانچویں صدی کے بالکل اَواخر میں اس وقت کے پوپ کی طرف سے مستند قرار دیا گیا تھا۔ ان کتابوں میں سے چونکہ چار انجیلوں کو حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ باقی کتابیں الہامی نہیں، اگرچہ عیسائی لوگ انہیں بھی پولس یا دوسرے لوگوں کا الہام کہیں نیز ان پر اس قدر اعتراضات و شکوک خود عیسائی مصنفین کی طرف سے وارد کئے گئے ہیں کہ ان کی مستند حیثیت باقی نہیں رہتی۔

اناجیلِ اربعہ (Gospels)

اناجیلِ اربعہ پر گفتگو کرنے سے قبل اگر درج ذیل چند باتوں پر توجہ رہے گی تو ان کی حقیقت سمجھنے میں مدد ملے گی:

(1) اناجیل کی حیثیت (2) مصنفین کے نام و زمانہ (3) زبان

(4) تعداد (5) تضاد (6) تحریف

(7) قرآنِ مجید کی روشنی میں اناجیل (8) مسیح پادریوں کا غیر محرف ہونے پر پروپیگنڈہ

یاد رہے! اناجیل کی حیثیت حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی سوانحِ عمری کی ہے، خدا کی نازل کردہ وحی کی نہیں۔ ان میں حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا نسب نامہ، بچپن، لڑکپن، جوانی، بعثت اور پھر پیغمبرانہ کارنامے بیان کرکے آخر میں ان کی سولی، موت، دفن اور پھر قبر سے غائب ہونے تک کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اناجیل کے مصنفین مجہول الحال اشخاص ہیں اور ان کا زمانۂ تصنیف بھی اندازے سے متعین کیا گیا ہے۔ یہ کتابیں حضرتِ عیسیٰ کی زبان "سریانی یا آرامی" میں نہیں بلکہ یونانی میں لکھی گئیں اور پھر یونانی سے دوسری زبانوں میں ترجمے کئے گئے۔ موجودہ اناجیل اصل یونانی اناجیل نہیں بلکہ ان کا ترجمہ در ترجمہ ہیں۔ حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسلام پر نازل شدہ انجیل صرف ایک تھی اس کے بعد بے شمار انجیلیں لکھی گئیں جن میں سے اناجیلِ اربعہ کو چوتھی صدی میں نیقیہ کونسل نے اٹکل اور قرعہ اندازی سے منتخب کیا، ان چاروں انجیلوں میں بھی بے شمار اختلافات موجود ہیں یہاں تک کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے نسب نامے، پہاڑی کے وعظ اور صلیب کے واقعات میں بھی باہمی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یاد رہے! انجیلوں میں ہمیشہ تحریف ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہو رہی ہے، تقریباً ہر ایڈیشن میں کمی بیشی اور اصلاح کا سلسلہ جاری رہتا ہے لہٰذا جس انجیل کو قرآنِ مجید نے خدا کا کلام فرمایا ہے یہ وہ اناجیل نہیں بلکہ خود عیسائی علماء و فضلا کو بھی یہ حقیقت معلوم ہے اگرچہ وہ اسلام سے تعصب اور عداوت کی وجہ سے اس حقیقت کا اظہار نہیں کرتے۔ جو مسیح پادری بائبل یا انجیل کے غیر محرف اور محفوظ ہونے کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں وہ محض جہالت کی بنا پر ایسا کرتے ہیں ورنہ پڑھے لکھے عیسائیوں کی تصنیفات میں بائبل اور انجیل کے محرف اور غیر محفوظ ہونے پر دلائل و شواہد موجود ہیں۔

انجیلِ متّٰی

اس انجیل کا مؤلف عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے بارہ شاگردوں میں سے ایک شاگرد "متیٰ حواری" ہے۔ انجیل متّٰی کی تاریخ و تدوین کے بارے میں خود عیسائیوں میں اختلاف ہے، بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ 41ء کی تالیف ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ یہ شہنشاہ "قلودیوس" کے دور میں لکھی گئی لیکن وہ سنِ تالیف کی تعیین نہیں کرتے اور یہ بات معلوم ہے کہ قلودیوس نے چودہ سال حکمرانی کی۔ ہورن کہتا ہے کہ یہ 37 یا 38 عیسوی یا 41، 43، یا 48 عیسوی یا 61، 62، 63 یا 64 عیسوی میں لکھی گئی۔

یہ انجیل کس زبان میں لکھی گئی اس میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ عبرانی میں لکھی گئی، بعض کا خیال ہے کہ سریانی میں لکھی گئی اور بعض کہتے ہیں کہ یونانی زبان میں لکھی گئی البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ یونانی زبان میں مشہور ہوئی لیکن

یونانی میں منتقل کرنے والے اس کے مترجم کے بارے میں اختلاف ہے۔

انجیلِ مرقس

اس انجیل کا مؤلف مرقس اصلاً یہودی ہے۔ حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کے وقت مرقس کا خاندان یروشلم ہی میں مقیم تھا لیکن وہ حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوارییں میں سے نہیں تھا بلکہ آپ کے بڑے حواری پطرس کا شاگرد تھا۔ اسی طرح اس نے اپنے ماموں برناباس کی شاگردی بھی اختیار کی تھی۔ مرقس نے یہ انجیل یونانی زبان میں شہنشاہ نیرون کے دور میں اہلِ روم کے مطالبہ پر لکھی۔ مرقس اور ان کا استاد پطرس دونوں حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی الوہیت کے منکر تھے۔

انجیلِ لوقا

اس انجیل کا مؤلف نہ تو حوارییں میں سے تھا اور نہ ان کے شاگردوں میں سے بلکہ صرف پولس کا شاگرد تھا۔ عیسائیت کے مؤرخین نے اس انجیل کی تاریخِ تدوین میں بھی اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض نے کہا ہے کہ یہ 53ء یا 63ء یا 68ء یا 84ء میں لکھی گئی جبکہ بعض نے کچھ اور بتایا ہے۔

انجیلِ یوحنا

اس انجیل کا مؤلف عیسائیوں کے ہاں بہت زیادہ مختلف فیہ ہے۔ بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایک حواری یوحنا بن زبدی صیاد ہے اور بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اور یوحنا ہے جس کا پہلے یوحنا حواری سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بعض نصاریٰ کہتے ہیں کہ پوری انجیلِ یوحنا اسکندریہ کے مدرسہ کے طلبا میں سے ایک طالبِ علم کی تصنیف ہے جیسا کہ برطانیہ کے انسائیکلوپیڈیا میں ذکر ہے جس کی تالیف میں پانچ سو علمائے نصاریٰ شریک ہوئے تھے۔ یہ انجیل 90 یا 97 عیسوی اور بعض کا خیال ہے کہ 68 یا 70 یا 89 عیسوی میں لکھی گئی۔ عام عیسائی مؤرخین ثابت کرتے ہیں کہ انجیلِ یوحنا ہی وہ اکیلی انجیل ہے جو الوہیتِ مسیح کو صراحت سے بیان کرتی ہے۔

انجیل برناباس کا تعارف

انہی کتابوں میں سے ایک برناباس کی انجیل بھی تھی۔ برناباس وہ شخص تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گنے چنے حواریوں میں شامل تھے، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہِ راست فیض پایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں

نے اپنی یادداشتوں کو جمع کر کے ایک کتاب ترتیب دی تھی جسے ”گوسپل آف برناباس“ کہا جاتا ہے۔عیسائیوں نے چار انجیلوں کے علاوہ بقیہ انجیلوں کو مستند تسلیم نہ کیا۔تقریباً ڈھائی سو سال پہلے انجیلِ برناباس کا پرانا نسخہ ملا جس نے عیسائی مذہب کو ہلا کر رکھ دیا۔عیسائیوں میں اس کے متعلق بحث و مباحثہ شروع ہو گیا۔اس کتاب میں کئی ایسی باتیں تھیں جس سے اسلام کی حقانیت اور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلّم کا آخری نبی ہونا ثابت تھا اس لئے عیسائیوں نے اسے غیر مستند انجیل قرار دے دیا بلکہ یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ کسی مسلمان نے لکھی ہے جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ برناباس حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خاص حواری تھے اور ان کی لکھی ہوئی انجیل ان کے اپنے ہی پادریوں سے دریافت ہوئی ہے اور عیسائیوں کے قدیم ماخذ میں برناباس کی انجیل کا تذکرہ ملتا ہے جس کی تمام تفصیل موجود ہے۔

عبادات و رُسومات

عیسائیوں کے ہاں متعدد عبادات اور مقدس رسوم (Sacraments) انجام دی جاتی ہیں جن میں نماز نمایاں ہے۔کیتھولک حضرات کے ہاں سات رسوم انجام دی جاتی ہیں جبکہ پروٹسٹنٹ حضرات بھی ان میں سے بعض رسموں کو انجام دیتے ہیں۔

کلیسا میں عبادت

حمد خوانی اہلِ کلیسا کی ایک اہم عبادت ہے۔اس عبادت کو بجالانے کے لئے لوگ ہر روز صبح شام کلیسا میں جمع ہوتے ہیں،ایک شخص بائبل کی تلاوت کرتا ہے،دورانِ تلاوت تمام حاضرین احتراماً کھڑے رہتے ہیں،اس موقع پر دعا مانگتے ہوئے رونا اور گڑگڑانا پسندیدہ فعل سمجھا جاتا ہے۔عیسائیت کے فرقوں میں عبادات کی ادائیگی کے متعلق کافی فرق پایا جاتا ہے لیکن چند خصائص تقریباً سبھی فرقوں کی عبادات میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ اتوار کے دن چرچ میں جمع ہونا، بائبل کی تلاوت،بپتسمہ اور خطبہ۔دورِ جدید میں کئی گرجاگھروں میں موسیقی کا اہتمام بھی ہوتا ہے جس میں حمدیہ گیت گائے جاتے ہیں اور حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شان میں نعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

رہبانیت (Asceticism)

رہبانیت وہ نظریہ ہے جس کے مطابق انسانی جسم شر کا منبع اور رُوح پاک و مقدس ہے۔اس نظریے کی رو سے انسان اپنی جسمانی ضروریات اور خواہشات کو زیادہ سے زیادہ مسل کر روحانیت کے اعلیٰ مراتب طے کر سکتا ہے۔رہبانیت کا تصور عیسائیت کے علاوہ قدیم زمانے کے بیشتر مذاہب مثلاً ہندو مت اور بدھ مت میں بھی پایا جاتا ہے۔

بپتسمہ (Baptisma)

اس کے لغوی معنٰی "پانی سے دھونے" کے ہیں۔ یہ عمل درحقیقت گناہ گاروں کے جسموں کو پاک وصاف کرنے کا رَمز ہے جس سے توبہ وانابت کی جانب میلان ہوتا ہے۔

بپتسمہ کی اہمیت

بپتسمہ عیسائیت میں اتنا اہم ہے کہ اس میں دخول کے لئے اس رسم کی ادائیگی ضروری ہے اس کے بغیر کسی کو عیسائی نہیں کہا جاسکتا خواہ اس کے والدین عیسائی ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع کے واسطے ایک بار مرکر دوبارہ زندگی پاتا ہے اور یہ موت درحقیقت اس کے گناہوں کی سزا ہوتی ہے اس کے بعد انسان گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

بپتسمہ کا طریقہ کار

بپتسمہ کا مخصوص طریقہ یہ ہے کہ عیسائیت میں داخل ہونے والے شخص کو ایک کمرے میں لے جاکر اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا منہ مغرب کی طرف ہوتا ہے، اس کے بعد وہ اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے: اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے عمل سے دستبردار ہوتا ہوں، پھر وہ مشرق کی طرف منہ کرکے اپنی زبان سے عیسائی عقائد کا اِقرار واِعتراف کرتا ہے۔ اس کے بعد اسے ایک اور بند کمرے میں لے جایا جاتا ہے جہاں اس کے تمام کپڑے اُتار کر اسے مکمل برہنہ کردیا جاتا ہے اور سر سے لے کر پاؤں تک دم کیا ہوا تیل اس کے جسم پر ملا جاتا ہے، پھر اسے ایک حوض میں ڈال کر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر عیسائی تفصیلات کے مطابق ایمان رکھتا ہے یا نہیں؟ جواب اثبات میں پاکر اسے حوض سے نکال کر سفید کپڑے پہنائے جاتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ بندہ اب گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو گیا ہے جیسے یہ سفید کپڑا، اس کے بعد اس شخص کو جلوس کی صورت میں کلیسا لے جایا جاتا ہے۔

نوٹ: اس رسم کی ادائیگی کا کوئی وقت متعین نہیں زندگی کے کسی بھی مرحلے میں یہ رسم انجام دی جاسکتی ہے۔

عشائے ربانی (Eucharist)

عشائے ربانی سے مراد حضرت عیسٰی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا اپنے شاگردوں کے ساتھ عشا کا کھانا تناول فرمانا ہے جس کی تاریخ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرتِ عیسٰی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مزعومہ گرفتاری سے ایک دن پہلے اپنے حواریوں کے ساتھ

عشا کا کھانا کھایا تھا جس کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ انجیلِ متیٰ میں ہے: ”جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع مسیح نے روٹی لی، برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا: لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے۔ پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا: تم سب اس میں سے پیو کیونکہ یہ میرے عہد کا وہ خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔“[1] انجیلِ لوقا میں ہے: ”میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو۔“[2]

عشائے ربانی کا طریقۂ کار

اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ اتوار کے دن سب لوگ کلیساؤں میں حاضری دیتے ہیں اور ایک دوسرے کا بوسہ لے کر مبارک باد دیتے ہیں، اس کے بعد روٹی اور شراب لائی جاتی ہے پھر پادری دعا کرتا ہے اور حاضرین آمین کہتے رہتے ہیں، اس روٹی کو کھاتے اور شراب پیتے ہوئے عیسائیوں کے ذہنوں میں یہ عقیدہ تازہ ہوتا ہے کہ روٹی ان کے جزوِ بدن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور شراب ان کے خون میں بدل جاتی ہے۔

نوٹ: عشائے ربانی میں شرکت بس وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں بپتسمہ دیا جا چکا ہو۔ یاد رہے! دائرۂ عیسائیت میں داخل ہونے کے بعد ادا کی جانے والی رسوم میں سے یہ ایک انتہائی اہم رسم ہے بلکہ ہر اتوار کو اس رسم کی ادائیگی کو واجب قرار دیا گیا ہے۔

اعتراف، توبہ اور کفارہ (Confession / Repent / Atonement)

کیتھولک چرچ کے مطابق سال میں کم از کم ایک مرتبہ اِقرارِ گناہ و توبہ کرنا ضروری ہے۔ اس عمل میں عیسائی محض چرچ میں پادری (جنہیں فادر کہا جاتا ہے) کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے اور معافی مانگتا ہے، اس دوران دونوں کے درمیان پردہ وغیرہ کوئی آڑ حائل ہوتی ہے۔ اعتراف کے بعد پادری آئندہ کے لئے گناہوں کے معترف شخص کی راہ نمائی کرتا ہے۔ آخر میں فادر اس شخص کو دعائیں دیتا ہے اور اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اب وہ بیان کردہ گناہوں سے پاک ہو چکا ہے۔

بیماروں کا مسح (Anointing of the Sick)

کیتھولک عیسائیوں کے ہاں یہ رسم بیماروں کے ساتھ ادا ہوتی ہے۔ بائبل سے مقدس کلمات پڑھتے ہوئے سر اور

---

1 ...... انجیل متی، ص 26-22

2 ...... انجیل لوقا، ص 9-22

ہاتھوں پر زیتون کا تیل لگایا جاتا ہے اور مریض کی شفایابی کے لیے دعا کی جاتی ہے۔ اگر مریض نے گناہوں کا اعتراف (Confession of Sins) نہ کیا ہو تو اسے مقدس تیل اور دعاؤں کی بناء پر گناہوں سے پاک سمجھا جاتا ہے۔

شادی

شادی کا کیتھولک چرچ میں ہونا ایک مقدس فریضہ سمجھا جاتا ہے تاہم عیسائیوں کے یہاں شادی ایک ایسا رشتہ ہے جس سے کسی بھی صورت خلاصی ممکن نہیں۔ اسی بناپر کیتھولک عیسائیوں کے ہاں بعض مخصوص وجوہات کے علاوہ طلاق دینے کو ناجائز سمجھا جاتا ہے۔

تہوار

عیسائیوں کے مختلف تہواروں میں تین مواقع انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جن کی مختصر وضاحت حسبِ ذیل ہے:

اتوار کا دن

انگریزی میں اتوار کو "سنڈے" کہتے ہیں، "سن" کا مطلب ہے "سورج" اور ڈے کا معنٰی ہے "دن" یوں سنڈے کا معنٰی ہوا "سورج کا دن۔" اصل میں یونانی مشرکوں کے یہاں یہ دن سورج کی پوجا کے لئے مقرر تھا، اسی طرح ہندو بھی اتوار کو سورج کی پوجا کے لئے خاص رکھتے تھے، ان کی دیکھا دیکھی عیسائیوں نے بھی اسے مقدس سمجھنا شروع کر دیا اور اب یہ ان کے یہاں ایک مقدس دن اور تہوار کا موقع ہوتا ہے۔

کرسمس

عیسائی تہواروں میں یہ دن ایسا ہی مقدس سمجھا جاتا ہے جیسے مسلمانوں میں عید کا دن کیونکہ یہ عیسائیوں کا سالانہ تہوار ہے جو 25 دسمبر کو حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سالگرہ کے طور پر منایا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس تاریخ کو حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ولادت ہوئی تھی، اسی خوشی میں کیک کاٹے جاتے ہیں اور مختلف طریقوں سے خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

ایسٹر

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو جب سولی پر چڑھا دیا گیا تو وہ تین دن بعد دوبارہ زندہ ہو گئے تھے اور چونکہ یہ 21 مارچ کی تاریخ تھی اس لئے اس خوشی میں عیسائی 21 مارچ کو یا پھر اس کے فوراً بعد آنے والی اتوار کو یہ

تہوار مناتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ وہی دن ہے جسے ایرانی "نوروز" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ہندو اسے "بنت" کا موقع قرار دیتے ہیں۔ مصر اور آئرلینڈ کے لوگ "ایسٹر" کو "آسٹر" کہتے ہیں جس کا مطلب "بہار کی دیوی" ہے۔ اس اعتبار سے ان کے یہاں "بہار کی دیوی" کی تقریب ہوتی ہے۔

عیسائیت اور اِسلام کا تقابلی جائزہ

اس وقت دنیا میں بے شمار آسمانی و غیر آسمانی مذاہب پائے جاتے ہیں جن کی اپنی اپنی تہذیب و ثقافت اور زندگی گزارنے کے لئے تعلیمات ہیں لیکن اسلامی تعلیمات ان تمام مذاہب کی تعلیمات سے زیادہ جامع، معتدل، روشن اور عدل وانصاف کے تقاضوں پر پورا اُترنے والی ہیں۔ انہی مذاہب میں سے ایک عیسائیت بھی ہے۔ اگر اسلام اور عیسائیت کا باہم تقابل کیا جائے تو اسلام ہی کو ہر اعتبار سے فوقیت حاصل ہے کیونکہ موجودہ عیسائیت خرافات اور من گھڑت تعلیمات کا مجموعہ بن چکی ہے۔ اگرچہ دونوں ادیان کی تعلیمات مبنی بر حقیقت ہیں اور نظریات و افکار کی عکاسی درست سمت کرتی ہیں مگر افسوس عیسائی Popes اور پادریوں نے عیسائیت میں ترامیم کرکے اس کی اصل تعلیمات کو مسخ شدہ صورت میں لوگوں پر پیش کیا۔ انہی خرابیوں میں سے ایک بڑی خرابی عقیدۂ توحید کے متعلق بھی پائی جاتی ہے۔ یاد رہے! حضرتِ عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور انجیل کی تعلیمات کی بنیاد عقیدۂ توحید پر تھی مگر اب نہ یہ تعلیمات باقی ہیں اور نہ ہی سماوی انجیل کا وجود کیونکہ بعد کے زمانے میں عیسائی پیشواؤں نے اس میں اس قدر تحریفات کیں کہ زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں ہی انجیل کی کم و بیش 30 سے زائد قسم کی تحریفات ملتی تھیں۔

عقیدۂ تثلیث

موجودہ عیسائیت عقیدۂ تثلیث (یعنی تین ایک میں یا ایک تین میں) کے قائل ہیں۔ اس نظریے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ خدا کی ذات باپ، بیٹا اور روح القدس سے مرکب ہے۔ (1) بعض عیسائیوں نے اس عقیدے اور نظریے کی تشریح اس انداز میں بھی کی ہے کہ باپ سے مراد خدا کی ذات ہے، بیٹے سے مراد خدا کی صفتِ کلام اور روحُ القدس سے مراد ان دونوں کے درمیان محبت کی صفت ہے۔ البتہ بعض عیسائی حضرتِ مریم رضی اللہ عنہا کو باپ اور بیٹے کے ساتھ تیسرا خدا مانتے ہیں۔ الغرض عیسائیوں کے نزدیک یہ تینوں مل کر تین نہیں بلکہ ایک خدا ہیں۔

1 ...... شرح عقائد نسفیہ، ص 144

جبکہ دینِ اسلام توحید کا علمبر دار ہے اور یہ صرف اور صرف توحید کا پیغام دیتا ہے۔ قرآنِ پاک کی کئی آیات اس بات کی شاہد ہیں چنانچہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌۚ(۱) اَللّٰهُ الصَّمَدُۚ(۲) لَمْ یَلِدْ ﳔ وَ لَمْ یُوْلَدْۙ(۳) وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۠(۴) (پ۳۰، الاخلاص: ۱تا۴)

ترجَمۂ کنزُالعرفان: تم فرماؤ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور کوئی اس کے برابر نہیں۔

نیز ایک اور مقام پر اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۠(۱۶۳) (پ۲، البقرۃ: ۱۶۳)

ترجَمۂ کنزُالعرفان: اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بڑی رحمت والا، مہربان ہے۔

یاد رکھیے! مخلوق میں سے کوئی بھی ذات وصفات میں اللہ پاک جیسا نہیں ہے چنانچہ اللہ پاک کی ذات وصفات سے متعلق قرآنِ پاک میں ہے: ﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌۚ﴾ (پ۲۵، الشوریٰ: ۱۱) ”ترجَمۂ کنزُالعرفان: اس جیسا کوئی نہیں۔“

چونکہ قرآنِ مجید اللہ پاک کی ایسی کتاب ہے جس میں ذرّہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں لہٰذا مذکورہ بالا آیاتِ بیّنات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک کی ذات واحد و یکتا ہے، نہ اس کی ذات میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ ہی صفات میں۔ قرآنِ پاک جہاں توحید کا درس دیتا ہے وہیں توحید بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی نفی بھی کرتا ہے چنانچہ اسی سلسلہ میں پارہ 6 سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 72 اور 73 میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَؕ-وَ قَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْؕ-اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُؕ-وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ(۷۲) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍۘ-وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌؕ (پ۶، المائدہ: ۷۲-۷۳)

ترجَمۂ کنزُالعرفان: بے شک وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے کہا کہ اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا: اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ بیشک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں، بیشک وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے کہا: بیشک اللہ تین (معبودوں) میں سے تیسرا ہے حالانکہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی معبود ہے۔

ان آیاتِ بینات کی روشنی میں واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ قرآنِ پاک میں نہ صرف عیسائی عقیدۂ تثلیث کو رد کیا گیا ہے بلکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور جو کسی کو اللہ پاک کا شریک ٹھہرائے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

پارہ 5 سورۂ نساء کی آیت نمبر 116 میں شرک سے متعلق فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۱۶﴾ (پ۵، النساء:۱۱۶)

ترجمۂ کنز العرفان: اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں جاپڑا۔

اس آیتِ مبارکہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شرک بہت بڑی گمراہی ہے اور اللہ پاک کی بارگاہ میں شرک کے سوا ہر گناہ کی معافی ہے۔

ذریعۂ نجات / کفارہ

عیسائیوں کا ایک اہم نظریہ اور عقیدہ یہ بھی ہے کہ ہر انسان پیدائشی طور پر گناہ گار ہوتا ہے کیونکہ حضرتِ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرتِ حوا رضی اللہ عنہا سے جو لغزش ہوئی وہ فطرتاً ہر انسان میں موجود ہے جس کی وجہ سے انسان پیدا ہوتے ہی گناہ گار ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سولی پر جان دے کر تمام بنی آدم کو نہ صرف اس گناہ بلکہ تمام گناہوں کے بوجھ سے نجات عطا کی۔ (نعوذ باللہ)

اس حوالے سے اسلام کا نظریہ بڑا شاندار اور نرالا ہے چنانچہ اسلام نے نہ تو انسان کو بخشش کا یقین دلایا اور نہ بخشش سے مایوس کیا کیونکہ دونوں صورتوں میں لوگ جرم پر دلیر ہوتے ہیں۔ اسلام نے گناہوں کے سبب سخت پکڑ اور سزاؤں کا اعلان بھی کیا اور اس کے ساتھ ساتھ توبہ کی دعوت بھی دی، نیز توبہ کرنے کی صورت میں مغفرت اور بخشش کا وعدہ بھی کیا تاکہ لوگ گناہوں کے معاملے میں رَبّ تعالیٰ سے خوفزدہ رہیں اور توبہ کی صورت میں بخشش کی اُمید بھی رکھیں۔

قرآنِ پاک میں گناہ گاروں کو اُن کے گناہوں کی بخشش کی اُمید دِلائی گئی ہے چنانچہ اللہ پاک اِرشاد فرماتا ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ (پ۲۴، الزمر:۵۳)

ترجمۂ کنز العرفان: تم فرماؤ: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔

نیز ایک اور مقام پر اِرشاد فرمایا:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓىٕكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝ (پ۱۹، الفرقان:۷۰)

ترجمۂ کنز العرفان: مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

غرض کہ اسلام نے انسان کو خوف بھی دلایا ہے اور اُمید بھی اور ساتھ میں یہ حکم بھی دیا ہے کہ اگر تم گزشتہ گناہوں پر نادم ہو جاؤ اور آئندہ جرم نہ کرنے کا عہد کر لو تو اللہ پاک معاف فرمادے گا۔

اسلامی تعلیمات نہایت ہی اعلیٰ ہیں۔ یہ اسلامی قانون کتنا نفیس ہے کہ اپنی کرنی اور اپنی بھرنی ہے، کسی کو دوسرے کے گناہوں کے سبب سولی وغیرہ پر نہ چڑھایا جائے گا۔ اسلامی قوانین کی برکت سے عرب کے وحشی لوگ انسان ہی نہیں بلکہ انسان گر بن گئے اور انسانوں کی ایسی اصلاح ہوئی کہ رہتی دنیا تک اس کی مثال نہ ملے گی۔

صلیب کا عقیدہ

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ انسان پیدائشی گنہگار ہے اور یہ اَثر وراثتاً بذریعۂ نطفہ نَسلِ انسانی میں منتقل ہوتا رہا اسی لئے اللہ پاک نے حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا تاکہ وہ اس فطری گناہ کے اثر سے محفوظ رہے۔ بالآخر حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گناہ گاروں کا بوجھ اپنے سر لے کر صلیب پر موت کو قبول کیا، پھر تین دن قبر میں رہنے کے بعد آسمانوں پر اُٹھالئے گئے اور اب خدا کے دائیں ہاتھ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ خود بائبل کے خلاف ہے کیونکہ بائبل میں ہے: ”اولاد کے بدلے باپ دادا نہ مارے جائیں گے اور نہ باپ دادا کے بدلے اولاد قتل کی جائے گی۔“ جبکہ موجودہ بائبل خرافات و تجدیدات کا مجموعہ ہے۔

قرآنِ پاک میں عقیدۂ صلیب کی نفی کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ حضرتِ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام سولی پر نہ چڑھے تھے بلکہ اللہ پاک نے انہیں آسمانوں پر اُٹھالیا تھا اور اب وہ قربِ قیامت زمین پر تشریف لائیں گے چنانچہ پارہ 6 سورۂ نساء کی آیت نمبر 157 تا 159 میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ

ترجمۂ کنز العرفان: اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا حالانکہ انہوں نے نہ تو اسے قتل کیا

شُبِّهَ لَهُمْؕ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًۢاۙ(۱۵۷) بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا(۱۵۸) وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًاۚ(۱۵۹)

(پ۶، النساء:۱۵۷تا۱۵۹)

اور نہ اُسے سولی دی بلکہ ان (یہودیوں) کے لئے (عیسیٰ سے) ملتا جلتا (ایک آدمی) بنادیا گیا اور بیشک یہ (یہودی) جو اس عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں (حقیقت یہ ہے کہ) سوائے گمان کی پیروی کے ان کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں اور بیشک انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اُٹھالیا تھا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے گا اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰ) ان پر گواہ ہوں گے۔

حیاتِ ثانیہ

یہ عقیدہ دراصل عقیدۂ مصلوبیت کی ہی ایک کڑی ہے۔ یہ عقیدہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ حضرتِ مسیح علیہ الصّلٰوۃُ والسّلام مصلوب ہونے کے بعد دفن کئے گئے تو تین دن بعد پھر سے زندہ ہوگئے اور حواریوں کو کچھ ہدایات دینے کے بعد آسمان پر لوٹ گئے۔ اب وہ ایک خاص وقت میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ جبکہ اسلام نے ان کے انتقال ہی کو تسلیم نہیں کیا تو حیاتِ ثانیہ کے کیا معنیٰ؟ ہمارا عقیدہ تو قرآنِ پاک سے واضح ہے اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا(۱۵۸)﴾ (پ۶، النساء:۱۵۸) ”ترجمۂ کنز العرفان: بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اُٹھالیا تھا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔“ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ہمارا عقیدہ بہ نسبت عیسائیت کے حضرتِ سَیِّدُنا عیسیٰ علیہ الصّلٰوۃُ والسّلام کی شانِ رفیعہ سے مطابقت رکھتا ہے۔

تحریفِ کتاب

سماوی انجیل کا وجود ہی باقی نہیں ہے کیونکہ بعد کے زمانے میں عیسائی پیشواؤں نے اس میں اس قدر تحریفات کیں کہ زمانۂ نبوی میں ہی انجیل کی کم و بیش 30 سے زائد تحریفات ملتی تھیں اور ان میں اس قدر تضاد ہے کہ تطبیق ممکن نہیں۔ جبکہ مذہبِ اسلام کی بنیادی کتاب قرآنِ مجید ہر قسم کے تضاد و تحریفات سے پاک ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اس کی حفاظت کا ذِمّہ خود پروردگارِ عالَم نے لیا ہے چنانچہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ(۹)

(پ۱۴، الحجر:۹)

ترجمۂ کنز العرفان: بیشک ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بیشک ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

نکاح و طلاق

عیسائیت کی تعلیم یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو سوائے بدکاری کے کسی اور وجہ سے طلاق نہیں دے سکتا اگر دے گا تو زنا کروانے کا مجرم ٹھہرے گا، نیز کوئی دوسرا عیسائی اس چھوڑی ہوئی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور اگر کرے گا تو زانی ہو گا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ عیسائی مذہب میں بیوی کو طلاق دینے کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ بیوی زانیہ ہو، اس کے سِوا خواہ کتنی ہی نا اتفاقی ہو یا خاوند بڑے سے بڑا ظالم ہو یا پھر بیوی کیسی ہی ظالمہ ہو حتّٰی کہ بیوی کے ذریعے خاوند کی جان کو اندیشہ بھی ہو مگر وہ اُسے چھوڑ نہیں سکتا اگر چھوڑے گا تو زنا کرانے کا مجرم ٹھہرے گا۔ حرام کاری کے باعث چھوڑی ہوئی عورت سے دوسرا عیسائی نکاح کر سکتا ہے اور اسے آباد بھی کر سکتا ہے مگر کسی اور وجہ سے چھوڑی ہوئی عورت سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا وہ یونہی دھکے کھاتی پھرے، اگر کوئی اس سے نکاح کرے گا تو زانی ٹھہرے گا۔ اس قانون کی خرابی کی وجہ سے یورپی ممالک میں آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔

اس کے مقابلے میں اسلامی قانون یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے دیکھ بھال کر اچھی جگہ نکاح کیا جائے اور اس کے لئے نیک لڑکی اور نیک لڑکے کو منتخب کیا جائے جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے: ﴿وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْؕ﴾ (پ۱۸، النور: ۳۲) "ترجمۂ کنز العرفان: اور تم میں سے جو بغیر نکاح کے ہوں اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک ہیں ان کے نکاح کر دو۔" پھر اگر خاوند بیوی میں باہم جھگڑا ہو جائے تو ان میں صلح کرانے کی کوشش کی جائے اور اس سلسلے میں ایک منصف خاوند کی طرف سے اور ایک بیوی کی طرف سے مقرر کیا جائے اور پھر جہاں تک ہو سکے میاں بیوی میں ملاپ کروانے کی کوشش کی جائے چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَاۚ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَاؕ (پ۵، النساء: ۳۵)

ترجمۂ کنز العرفان: اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک منصف عورت کے گھر والوں کی طرف سے (بھیجو) یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا۔

اگر میاں بیوی میں صلح کی کوئی صورت نہ ہو سکے تو خاوند پر لازم ہے کہ بیوی کا مہر اور عدت کے زمانے کا سارا خرچہ دے کر اسے اچھے طریقے سے طلاق دے دے چنانچہ اللہ پاک اِرشاد فرماتا ہے: ﴿فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍؕ﴾

(پ۲، البقرۃ:۲۲۹) ”ترجمۂ کنز العرفان: پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا اچھے طریقے سے چھوڑ دینا ہے۔“ اس طلاق کے بعد عورت عدت گزار کر کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:﴿وَ اِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾(پ۵، النساء:۱۳۰) ”ترجمۂ کنز العرفان: اور اگر وہ (میاں بیوی) دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔“

اس کے علاوہ بچوں کو دودھ پلانا، ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کرنا وغیرہ معاملات کو قرآنِ کریم میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآنِ پاک میں خاوند بیوی کے حقوق، آپس کے تعلقات اور گھر میں رہنے سہنے کے طریقے ایسے شاندار انداز سے بیان کئے گئے ہیں کہ جو کوئی ان پر عمل کرے اس کا گھر بہشت بن جائے اور زندگی چین سے گزرے۔ یاد رہے! اسلامی قوانین قابلِ عمل بھی ہیں اور انہیں عقلِ سلیم بھی قبول کرتی ہے مگر افسوس! موجودہ انجیلوں میں ان چیزوں کا پتا تک نہیں۔

رہبانیت

عیسائیت رہبانیت پر مبنی ہے جو کہ ایک غیر فطری عمل ہے۔ رہبانیت کو چوتھی صدی عیسوی میں عیسائیت میں داخل کیا گیا اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے باقاعدہ اِدارے قائم کیے گئے اور یوں عیسائی ”راہب“ سماج کے اجتماعی فلاح و بہبود میں حصہ لینے کے بجائے الٹا اس کے کندھوں پر بوجھ بن گئے اور اب بھی بنے ہوئے ہیں۔

اِسلام رہبانیت کو ناپسند فرماتا ہے چنانچہ حضور نبیِّ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اِرشاد فرمایا: ”لَارَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ یعنی اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں۔“(1) اسلام نے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں رہ کر انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں مصروف رہتا ہے۔ اسلام نے ترکِ دنیا کی نہیں بلکہ دنیا میں رہ کر حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دے کر ایک باعمل اور ایک مفید معاشرہ پیدا کیا۔ عیسائیت چند آدمیوں کے لئے تو کماحقہ ممکن العمل تھی لیکن اکثریت ترکِ دنیا نہ کرسکنے کے سبب اس مذہب پر کماحقہ عمل پیرا ہونے سے قاصر تھی۔ اسلام نے ایک ایسا مذہب پیش کیا جو ہر فرد کے لئے ممکن العمل تھا اور جس میں ہر فردِ واحد جوابدہ ٹھہرا۔

1 ...... تفسیر روح المعانی، پ6، المائدۃ، تحت الآیۃ:82، 4/7

عیسائیت کا تنقیدی جائزہ

مذہبِ عیسائیت اللہ پاک کے پیارے پیغمبر حضرتِ سَیِّدُنا عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے منسوب ہے۔ دنیا بھر میں اس کے پیروکاروں کی تعداد تمام مذاہب سے زیادہ ہے لیکن یادرہے کہ موجودہ عیسائیت کی اصل بنیاد "پولس" نامی یہودی نے رکھی تھی اس لئے اس میں اعتقادی و عملی اعتبار سے نقائص کی بھرمار ہے اور اس کا حضرتِ سَیِّدُنا عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ جس عیسائیت کی حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے تعلیم دی تھی توحید اور ایمان بالآخرہ کی بنیاد پر عملی و اخلاقی اصلاح کی ضامن تھی جبکہ موجودہ عیسائیت میں توحید کو تثلیث و تجسیم میں بدل دیا گیا، اللہ پاک کے لئے انسانوں کو پیدا کرنے کی وجہ سے ملول اور غمزدہ ثابت کیا گیا، نعوذ باللہ خدا کے لئے تخلیقِ کائنات کے بعد تھکن کی وجہ سے آرام کرنے کو لکھا گیا اور حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو خدا کے رسول اور اصلاح کے علمبردار کے بجائے خدا اور خدا کا بیٹا مان لیا گیا۔

مذکورہ بالا خرابیوں کے علاوہ بھی موجودہ عیسائیت میں بہت سی خرابیاں درآئیں ہیں مثلاً بقول ان کے حضرتِ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قربانی کو انسانیت کے لئے بطورِ کفّارہ وجہِ نجات گردانا گیا جس کے باعث شریعت اور عمل کی اہمیت ختم ہوگئی، عقائد میں موشگافیوں کو عملی اصلاح پر ترجیح دی گئی، بائبل کی تعلیمات میں جھوٹ اور تحریف کو شامل کیا گیا جس کی وجہ سے اس کے موجودہ نسخوں میں بہت سی قسم کے تضادات و اختلافات موجود ہیں جیسا کہ ایک ہی واقعہ یا قصہ مختلف جگہوں پر مختلف افراد پر چسپاں کیا گیا جیسے بائبل میں بادشاہ کے سامنے اپنی بیوی کو بہن ظاہر کرنے والے واقعے کو حضرتِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لئے بھی بیان کیا گیا اور اسی واقعہ کو حضرتِ اسحاق علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر بھی چسپاں کیا گیا، ظلم بالائے ظلم یہ کہ مقدس ترین شخصیتوں حتّٰی کہ انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف بھی انتہائی غلیظ و رکیک اخلاق و کردار کو منسوب کیا گیا جیسے حضرتِ نوح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف مَعاذَ اللہ شراب پینے اور اپنے ڈیرے میں برہنہ ہونے اور ان کی اس کیفیت کو ان کے بیٹے حام کے دیکھنے کو منسوب کرنا، اسی طرح نعوذ باللہ حضرت لوط علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر زنا کی تہمت لگانا، یونہی حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہما الصّلوٰۃ والسّلام کے متعلق بھی نازیبا واقعات کو منسوب کرنا وغیرہ۔ یادرکھیے! ان خرابیوں کی وجہ سے مذہبِ عیسائیت میں اصلاحِ احوال کی ساری بنیادیں ختم ہوگئیں۔

اسی طرح جب "کفّارہ" پر ایمان لانے سے انسان ازلی گناہ سے پاک ہو سکتا ہے تو اب شریعت و عمل کی کچھ زیادہ

اہمیت نہیں رہتی۔یہی وجہ ہے کہ عقیدۂ کفارہ کی آڑ میں عیسائیت کی بڑی بڑی مقدس اور تاریخی شخصیات بڑے بڑے قبیح گناہوں میں ملوث نظر آتی ہیں۔ نیز جب عیسائیوں کو اپنے روز مرہ گناہوں کی معافی کے لئے اعترافِ گناہ کی سہولتیں اور معافی نامے میسر ہیں تو ان کا بدترین اخلاقی جرائم میں ملوث ہونا اور انہیں معمولی سمجھنا کوئی تعجب خیز نہیں۔ علاوہ ازیں اخلاقی بگاڑ میں رہی سہی کمی مصنوعی و غیر فطری پابندیوں نے پوری کر دی۔ پادری راہب کارڈینل اور پوپ جملہ اخلاقی بنیادوں کے منہدم ہونے اور ساری اخلاقی رکاوٹوں کے دور ہو جانے کے بعد اپنی ہی عائد کردہ تجرد کی پابندیاں نہ نبھا سکے اور اَعلیٰ و اَدنیٰ مسیح مذہبی حلقوں میں اَخلاق و کردار کے ایسے گھناؤنے نمونے دیکھے گئے کہ بہت سارے لوگ سِرے سے مذہب و اخلاق ہی کے منکر ہو گئے، ان حالات کے پیشِ نظر یہ کہنا بالکل درست ہو گا کہ پاپاؤں، راہبوں اور دوسرے مسیح پیشواؤں کا گھناؤنا کردار ان کے مذہبی نظریات و عقائد ہی کی بگاڑ کا نتیجہ ہے۔

بہر حال آج کے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے پیروکار نہیں ہیں بلکہ وہ سینٹ پال کی تعلیمات کو ماننے والے ہیں لیکن حیرت ہے اس کے باوجود وہ خود کو "پالی" کہلوانے کے بجائے "عیسائی" کہلواتے ہیں۔ یاد رہے! موجودہ عیسائیت کے ماننے والوں کے پاس ہر قسم کے مہلک ہتھیار موجود ہیں جنہیں وہ انسانیت بالخصوص مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں اور پہلے بھی کرتے رہے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا کے اسلامی ممالک کو توڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

صابئہ / مندائیہ

تعارف

صابئہ مشرق کا وہ مذہبی فرقہ ہے جو حضرتِ یحییٰ علیہ السلام کو اپنا نبی مانتا ہے۔ ستاروں کی پرستش و تعظیم بجا لانا، قطبِ شمالی کے ستارہ کی جانب رُخ کرنا اور بہتے پانی میں غوطہ لگانا ان کا اہم مذہبی فریضہ ہے۔ ان کی حقیقت کے تعلق سے متضاد آراء و افکار کتبِ تفاسیر و تواریخ میں موجود ہیں کیونکہ ان کی مذہبی کتابیں آرامی زبان میں ہیں اسی لئے ان کے متعلق بہت کم معلومات میسر آتی ہیں۔ قرآنِ مجید میں بھی اس فرقے کا ذکر موجود ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۶۲) (پ۱، البقرۃ:۶۲)

ترجَمۂ کنزُ العرفان: بیشک ایمان والوں نیز یہودیوں اور عیسائیوں اور ستاروں کی پوجا کرنے والوں میں سے جو بھی سچے دل سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں تو ان کا ثواب ان کے ربّ کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیتِ کریمہ کے تحت علامہ صابونی رحمۃ اللہ علیہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مختار مذہب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”صابئین وہ لوگ ہیں جو ستاروں کی عبادت کیا کرتے تھے اس اعتقاد پر کہ اللہ پاک نے ان کو دعا کا قبلہ بنایا ہے لہٰذا بندوں کی عبادت کا قبلہ بھی یہی ہیں۔“ نیز وہ ستاروں کی عبادت اس لئے بھی کرتے تھے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ پاک نے ستاروں کو تمام جہانوں کی تدبیر سپرد کر دی ہے۔[(1)]

نوٹ: اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صابئین کا ترجمہ ”ستارہ پرست“ ذکر فرمایا ہے۔

وجہ تسمیہ

زیادہ تر اہلِ تحقیق کے نزدیک ”صابئہ“ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنیٰ ”ایک دین سے دوسرے دین کی جانب نکلنے“ کے ہیں جیسا کہ ابو اسحاق الزجاج کہتے ہیں: ”اَلصَّابِؤُوْنَ: اَلْخَارِجُوْنَ مِنْ دِیْنٍ اِلٰی دِیْنٍ یعنی صابئہ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین کو اختیار کرنے والوں کو کہتے ہیں۔“[(2)]

---

1 ...... تفسیر کبیر، پ1، البقرۃ، تحت الآیۃ:62، 3/536

2 ...... زاد المسیر فی علم التفسیر، پ1، البقرۃ، تحت الآیۃ:62، 1/73

نیز مفردات القرآن میں ہے:”قِیْلَ لِکُلِّ خَارِجٍ مِنْ دِیْنٍ اِلٰی دِیْنٍ آخَر یعنی ہر وہ شخص جو اپنا دین ومذہب چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلے اسے ”صابی“کہتے ہیں۔“(1)

بعض علما کا خیال ہے کہ شاید یہ عبرانی لفظِ ”صبع“ سے بحذفِ عین نکلا ہے جس کے لغوی معنٰی ”غوطہ دینا یا ڈبونا“ ہیں، اس لحاظ سے لفظِ ”صابی“ کے معنٰی ”اصطباغی“ہوں گے یعنی وہ جو غوطہ دے کر اصطباغ کی رسم ادا کرتے ہیں، صابئہ کے یہاں اصطباغ سب سے اہم عبادت ہے۔

صبأ کے معنٰی ”ستارہ طلوع“ ہونے کے ہیں، شاید یہ لوگ اپنی ستارہ شناسی اور معرفتِ نجوم میں مہارت کے سبب اس نام سے موسوم ہوئے ہیں۔

نوٹ: اس مذہب کے صابئہ کے علاوہ اور بھی کئی نام ہیں جو درج ذیل ہیں:

(1) مندائیہ: عربی لفظ ہے جس کے معنٰی ”معتسلہ“ ہیں۔ انہیں معتسلہ کا لقب اس لئے دیا گیا کیونکہ پانی میں غوطہ لگانا ان کے یہاں اہم ترین عبادت ہے۔

(2) مینڈین(Mandaean): آرامی لفظ ہے جس کے معنٰی ”علم والے“ ہیں۔ انہیں یہ لقب اس لئے دیا گیا کیونکہ اس مذہب کو جن لوگوں نے چار چاند لگائے وہ فنِ طب، علمِ کائنات جوئی، ہیئت اور ریاضی کے ماہر و امام تھے جیسا کہ ثابت بن قرہ جو کہ ایک ممتاز انجینئر اور جدت پسند ہیئت داں تھا، سنان بن ثابت جو کہ طبیب اور ماہرِ علمِ کائنات جوئی تھا، البتانی مشہور و معروف ہیئت داں تھا، ابو جعفر الخازن ریاضی داں اور ابن الوحشیہ (الفلاحۃ النبطیہ کا مصنف) وغیرہ، اس مذہب کی توسیع و اشاعت میں ان لوگوں کا کردار کافی اہم ہے۔

صابئہ خود کو دوسرے فرقوں کے مقابلے میں صابی کہتے ہیں اس لئے انہیں اسی نام سے موسوم کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تاریخ

یہ مشرق کا ایک قدیم ترین اور سامی مذہب ہے۔ سیّدُنا سام بن نوح علیہ السّلام کی طرف نسبت کے باعث یہ مذہب ”سامی“ کہلاتا ہے۔ چونکہ مشرقِ وسطی میں آباد قومیں سیّدُنا سام بن نوح علیہ السّلام ہی کی ذرّیت سے ہیں لہٰذا وہ مذاہب جن کا مولد و مسکن مشرقِ وسطی ہے انہیں سامی مذاہب کہا جاتا ہے جیسے اسلام، یہودیت، نصرانیت اور صابئہ۔ سامی مذہب

1 ...... مفردات القرآن، باب الصاد، ص274

کے لوگ آج بھی عراق میں پائے جاتے ہیں اور اس مذہب والوں کا دعویٰ ہے کہ ان کا دین سَیِّدُنا آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دور کا دین ہے۔ بہرحال ان کی تاریخ اوّلاً تو زیادہ میسر نہیں اور جو موجود ہے اس میں انتہا کا اختلاف ہے۔ مختصر یہ کہ شیخ عبد اللہ بن شیخ جو کہ 1969 میں بغداد میں مقیم تھا وہ ان کا روحانی پیشوا تھا۔

عقائد و نظریات

خدا کا تصور

صابئہ اس بات کے قائل ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو حکیم ہے، داغِ حدوث سے پاک ہے، اس کے جلال تک پہنچنے کے لئے ہم پر عجز کا اعتراف واجب ہے اور اس کا تقرب مقدّس و مقرّب وسیلوں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ مقرب واسطے وہ روحیں ہیں جو اپنے جوہر، افعال اور حالت کے اعتبار سے پاک اور مقدس ہیں نیز اپنے جوہر کے لحاظ سے جسمانی مواد سے پاک، قوائے طبعی سے مُبرّا اور حرکاتِ مکانی اور تغیرِ زمانی سے مُنزہ ہیں۔ صابئہ فرقے کے لوگ روحوں کو اپنا رَبّ، اپنا دیوتا اور اللہ پاک کے یہاں سفارشی اور وسیلہ مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انسان اپنی شہوانی خواہشات اور قوائے غضبیہ کو مغلوب کرکے اِن روحوں سے مناسبت پیدا کر سکتا ہے اور پھر ان کے توسط سے خالقِ کائنات سے اپنی حوائج و ضروریات مانگ سکتا ہے۔

رسالت کا تصور

صابئہ رسالت کے قائل ہیں اور وہ درج ذیل اشخاص کو اپنا پیغمبر مانتے ہیں:

(1) عاذیمون (پاکیزہ روح)   (2) ہرمس (Hermes)[1]

(3) اورفیوس (Orpheus)   (4) یحییٰ علیہ السّلام

کواکب پرستی

صابئہ اگرچہ دینِ توحید کے علمبردار تھے لیکن رفتہ رفتہ کواکب پرستی کے قائل ہو کر دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک وہ جو ستاروں کی براہِ راست پرستش کرتے تھے جنہیں معابد کہتے ہیں اور دوسرے وہ جو ہاتھ سے بنی ہوئی مورتیوں (جو ستاروں کی نمائندگی کرتی تھیں) کی پوجا کرتے تھے جنہیں انسانوں کے تعمیر کردہ معابد میں رکھا جاتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ

---

1 ...... بعض اہلِ تحقیق کے نزدیک عاذیمون سے مراد شیث علیہ السّلام اور ہرمس سے مراد ادریس علیہ السّلام ہیں۔

ستاروں کا طلوع و غروب بارش وغیرہ پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کائنات میں جو بھی حرکات و سکنات ہوتی ہیں ان میں ستاروں کا بڑا دخل ہے۔ یہ تصور عراق و حجاز میں عہدِ رسالت میں بھی پھیلا ہوا تھا جس کی تردید کرتے ہوئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے حدیبیہ میں بادل والی رات کی صبح بعد نمازِ فجر فرمایا تھا کہ اللہ پاک نے ابھی فرشتوں کے درمیان یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ "میرے بندوں نے آج صبح اس حال میں کی ہے کہ ان میں سے بعض مؤمن ہیں اور بعض کافر، جن لوگوں نے آج کی اس بارش کو ستاروں کا کرشمہ قرار دیا ہے گویا انہوں نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لائے اور جنھوں نے اسے خدا کی رحمت قرار دیا گویا وہ میری ربوبیت پر ایمان لائے اور ستاروں کی تدبیر کا انکار کیا۔"[1]

فرقے

صابئہ کے مشہور اور قدیم فرقے درج ذیل ہیں:

(1) اصحاب الروحانیات (2) اصحاب الھیاکل (3) اصحابُ الاَشخاص (4) الحلولیہ

علما کے مراتب اور ان کے فرائض

صابئین علما کے درج ذیل چھ مراتب ہیں:

(1) حلالی: اسے "الشماس" بھی کہتے ہیں، یہ جنازے کی رسموں کو انجام دیتا ہے اور ذبح کی سنتوں کو قائم کرتا ہے۔ اسے کنواری لڑکی سے شادی کا حق ہے شادی شدہ سے نہیں، اگر شادی شدہ عورت سے شادی کرے گا تو اپنے مقام کو کھو دے گا اور اسے اپنے فرائض کو انجام دینے سے روک دیا جائے گا۔ اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ حلالی خود اور اس کی بیوی 360 بار بہتی نہر میں غسل کریں گے۔

(2) الترمیدہ: حلالی جب مقدس کتابوں (ادنشماثا اور النیانی) پر عبور حاصل کرلے تو عبادت گاہ میں موجود پانی میں غسل کرے اور سات دن تک بیدار رہے یہاں تک کہ ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھ نہ جھپکے تاکہ مبادا احتلام نہ ہو جائے تو وہ حلالی کے مقام سے ترقی کرکے ترمیدہ کے مقام پر پہنچ جائے گا۔ ترمیدہ کی ذمہ داری صرف کنواری لڑکیوں کا عقد کرانا ہے۔

(3) الأبیسق: ترمیدہ اگر بیوہ عورتوں کا عقد کرائے تو وہ ترمیدہ سے اُبَیْسَق کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور پھر ہمیشہ اسی مرتبہ پر قائم رہتا ہے۔

---

[1] ...... مسلم، ص56، حدیث: 231

(4) الکنزبرا: وہ فاضل ترمیدہ جس نے کبھی بیوہ عورتوں کا عقدنہ کرایا ہو اور اپنی مذہبی کتاب "کنزاربا" یاد کرلی ہو تو وہ اِس مقام پر پہنچ جائے گا اور اسے اپنی مقدس کتاب "کنزاربا" کی تفسیر کا حق بھی حاصل ہو جائے گا نیز اسے بہت سارے اختیارات مل جائیں گے یہاں تک کہ اگر وہ اپنی قوم کے کسی فرد کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ وہ خدا کی جانب سے اپنی قوم پر وکیل بنایا جاتا ہے۔

(5) ریش آمۃ: یعنی رئیسِ اُمّت جس کا کلمہ اُمت میں نافذ العمل ہوتا ہے۔ صابئہ کے یہاں عصرِ حاضر میں کوئی راہ نما اس مقام پر نہیں پہنچ پایا کیونکہ اس مقام تک پہنچنے کے لئے وافر علم اور ممتاز قدرت وصلاحیت کی ضرورت پڑتی ہے۔

(6) الربانی: صابئہ مذہب کے مطابق اس مقام پر صرف یحییٰ علیہ السلام ہی پہنچ سکے ہیں نیز اس مقام پر بیک وقت دو افراد نہیں پہنچ سکتے۔ ربانی عالَمِ انوار میں رہتا ہے صرف اپنی اُمّت کو دین کی تعلیم دینے اور تبلیغ کرنے کے لئے زمین پر اُترتا ہے اور پھر دوبارہ اپنے نورانی عالَم میں پہنچ جاتا ہے۔

مذہبی کتابیں

صابئہ کے یہاں مقدّس کتابیں بارہ ہیں، یہ سامی زبان میں لکھی ہوئی ہیں جو سریانی زبان سے ملتی جلتی ہے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(1) کنزاربا: اس کے لغوی معنی "عظیم کتاب" کے ہیں۔ صابئہ کا اعتقاد ہے کہ یہ کتاب اصلاً آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیئے گئے آسمانی صحیفے ہیں جو کئی قسم کے عنوانات مثلاً تخلیقِ کائنات، مخلوقات کے حساب وکتاب، دعاؤں اور مختلف قصوں پر مشتمل ہیں۔ عراقی میوزیم میں اس کتاب کا مکمل نسخہ موجود ہے۔ یہ کتاب 1815ء میں "کوپنہاجن" سے اور 1867ء میں "لابیزیغ" سے شائع ہو چکی ہے۔

(2) دراشہ ادیہیا: یعنی حضرتِ یحییٰ علیہ السلام کی تعلیمات۔ یہ کتاب حضرتِ یحییٰ علیہ السلام کی سوانحِ حیات اور آپ کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔

(3) قلستا: عقدِ نکاح کی کتاب۔ اس کتاب میں عقدِ شرعی، خطبۂ نکاح اور مختلف دینی جشنوں کا بیان ہے۔

(4) سدرۃ اِدنشماثا: اس کتاب میں بپتسمہ، تدفین، سوگ کے مسائل اور روح کے عالَمِ اجساد سے عالَمِ انوار تک جانے کی کیفیت کا بیان ہے، عراقی میوزیم میں اس کا ایک جدید نسخہ پایا جاتا ہے جو مندائی زبان میں لکھا ہوا ہے۔

(5) کتاب الدیونان: اس میں مختلف قصے اور بعض روحانیوں کی سوانحِ حیات مع تصاویر درج ہے۔

(6) کتاب إسفر ملواشتہ: اس کے لغوی معنیٰ "سفر البروج" کے ہیں۔ یہ کتاب علمِ نجوم کے ذریعہ مستقبل کے امور وحادثات کی معرفت کے ذرائع اور طریقوں کے بیان پر مشتمل ہے۔

(7) کتاب النیانی: اس کے معنیٰ "ترانے اور دینی اَوراد" کے ہیں۔ عراقی میوزیم میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

(8) کتاب قماھاذ ہیقل زیوا: یہ کتاب دو سو سطروں پر مشتمل ہے، اسے حجاب بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں صابئہ کا اعتقاد ہے کہ جو شخص اس کو اُٹھائے ہوئے ہو اس پر آگ یا ہتھیار مؤثر نہیں ہوتا۔

(9) تفسیر بغرہ: یہ کتاب انسانی جسم کی ساخت اور اس کی بناوٹ پر مشتمل ہے اور اس میں ہر طبقہ کے لئے مناسب غذاؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(10) کتاب ترسسر الف شیالہ: یہ کتاب بارہ ہزار سوالات پر مشتمل ہے۔

(11) دیوان طقوس التطہیر: یہ تعمید اور بپتسمہ کے مختلف طریقوں کے بیان پر مشتمل ہے۔

(12) کتاب کداوا کدفیانا: پناہ اور تعوّذ کی کتاب۔

عبادات

مندی

صابئہ کی عبادت گاہ کو "مندی" کہتے ہیں، یہیں ان کی مقدس کتابیں رکھی جاتی ہیں اور مذہبی رہنماؤں کا بپتسمہ بھی اسی کے اندر انجام پاتا ہے۔ "مندی" کو بہتے ہوئے دریاؤں کے داہنے ساحل پر تعمیر کیا جاتا ہے اور ایک نہر دریا سے اندر لائی جاتی ہے۔ مندی میں صرف ایک ہی دروازہ جنوبی سمت میں ہوتا ہے تاکہ عبادت گاہ میں داخل ہونے والے کا رُخ قطبِ شمالی کے ستارہ کی جانب رہے۔ عبادت گاہ میں عورتیں داخل نہیں ہوسکتیں۔ عمل اور عبادت کے لمحوں کے دوران عبادت گاہ کے اوپر "حضرتِ یحییٰ علیہ السلام" کے جھنڈے کا لہرانا لازمی ہے۔

نماز

نماز دن میں تین بار طلوعِ آفتاب سے کچھ پہلے، زوالِ آفتاب کے وقت اور غروب سے چند لمحے پہلے ادا کی جاتی ہے۔ اتوار کے دن اور تہواروں کے موقع پر جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی مستحب ہے۔ یہ نماز، قیام و قعود اور رُکوع و جلسہ

پر مشتمل ہوتی ہے البتہ اس میں سجدہ نہیں کیا جاتا اور تقریباً سوا گھنٹے تک جاری رہتی ہے۔ اس میں نمازی ننگے قدم، پاک لباس میں سات مرتبہ قراءت کرتا ہے جس میں اللہ پاک سے مدد طلب کرنے کے ساتھ عالَمِ انوار سے جاملنے کی راہ آسان کرنے کی خصوصی دعا بھی شامل ہوتی ہے۔

روزہ

صابئہ روزے کو حرام مانتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک روزہ رکھنا حلال اشیا کو حرام قرار دینا ہے جو کسی انسان کے لئے جائز نہیں البتہ ان کے یہاں پہلے دو طرح کا روزہ مشروع تھا:

(1) بڑا روزہ: اس سے مراد کبائر سے اجتناب اور گندی خصلتوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔

(2) چھوٹا روزہ: اس میں وہ سال بھر میں مختلف 32 دنوں میں حلال گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ابن الندیم (385ھ) نے اپنی کتاب "الفہرست" میں اور ابن العبری (685) نے "تاریخ مختصر الدول" میں لکھا ہے کہ قدیم زمانے میں صابئہ ہر سال 30 دن روزے رکھتے تھے۔

طہارت

طہارت مرد و عورت سب پر فرض ہے اور طہارت و پاکی اسی پانی سے حاصل کی جاسکتی ہے جو اپنے طبعی و فطری منبع سے منقطع نہ ہوا ہو۔ غسلِ جنابت کا طریقہ یہ ہے کہ غسل کی نیت سے تین بار پانی میں ڈبکی لگائے اور قطب شمالی کے ستارہ کی جانب رُخ کرکے وضو کرے۔ ان کے یہاں وضو کا طریقہ مسلمانوں کے وضو سے ملتا جلتا ہے اور وضو کے دوران متعدد دعاؤں کا التزام کیا جاتا ہے۔

تہوار

عیدِ کبیر / ملک الانوار

اس دن یہ لوگ اپنے گھروں میں 36 گھنٹوں کے لئے اعتکاف میں بیٹھتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی آنکھیں نہ جھپکنے پائیں تاکہ احتلام کا شکار نہ ہوں کیونکہ اس سے ان کی خوشی ختم ہوجاتی ہے، بعدِ اعتکاف رسمِ بپتسمہ ادا کی جاتی ہے۔ یہ عید چار دن رہتی ہے جس میں خرگوش اور مرغیوں کو ذبح کیا جاتا ہے اور ان دنوں کوئی دنیاوی کام سرانجام نہیں دیا جاتا۔

عیدِ صغیر

عیدِ کبیر کے 118 دنوں بعد ایک دوسرے کی زیارت کرنے کا دن ہوتا ہے۔

عیدِ یحییٰ

یہ تہوار حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی پیدائش کی مناسبت سے منایا جاتا ہے جو کہ ایک دن پر مشتمل ہوتا ہے۔

رسومات

دوشیزگی کی تحقیق و تفتیش

ہر کنواری دولہن کو دولہے کے حوالے کرنے سے پہلے اور بپتسمہ لینے کے بعد اپنی دوشیزگی کا ثبوت دینا پڑتا ہے جس کی تفتیش کنزبرا کی والدہ یا بیوی انجام دیتی ہے۔

طلاق

صابی مذہب میں طلاق غیر مشروع ہے، اگر شوہر یا بیوی میں شدید اخلاقی گراوٹ پائی جائے تو ایسی صورت میں کنزبرا کے توسط سے زوجین کے درمیان تفریق کروادی جاتی ہے۔

دوا کی حرمت

یہ لوگ دوا نہیں پیتے البتہ تیل اور مرہم وغیرہ استعمال کرنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے۔

ذبیحہ اور اس کا طریقہ

یہ لوگ صرف اُسی ذبیحہ کو کھاتے ہیں جسے عالِم دین نے ذبح کیا ہو۔ ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ ذبح کرنے والا پہلے خود وضو کرتا ہے پھر جانور کو تین بار پانی میں ڈبوتا ہے، اس دوران چند دینی اذکار کی تلاوت کرتا ہے اور پھر شمال کی جانب رُخ کرکے اُسے اس طرح ذبح کرتا ہے کہ اس کے خون کا آخری قطرہ بھی نچڑ جائے۔ غروبِ آفتاب کے بعد یا طلوعِ آفتاب سے قبل جانور کو ذبح کرنا حرام ہے البتہ عید پنجہ کے دن جائز ہے۔

اصطباغ اور اس کی قسمیں

اصطباغ یعنی بپتسمہ (توبہ کی نیت سے تروتازہ پانی میں غوطہ لگانا) اس مذہب کی اہم ترین رسم ہے جو تازہ پانی میں ہی ادا کی جاسکتی ہے۔ کوئی بھی عبادت یا رسم اس کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی خواہ گرمی کا موسم ہو یا سردی کا البتہ عصرِ حاضر میں ان

کے مذہبی راہ نماؤں نے غسل خانوں میں بھی اس رسم کو ادا کرنے کی اجازت دی ہے اور چشموں کے پانی سے بھی اس رسم کو ادا کیا جاسکتا ہے۔ بپتسمہ کی رسم مذہبی رہنما کے توسط سے ہی انجام دی جاسکتی ہے۔

بپتسمہ کی قسمیں

پیدائش، نکاح اور تہواروں وغیرہ کی مناسبت سے اصطباغ ضروری ہے جس کی مختصر رُوداد دَرج ذیل ہے:

(1) پیدائش: بچہ جب 45 دن کا ہو جائے تو پیدائش کی گندگی سے پاک کرنے کے لئے اسے بپتسمہ دیا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ بچے کو گھٹنے تک بہتے ہوئے پانی میں داخل کیا جاتا ہے اس حال میں کہ اس کا رُخ قطبِ شمالی کے ستارے کی جانب ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک سبز رنگ کی انگوٹھی رکھی جاتی ہے۔

(2) نکاح: شادی کی مناسبت سے یہ رسم اتوار کے دن ترمیدہ اور کنزبرا کی موجودگی میں انجام دی جاتی ہے۔ مخصوص لباس میں فلستا کے چند حصوں کو پڑھنے کے ساتھ دولہا دلہن دونوں کو تین بار پانی میں غوطہ لگوایا جاتا ہے پھر میاں بیوی دونوں ایک برتن سے (جس میں نہر کا پانی ہوتا ہے) پیتے ہیں اسے "ممبوہہ" کہتے ہیں، پھر دونوں "بہشہ" نامی ایک کھانا کھاتے ہیں اور پھر دونوں کی پیشانیوں کی سرسوں کے تیل سے مالش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد دولہا دلہن سات دن تک الگ الگ رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو چھوتے بھی نہیں کیونکہ ان ایام میں وہ ناپاک تصور کئے جاتے ہیں۔ شادی کے سات دن بعد پھر سے ان کو پانی میں غوطہ لگوایا جاتا ہے اور ان سات دنوں میں جن رکابیوں، پلیٹوں اور ہانڈیوں میں ان دونوں نے کھایا پیا ہوتا ہے انہیں دھویا جاتا ہے۔

(3) اجتماعی بپتسمہ: ہر سال عیدِ پنجہ کے موقع پر اجتماعی طور پر تمام مردوں اور عورتوں پر بپتسمہ لینا لازم ہے۔ عیدِ پنجہ کے پانچوں دن کھانے سے پہلے تین بار پانی میں غوطہ لگانا ضروری ہے جس سے مقصود سالِ گزشتہ کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ عیدِ پنجہ کے موقعہ پر دن رات کسی بھی وقت اصطباغ کیا جاسکتا ہے جبکہ بقیہ ایام میں یہ رسم صرف دن میں ادا کی جاتی ہے۔

میت اور اس کے احکام

صابی شخص جب جاں کَنی کے عالَم میں ہوتا ہے تو روح نکلنے سے پہلے اُسے بہتی نہر میں لے جاکر بپتسمہ دلایا جاتا ہے، اگر وہاں لے جانے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو جائے تو اُسے نجس مانا جاتا ہے اور اس کو چھونا حرام ہوتا ہے۔ جاں کَنی کے عالَم میں مبتلا شخص کو قطبِ شمالی کے ستارہ کی جانب رُخ کرکے غسل دلایا جاتا ہے، پھر گھر واپس لاکر بستر پر ستارہ کی جانب

رُخ کر کے بیٹھایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح قبض ہو جاتی ہے اور پھر مرنے کے تین گھنٹے بعد اس کی تجہیز و تکفین کی جاتی ہے۔ یاد رہے! جس مقام پر اس کا انتقال ہوا وہیں تدفین ضروری ہے کسی اور جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔ صابی کو قبر میں پشت کے بل اس حال میں لٹایا جاتا ہے کہ اس کا چہرہ اور دونوں پاؤں ستارے کی جانب ہوتے ہیں تاکہ جب اسے دوبارہ زندہ کیا جائے تو اس کا چہرہ ستارہ کی جانب ہو۔ میت کے منہ میں قبر کھودتے وقت کے پہلے پھاوڑے کی تھوڑی سی مٹی بھی رکھی جاتی ہے، انتقال کے موقع پر رونا اور نوحہ کرنا مطلقاً حرام ہے۔ موت کا دن ان کے لئے فرح و سرور کا موقع ہوتا ہے جیسا کہ یحییٰ علیہ السّلام نے اپنی بیوی کو اس کی وصیت کی تھی۔ جس شخص کا اچانک انتقال ہوتا ہے اُسے نہ تو چھوا جاتا ہے اور نہ ہی غسل دیا جاتا ہے البتہ مذہبی رہنما "کنزبرا" اس کی جانب سے بپتسمہ کی رسم ادا کرتا ہے۔

صابئہ / مندائیہ کا تنقیدی جائزہ

یہ ایک قدیم فرقہ ہے جس کا ذکر قرآنِ پاک میں بھی آیا ہے۔ اس فرقہ کے لوگ وحدانیت کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن ان کا عقیدۂ توحید شرک سے پاک نہیں کیونکہ یہ دیوی، دیوتاؤں کو اپنا ربّ گمان کرتے اور انہیں اللہ پاک کی بارگاہ میں اپنا سفارشی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ عقیدۂ رسالت کے بھی قائل ہیں مگر اس میں بھی بعض مخصوص انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کو ہی مانتے ہیں جیسا کہ حضرت شیث، حضرت ادریس اور حضرت یحییٰ علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام وغیرہ۔

اس فرقہ کی تعلیمات میں ستاروں کی پرستش شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں ایک ایسا گروہ بھی بنا جو ہاتھ سے بنی ہوئی مورتیوں کی پوجا کرتا تھا۔

یہ گروہ اپنی کتاب "کنزاربا" کو حضرتِ آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام کی جانب منسوب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ کتاب سَیِّدُنا آدم علیہ الصّلوٰۃُ والسّلام پر نازل ہونے والے صحیفے ہیں جو کہ ایک لایعنی اور لغویات ہے۔

صابئہ، مندائیہ تعلیمات میں نماز کا تصور تو ہے لیکن اس میں سجدہ نہیں۔ اسی طرح یہ فرقہ روزہ رکھنے کو حرام جانتے ہوئے کہتا ہے کہ روزہ رکھنے کا مطلب ہے کہ بندہ حلال اشیا کو اپنے اوپر حرام کرلے۔

اس مذہب میں شادی ہر ایک کے لئے فرض ہے مگر طلاق کا کوئی تصور نہیں البتہ اگر میاں بیوی میں اخلاقی گراوٹ کا علم ہو تو ان کے درمیان جدائی کروائی جاسکتی ہے نیز ان میں ہر قسم کی دوائی کو حرام سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ان میں موت کے حوالے سے بھی غیر فطری رسمیں پائی جاتی ہیں۔

ہندو مذہب Hinduism

تعارف

ہندو مذہب دنیا کے قدیم مذاہب میں سے ایک ہے جو کہ پندرہویں صدی قبل از مسیح سے چلا آرہا ہے۔ یہ مذہب ہندی فلسفے، یہودیت اور عیسائیت سے مرکب ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف و متضاد عقائد و رُسوم، رجحانات، تصورات اور توہمات کے مجموعے کا نام ہے۔ اس مذہب میں ہر چیز کے لئے ایک خدا ہوتا ہے یہاں تک کہ درختوں، پتھروں اور جانوروں کو بھی پوجا جاتا ہے۔ ان کے خداؤں کی تعداد بعض کے نزدیک ایک کروڑ اور بعضوں نے اس سے بھی زیادہ بتائی ہے اسی وجہ سے آج تک ہندومت کی کوئی جامع تعریف نہیں ہو سکی کیونکہ ایک ایشور کی پوجا کرنے والے بھی ہندو، 33 کروڑ دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرنے والے بھی ہندو، مورتی کی پوجا کرنے والے بھی ہندو اور مخالفت کرنے والے بھی ہندو، اسی طرح گائے اور سانپ کی پوجا کرنے والے بھی ہندو اور ان کو ختم کرنے والے بھی ہندو، نیز پیاز لہسن نہ کھانے والے بھی ہندو اور انتہائی ناپسندیدہ چیزیں مثلاً سانپ، کتا اور سور وغیرہ کھانے والے بھی ہندو۔

اس سلسلے میں پنڈت جواہر لال نہرو کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ ”حتمی طور پر یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ ہندومت کوئی مذہب ہے بھی یا نہیں؟ ماضی اور اپنی موجودہ صورت میں یہ مذہب بہت سے عقائد و رُسوم کا مجموعہ رہا ہے جو اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ سطح تک ہر ایک کو محیط ہے اور ان میں سے بہت سے ایک دوسرے کے متضاد بھی ہیں۔“

وجہِ تسمیہ

لفظِ ”مَت“ اصل میں سنسکرت کا لفظ ہے جس کا معنیٰ مذہب اور عقل ہے اور لفظِ ”ہندو“ سنسکرت زبان میں دریائے انڈس کے نام ”سندھو“ سے آیا ہے جو کہ بعد میں بدل کر ہندو ہو گیا۔ دراصل یہ لفظ کسی دین یا مذہب کا نام نہیں تھا بلکہ شروع شروع میں غلاموں اور قابلِ نفرت لوگوں کے لئے بولا جاتا تھا اور پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے ایک ملک کے باشندوں اور مسلمانوں کی آمد کے بعد ایک مذہب کے پیروکاروں کے لئے بولا جانے لگا۔

نوٹ: اس مذہب کو ”ہندو دَھرم (Religion)“ کے علاوہ ”سناتن (Sanatana)“ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

تاریخ

ہندو قوم اور ہندو مذہب کی تاریخ کہیں بھی محفوظ نہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خود ہندوستان میں رہنے والے

ہندوؤں نے بھی اپنی قدیم تاریخ پر قلم نہیں اُٹھایا اس لئے بعض محققین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ہندوؤں کی کوئی تاریخ یا تاریخی کتاب محفوظ نہیں۔

ہندو مذہب کی تاریخ مدون نہ ہونے کے اسباب

مؤرخین نے ہندو مذہب کی تاریخ مدون نہ ہونے کے کئی اسباب بیان کئے ہیں:

پہلا سبب

پہلا سبب یہ ہے کہ آریا لوگ پڑھنے لکھنے سے عاری تھے اور فنِ تاریخ سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی اسی لئے انہوں نے تحریری طور پر اسے مدون نہ کیا جس کی وجہ سے ان کی تاریخ کو فراموش کر دیا گیا۔

دوسرا سبب

دوسرا سبب وہ ہے جسے علامہ ابوریحان محمد بن احمد البیرونی نے تحریر کیا کہ وہ اپنے علاوہ سب کو ملیچھ (یعنی ناپاک) سمجھتے ہیں اور کسی غیر کے ساتھ مباحثہ، مناظرہ اور تبادلۂ خیال کرنا بھی ان کے نزدیک جائز نہیں، نیز باہمی نکاح، نشست و برخاست اور خورد و نوش کو بھی حرام قرار دیتے ہیں حتّٰی کہ بعض گروہوں میں یہ بھی رائج ہے کہ اگر کوئی اجنبی ان کا مذہب قبول کرنا چاہے تو وہ اسے اپنے مذہب میں داخل نہیں کرتے۔ (1)

تیسرا سبب

ہندو مذہب کی تاریخ مدون نہ ہونے کا تیسرا اور سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ یہ مذہب دوسرے اَدیان کی طرح کسی ایک راہ نما، نبی و رَسول اور متعین عقائد و اعمال کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ مذہب متضاد عقائد و اعمال، متضاد کتابوں، متضاد اَفسانوں اور متضاد رُسوم و مظاہر کا معجونِ مرکب ہے۔

مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے: ہندوؤں کی تین ہزار سالہ تہذیب و تمدن کی کئی جلدوں میں موجود تاریخ جو حال ہی میں سامنے آئی ہے اب تک اس کا ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہو سکا۔ ہندوؤں کی تاریخ میں کسی بھی واقعے کو ثابت کرنے کے لئے بیرونی سہاروں سے کام لینا پڑتا ہے جس سے اس واقعے کی صحت اور عدمِ صحت کے متعلق فیصلہ کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہندوؤں کی ان تمام تاریخی کتب میں بیان کردہ کئی واقعات حقیقت کے

(1) تحقیق ماللھند، ص14-15

اعتبار سے غلط اور فطرت کے خلاف محسوس ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب کی قدیم تاریخ محفوظ نہیں ہے البتہ تاریخ دان تقریباًاس بات پر متفق ہیں کہ ہندومت کا آغاز اس دور میں ہوا جب وسط ایشیائی قوم آریا نے ہندوستان پر حملہ کیا لیکن یہ معلوم نہیں کہ حملہ کب کیا گیا؟ البتہ کہا جاتا ہے کہ ہندومت کا آغاز 1500، 2000 یا تقریباً 3000 سال قبل از مسیح میں ہوا۔ آریاؤں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں سیاہ فام اور دراوڑ نسل کے لوگ آباد تھے۔ آریاؤں نے دراوڑ پر حملہ کر کے ان کو اپنا غلام بنالیا اور یہ غلام قوم دراوڑ "شودر" کہلائی جسے ہندوستان میں آج بھی حقیر سمجھا جاتا ہے۔

ہندو مذہب اپنے ابتدائی دور میں زیادہ تر جادو ٹونے کی رسوم پر مشتمل تھا اور پھر برصغیر میں آریاؤں نے اسے مربوط مذہب کی شکل دی۔ اس مذہب میں دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے اور اس کی دینی کتاب "وید" ہے۔ رامائن، گیتا اور مہابھارت بھی ہندو مذہب کی اہم کتابیں ہیں۔ دو ہزار سال قبل از مسیح ان کے لکھے جانے کا آغاز ہوا اور یہ عمل صدیوں میں جاکر مکمل ہوا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہندو مذہب کا کوئی ایک بانی نہیں بلکہ یہ مذہب بہت سی شخصیات کا حصہ ہے۔ اہم شخصیات میں "رام" کو بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ اس مذہب میں انسانی تقسیم پائی جاتی ہے، سب سے اعلیٰ لوگ "برہمن" کہلاتے ہیں اور پھر ان کے بعد "کھشتری" اور "ویش" ہیں جبکہ "شودر" سب سے گھٹیا سمجھے جاتے ہیں۔

بعض مؤرخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ جو اَقوام شرک میں مبتلا ہیں اور ان کے یہاں جو بت پرستی کا رواج ہے یہ پہلے ہندوستان میں اصلاً نہیں تھا بلکہ بعد میں باہر سے آنے والے لوگوں کے ذریعے آیا اور اس نے ہندوؤں کے دل و دماغ پر اس طرح قبضہ کیا کہ اب وہ کسی بھی طرح اس رواج سے جدا نہیں ہوسکتے۔ بہر حال مؤرخین کی آرا کے مطابق بابل، مصر اور بحیرۂ روم میں آباد بُت پرست اَقوام خاص طور پر بحیرۂ روم میں موجود دَراوڑ اَقوام کے متعلق ہڑپہ اور موہن جو دڑو کی کھدائی سے حاصل ہونے والی معلومات کے ایک بہت بڑے حصے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ لوگ درختوں، جانوروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے جو بعد میں ہندوستانی تہذیب و مذہب کا حصہ بن گیا۔

ہندوؤں کے معبود

آریائی ہندو اَوّلاً ایک خدا پر ایمان رکھتے تھے اور اسی کی پوجا کرتے تھے جس کو "ایشور" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا

لیکن دورِ جدید کے ہندو تثلیث (یعنی تین خداؤں) کو ماننے کے قائل ہیں: (1) برہما (2) وِشنو (3) شیو

کچھ عرصے تک تو ہندو اسی تثلیث کے عقیدے پر قائم رہے لیکن بعد میں ان کے یہاں دیوتاؤں کا ایک ایسا لامتناہی اورنہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا کہ خود ہندوؤں کی تعداد کم پڑگئی اور ان کے دیوتاؤں کی تعداد ان سے بڑھ گئی اور کئی چھوٹے دیوتاؤں کی پوجا بھی شروع ہوگئی جن میں سے گنیش، ہنومان، سوریا، سرسوتی، لکشمی اور پاروتی مشہور ہیں۔

ہندوؤں کے چار گاف

ہندوؤں میں چار چیزیں ایسی مانی جاتی ہیں جن کے شروع میں "گاف" آتا ہے اور اُن میں سے بعض کی وہ پوجا بھی کرتے ہیں۔وہ چار چیزیں یہ ہیں: (1) گائے (2) گنگا (3) گیتا (4) گائتری منتر

عقائد و نظریات

تصورِ خدا

قدیم ویدی دور سے لے کر عہدِ جدید تک ہندومت میں کثرت پرستی کے ساتھ ساتھ وحدانیت کا تصور بھی پایا جاتا ہے جس کو وہ اپنی زبان میں "ایشور" کے نام سے پکارتے ہیں اور اس کو سارے دیوی دیوتاؤں میں بلند تر سمجھتے ہیں اور اس کی پوجا کو ہی اصل پوجا مانتے ہیں لیکن ان کے نظریے میں خدا کو واحد تسلیم کرنے کے لئے دوسرے دیوتاؤں کا انکار کرنا ضروری نہیں بلکہ دوسرے دیوتاؤں کو اپنے مخصوص دیوتا (یعنی ایشور) کے ماتحت جانتے ہیں، بہر حال اس حوالے سے ان کا عقیدۂ تریموری سب سے زیادہ قابلِ ذکر ہے جس کی رو سے حقیقی خدا یا دیوتا تین ہیں اور باقی سب انہی کے ماتحت ہیں اس لئے زیادہ تر یہ انہی تینوں کو پوجتے ہیں۔

نوٹ: تریموری میں برہما، وشنو اور شیو شامل ہیں۔

بت پرستی

مختلف بِلاد و اَمصار میں بے شمار بتوں اور مورتیوں کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے بلکہ اب تو ہر طبقہ کے لوگ اپنے دیوتا کی شکل و صورت خود اپنے طور پر بناتے اور اس کی پوجا کرتے ہیں اور بات یہاں تک آن پہنچی ہے کہ ہر شخص کا الگ الگ بھگوان (یعنی خدا) ہے۔ ویدوں میں بھی ہمیں دیوتاؤں کی کثرت ملتی ہے جن میں اَگنی، سوتا، سوم، ردر، وایو اندر اور بہت سے دیگر نام شامل ہیں۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ہندومت میں وہ خدا اور دیوتا جن کی پوجا کی جاتی ہے ان کی تعداد

تینتیس کروڑ تک بتائی جاتی ہے جن میں سورج، چاند، آگ، ہوا، ہنومان (بندر)، کرما، شکتی، رام، کرشنا، کالی ماتا، سانپ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

تصوّرِ پیغمبر

ہندو مذہب میں کسی نبی یا رسول کا کوئی وجود بلکہ تصور تک نہیں وہ اپنی مقدس کتابوں کے مصنفین کو "رشی" کے نام سے جانتے اور یاد کرتے ہیں۔

عقیدۂ اوتار

لفظِ "اوتار" دو لفظوں "او" اور "تار" کا مجموعہ ہے۔ "او" کا مطلب ہے نیچے اور "تار" کا مطلب ہے آنا یا گزرنا یعنی اوتار سے مراد ہے جو نیچے آیا یا اُترا۔ بعض پنڈتوں کے مطابق اوتار لفظِ "اوترنا" سے ماخوذ ہے جس کے معنٰی خدا کا ظہور یا اس کی طرف تنزل ہے۔ اس عقیدے کے مطابق خدا نیک لوگوں کی مدد، دھرم کے قیام اور برائی کے خاتمہ و بیخ کَنی کے لئے اکثر لباسِ بَشری و حیوانی میں دنیا میں آتا ہے بلکہ ان مقاصد کے لئے وہ کوئی بھی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ ہندو دھرم کا یہ اہم ترین عقیدہ ویدوں میں کہیں نہیں ملتا البتہ پران اور گیتا میں اس کا ذکر موجود ہے۔

کَرَم

کَرَم (یعنی عمل) ہندو دَھرم کا بہت مشہور عقیدہ ہے اور اس عقیدے کے مطابق ہر عمل چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اچھا ہو یا بُرا انسانی روح پر اَثر اَنداز ہوتا ہے اور انسان اپنے کَرم (یعنی عمل) کے لحاظ سے سزا و جزا کا مستحق ہوتا ہے یعنی انسان کے کرم کی بنیاد پر اس کے یہاں اچھا یا بُرا بچہ جنم لیتا ہے۔

تناسُخ/آوا گون

عقیدۂ تناسُخ کی حقیقت کو یوں سمجھایا اور بتایا جاتا ہے کہ موت کے بعد اگرچہ جسم فنا ہو جاتا ہے لیکن روح باقی رہتی ہے اور وہ اپنے اچھے اعمال کی جزا اور بُرے اعمال کی سزا بھگتنے کے لئے دوسرے اجسام کے لباس پہن کر اس دنیا میں لوٹ آتی ہے اور یہ چکر غیر متناہی مدت تک جاری رہتا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق انسان کو صرف ایک زندگی نہیں ملتی بلکہ وہ مرنے کے بعد اپنے اچھے یا بُرے اعمال کے مطابق پھر جنم لیتا ہے، بُرے اعمال سے حیوانات، نباتات اور معذور وغیرہ کی صورت میں اور اچھے اعمال سے طاقت ور، صحت مند اور خوبصورت شکل وغیرہ کی صورت میں یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

www.dawateislami.net

ہر موت کے بعد اس کا اعمال نامہ موت کے دیوتا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جو اسے جانچتا ہے اور روح کی صفائی پیش کرنے کا حکم دیتا ہے اور پھر روح کو اس کے اعمال کے مطابق نرک (یعنی جہنم) میں کچھ دنوں کے لئے بھیج دیتا ہے، جب یہ معیاد ختم ہو جاتی ہے تو دوبارہ اسے جنم لینے کے لئے بھیج دیتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک انسان اچھے اور معقول عمل کا ذخیرہ جمع نہیں کر لیتا لیکن اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی انسان کی مُکتی (یعنی نجات) نہیں ہوتی۔ مکتی کیا ہے؟ اس مذہب میں اس کا پتا نہیں۔

نوٹ: اس عقیدے کے حامی کہتے ہیں کہ دو قسم کے گروہ ایسے ہیں جن کی روح پلٹ کر نہیں آتی۔ ایک وہ لوگ جو سعادت کے کمال درجے کو پہنچے ہوں اور دوسرے وہ کہ جو بد بختی و شقاوت کے انتہائی درجے کو پہنچے ہوں جبکہ ان کے درمیان متوسط طبقے کی روح واپس پلٹ آتی ہے۔

نیوگ (Niyoga)

ہندو مذہب میں شادی کے علاوہ ایک اور عقد بھی جائز تسلیم کیا گیا ہے جسے ”نیوگ“ کہتے ہیں۔ اس میں شادی شدہ عورت کا شوہر بیماری کے سبب یا کسی اور وجہ سے اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تو عورت نیوگ کے ذریعے اولاد پیدا کر سکتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت سے اس کے شوہر کی موجودگی میں دوسرا شخص بھی کچھ مدت کے لئے نکاح کر سکتا ہے اور اس طریقے سے پیدا ہونے والی اولاد اصلی شوہر کی ہی سمجھی جاتی ہے اور ایسا نکاح (نیوگ) دس مردوں سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک عجیب طریقے پر جنسی جذبات کی تسکین اور حصولِ اولاد کا طریقہ ہے جو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا۔

عبادات

یگیہ (Yagya) (قربانی)

قربانی یا بلی کا تصور ہندو دھرم میں قدیم زمانہ سے پسندیدہ رہا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے سبب انسان دیوتاؤں سے قریب ہو جاتا ہے اور اس کا متبادل کوئی دوسرا ایسا عمل نہیں جس کے ذریعے انسان دیوتا کو خوش کر کے اپنی نجات کا ذریعہ کر سکے۔ اسی وجہ سے ہندو رسوم میں یجن یا یگیہ (یعنی قربانی) کو بہت اہمیت حاصل ہے اور یہ آریاؤں کی رسم تھی جو ہندو وعہد تک جاری رہی۔ مختلف راجاؤں کے عہد میں گھوڑوں کی قربانی کا تذکرہ ملتا ہے جبکہ اَوائل میں آدمی کی قربانی بھی رائج تھی۔ جانوروں کی قربانی کو آج بھی اہمیت حاصل ہے اور اس دور میں بھی کالی ماتا کے مندروں میں سینکڑوں بھینسیں

اور ہزاروں بکرے چڑھائے جاتے ہیں۔

ورت

ہندو مذہب میں روزے کا تصور پایا جاتا ہے جسے عرفِ عام میں ”ورت“ کہا جاتا ہے۔ ورت کیوں رکھا جاتا ہے اور اس کے احکام کہاں سے آئے؟ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا صرف مذہبی اور سماجی روایات چلی آرہی ہیں جن کی پابندی میں ورت (یعنی روزہ) رکھا جاتا ہے۔ ان کے ہاں روزے کی حالت میں پھل، سبزی، دُودھ اور پانی وغیرہ کی ممانعت نہیں مگر بعض روزے ایسے بھی ہیں جن میں وہ ان چیزوں کا استعمال بھی نہیں کر سکتے۔

کڑوا چوتھ

ہندو عورتیں اپنے شوہروں کی عمر درازی کے لئے کڑوا چوتھ کا روزہ رکھتی ہیں۔ یہ دن اگست کے مہینے میں پورے چاند کے تیسرے دن منایا جاتا ہے۔ ہندو مذہب کے مطابق اس روز شیوا جی 108 برس کے بعد پاروَتی سے ملے تھے لہٰذا یہ دن شوہر اور بیوی کے ملن کا دن سمجھا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پاروَتی نے اپنے شوہر سے محبت اور عقیدت کے اظہار کے طور پر 108 سال کا روزہ رکھا۔ کچھ صحائف کا کہنا ہے کہ پاروتی نے 107 برس تک ہر سال نیا جنم لیا لیکن 108 ویں مرتبہ کا جنم پاروتی کے روپ میں تھا جو شیوا جی کو پسند آیا۔ اس سے پاروتی کی اپنے شوہر کو اپنا بنانے کی لگن اور شوق ظاہر ہے۔

ہندو مت میں نجات کے طریقے

نجات کو ہندی زبان میں ”موکش اور مکتی“ بھی کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک نجات کے تین طریقے ہیں:

(1) کرم مارگ (راہ عمل)، (2) گیان مارگ (راہ علم)، (3) بھگتی مارگ (راہ ریاضت)۔ انہیں ”یوگا مارگ“ بھی کہا جاتا ہے۔

چونکہ ہندوؤں نے اپنے آپ کو چار ذاتوں میں تقسیم کر رکھا ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک کے لئے نجات کا راستہ الگ اور متعین ہے:

1۔ برہمن کے لئے صرف ”حصولِ علم“ ہی ذریعۂ نجات ہے۔

2۔ کھشتری کے لئے برہمنوں کو خیرات دینا اور جنگوں میں شرکت کرنا ذریعۂ نجات ہے۔

3۔ ویش کے لئے زراعت و تجارت ذریعۂ نجات ہے۔

4۔ شودر کے لئے مندرجہ بالا ذاتوں کی خدمت کرنا نجات کا ذریعہ ہے۔

مذہبی کتابیں

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔بنیادی طور پر ان کی دو قسمیں کی جاتی ہیں:

(1)سرتی(Sruti) (2)سمرتی(Smriti)

سرتی(شروتی)کا مطلب ہے"سُنی ہوئی باتیں یاگیان کے ذریعہ حاصل کی گئیں باتیں"اور سمرتی کا مطلب ہے"یاد کیا ہوا"پھر ہر ایک کے تحت مختلف اقسام ہیں جن کو اس طرح تقسیم کیا جاسکتا ہے:

سرتی

اس میں چاروں وید آتے ہیں:(1)رگ وید(2)سام وید(3)یجر وید(4)اتھر وید۔ان کے علاوہ بھی کچھ ویدی لٹریچر ہیں جیسا کہ سمیتھا،براہمنہ،ارنیاکاس،اُپنشد(اُپ نشد)وغیرہ۔

سمرتی

اس کے تحت مندرجہ ذیل کتب شامل ہیں:

ویدانگ:یعنی وید سے متعلق علوم جیسے لسانیات،گرائمر،صرف،نحو،رسومات،نظم وغیرہ

سوتر:مذہبی نصائح آمیز اور وجدانی نظمیں رامائن:رزمیہ نظم

مہابھارت:رزمیہ نظم پران:دیوی دیوتاؤں کے تذکرے

دھرم شاستر:مذہبی قانون خصوصاًمنوکا دھرم شاستر

رسم ورواج

شادی

ہندوؤں میں شادی کا طریقہ یہ ہے کہ پنڈت آگ جلاکر کچھ پڑھتا ہے اور لڑکا لڑکی کو باہم کسی کپڑے سے گرہ لگاکر اس آگ کے گرد سات مرتبہ گھمایا جاتا ہے۔اس کے بعد لڑکا،لڑکی کو منگل سوتر(ایک قسم کاہار)گلے میں پہناتا ہے اور اس کی پیشانی پر سِندور لگاتا ہے۔شادی سے پہلے میاں بیوی کی کُنڈلی بھی ملائی جاتی ہے کہ یہ شادی کس وقت کرنا مناسب رہے گی۔

میت کو جلانا

ہندو مذہب میں مردے کو جلایا جاتا ہے۔اس کا طریقۂ کار کچھ یوں ہے کہ ایک خاص قسم کی لکڑی پر مردے کو لٹادیا

جاتا ہے اور وہاں پنڈت موجود ہوتا ہے جو کچھ کلام پڑھتا ہے، مرنے والے کا بیٹا یا قریبی رشتہ دار اس کی میت کے گرد چکر لگا کر ایک آگ والی لکڑی سے بقیہ لکڑیوں کو جلاتا ہے۔ یاد رہے! ہندو مذہب کے بعض لوگ اپنے مردوں کو جلاتے نہیں بلکہ دفن کرتے ہیں۔

رسمِ ستی

ہندو عقیدے کے مطابق شوہر کے مرنے پر بیوہ کا اپنے شوہر کی چِتا میں جل کر مرنا "ستی" کہلاتا ہے اور جو ہندو مردے کو جلانے کے بجائے دفن کرتے تھے وہ بیوہ کو بھی زندہ دفن کر کے ستی کی رسم ادا کرتے تھے۔ جب شوہر کی موت کہیں اور ہوتی اور لاش موجود نہ ہوتی تو ستی کی رسم ادا کرنے کے لئے بیوہ کو شوہر کی کسی استعمال شدہ چیز کے ساتھ جلا دیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں رسمِ ستی کا رواج بنگال میں زیادہ عام تھا۔ رسمِ ستی کی نذر ہونے والی خاتون کو ماتمی لباس کے بجائے شادی کے کپڑے پہنائے جاتے تھے اور ستی کی بہت سی رسمیں شادی کی رسومات سے ملتی جلتی ہوتی تھیں۔

رسمِ ستی سے متعلق ہندوؤں کا نظریہ

سمجھا جاتا تھا کہ ستی ہونے سے جوڑے کے تمام گناہ دھل جائیں گے، انہیں نجات حاصل ہوگی اور وہ موت کے بعد بھی ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔

موجودہ دور میں رسمِ ستی کی صورت حال

ستی کی رسم سے کئی ہندوؤں میں بغاوت جنم لے رہی تھی اس لئے اس مذہب میں اس رسم کو کسی حد تک بند کر کے بیوہ کے لئے سر منڈوانے، ساری عمر سفید لباس پہننے اور آگے شادی نہ کرنے کی رسم نکالی گئی۔ پھر سر منڈوانے کی رسم بہت کم ہو گئی اور سفید لباس پہننا اور آگے شادی نہ کرنا رائج رہا۔ موجودہ دور میں بیوہ کا سفید لباس ترک کرنا اور آگے شادی کرنا بھی رائج ہونا شروع ہو چکا ہے۔

تہوار

ہولی (Holi)

یہ بہار کا ایک تہوار ہے جس کی شروعات برِّ صغیر سے ہوئی اور اسے بھارت اور نیپال میں قومی سطح پر منایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایشیا اور مغربی دنیا کے مختلف حصوں میں بھی یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ اسے رنگوں یا محبت کا تہوار بھی کہا جاتا ہے۔

دیوالی(Diwali)

دیوالی (جو دیپاولی اور عیدِ چراغاں کے ناموں سے بھی معروف ہے) ایک قدیم ہندو تہوار ہے جسے ہر سال موسمِ بہار میں منایا جاتا ہے۔ یہ تہوار شمسی اور قمری ہندو تقویم کے مہینے "کاتک" میں اماوَس کی رات یا نئے چاند کی رات کو منایا جاتا ہے۔ عیسوی کیلنڈر کے مطابق یہ تہوار وسطِ اکتوبر یا وسطِ نومبر میں پڑتا ہے۔

دیوالی کی رات سے پہلے ہندو اپنے گھروں کی مرمت، تزئین و آرائش اور رنگ و روغن کرتے ہیں اور دیوالی کی رات نئے کپڑے پہنتے اور دیے جلاتے ہیں، کہیں روشن دان شمع اور کہیں مختلف شکلوں کے چراغ جلائے جاتے ہیں، یہ دیے گھروں کے اندر اور باہر بھی رکھے ہوتے ہیں، اس رات دولت و خوشحالی کی دیوی "لکشمی" کی پوجا کی جاتی ہے، پٹاخے داغے جاتے ہیں، بعد ازاں سارے خاندان والے اجتماعی دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور خوب مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ نیز دوست و احباب کو مدعو کیا جاتا ہے اور اُن میں تحفے تحائف تقسیم کئے جاتے ہیں۔ جہاں دیوالی منائی جاتی ہے وہاں دیوالی کو ایک بہترین تجارتی موسم بھی کہا جاتا ہے۔

بیساکھی

بہار کا میلہ جو یکم بیساکھ (یعنی 13 اپریل) کو منایا جاتا ہے۔ اس دن پنجاب اور ہریانہ کے کسان فصل کاٹنے کے بعد نئے سال کی خوشیاں مناتے ہیں۔ یہ یوم سکھ قوم کے لئے بہت معنیٰ رکھتا ہے کیونکہ اس دن خالصہ کا استحکام ہوا تھا۔

رکشابندھن

رکشابندھن یا راکھی کا تہوار بہن بھائیوں کے پیار اور ان کے خوبصورت اَٹوٹ رشتے کا تہوار ہے جو دنیا بھر میں موجود ہندو برادری روایتی جوش و خروش سے مناتی ہے۔ اس دن ہندو گھرانوں میں بہنیں دیا، چاول اور راکھیوں سے سجی پوجا کی تھالی تیار کرتی ہیں اور اپنے بھائیوں کی کلائی پر پیار سے راکھی (دھاگہ) باندھ کر ان کی صحت مندی، عمر درازی اور کامیابیوں کے لئے دعا کرتی ہیں۔ محبت کے اس اظہار کے جواب میں بھائی اپنی بہن سے دکھ سکھ میں ساتھ رہنے اور اس کی حفاظت کرنے کا وعدہ کرتا اور اسے تحفہ دیتا ہے۔

نوراتری(Navaratri)

ہر سال ہندوؤں کے کلینڈر کے ساتویں مہینے "اشون" کا چاند نظر آتے ہی نَوراتری یا نَو اراتری کا تہوار شروع ہو جاتا ہے۔

دس دن جاری رہنے والے اس تہوار کو نوار اتری اور دُرگا پوجا کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔دنیا بھر میں موجود ہندو برادری اس تہوار کو روایتی جوش و خروش سے مناتی ہے۔اس تہوار پر ہندو نو دن روزے رکھتے، دُرگا ماتا پر پھل اور پھول چڑھاتے اور اس دن کو برائی پر اچھائی کی جیت کے طور پر مناتے ہیں کیونکہ اسی دن رام نے راون کو شکست دی تھی۔

دسہرہ(Dussehra)

دسہرہ کے لغوی معنٰی "دس روز" کے ہیں۔اس سے مراد "دس گناہوں کو لے جانے والا" ہے جو شکلا پکش کی دسویں تاریخ کو گنگا میں نہائے اس کے دس قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔اس دن کو دُرگا جی کی جنم اشٹمی یا یومِ فتح کے طور پر منایا جاتا ہے نیز اس دن راجا رام چندر کا "بن باس" سے گھر آنا اور راون پر فتح پانا بھی بیان کیا جاتا ہے۔قدیم زمانے میں یہ ایک موسمی تہوار تھا کیونکہ اس روز دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں اور موسم اعتدال پر آجاتا ہے پھر اس تہوار پر مذہبی رنگ چڑھ گیا اور یہ راون کے خلاف رام چندر کی فتح کی یادگار کے طور پر منایا جانے لگا۔

شیوراتری(Shivratri)

یہ ایک ہندو تہوار ہے جسے بھگوان شیو کی تعظیم میں ہر سال منایا جاتا ہے۔ہندو عقیدے کے مطابق "شیوراتری" تہوار دیوتا شیو اور پاروتی کی شادی کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔اس موقع پر 24 پہر کا برت(یعنی ہندوؤں کا روزہ) رکھا جاتا ہے اور خصوصی پوجا کی جاتی ہے۔پنجاب کے علاقے چکوال کے قریب کٹاس راج میں ہندو دیوتا شیو کا ایک مندر اور تالاب ہندو یاتریوں کے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے۔

ہندو مت میں ذات پات کی تقسیم

ہندوؤں نے اپنے آپ کو چار ذاتوں میں تقسیم کر رکھا ہے،سب سے اونچی ذات "برہمن(Brahmin)" اس کے بعد "کھشتری(Kshatriya)" اس کے بعد "ویش(Vaisya)" اور سب سے آخر میں "شودر(Shudra)" کا درجہ ہے۔ذات پات کی تفریق ہندوستان میں آج بھی اس حد تک موجود ہے کہ اسٹیشن پر موجود ٹھنڈے پانی کی لگی ٹونٹیوں پر "برائے برہمن اور برائے شودر" کی تفریقی علامات لکھی ہوئی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے ایک دوسرے کا پانی پینا بھی حرام ہے اور باہمی نکاح و تجارت بھی حرام ہے۔ذات پات کی تفریق ہندو مذہب میں انتہائی بدترین ہے اور اب خود ہندو بھی اس سے کراہت کرنے لگے ہیں لیکن ہندو مصلحین اس تفریق کو ختم کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔دراصل ذات پات کی تفریق ان کی مذہبی

کتابوں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے چنانچہ وید میں لکھا ہے: برہمن پرماتما (یعنی روح الارواح) کے منہ سے پیدا ہوئے، کھشتری پرماتما کے بازوؤں سے پیدا ہوئے، ویش پرماتما کی رانوں سے پیدا ہوئے اور شودر پرماتما کے پاؤں سے پیدا ہوئے۔

اسی طرح وید میں یہ بھی لکھا ہے: وید کے لئے برہمن پیدا کئے گئے، حکومت کے لئے کھشتری پیدا کئے گئے، کاروبار کے لئے ویش پیدا کئے گئے اور دُکھ اُٹھانے کے لئے شودر پیدا کئے گئے۔ اسی وجہ سے مذہبی رسوم کی ادائیگی برہمن کے سپرد ہوئی، حکومت و سلطنت اور حرب و ضرب کے معاملات کھشتری کو سونپے گئے اور تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت کے کاروبار کی ذمہ داری ویش پر ڈالی گئی۔ ظاہر ہے کہ تینوں طبقات کو جو کام دیئے گئے وہ معزز و مکرم اور ان کی خواہش و پسند کے مطابق تھے۔ اب خدمت و چاکری اور غلامی کا معاملہ باقی تھا جو غیر آریاؤں "شودر اور اچھوت" کے سپرد ہوا۔ شودر کا لفظ ہی نفرت انگیز ہے اور اس سے حقارت ٹپکتی ہے۔ منوجی کے مطابق شودر برہما جی کے پاؤں کے نیچے سے پیدا ہوا ہے لہٰذا ہر قسم کے حقیر و ذلیل کام کرے گا، خدمت بجالائے گا، غلاظت اُٹھائے گا اور آریاؤں کی مسرت و راحت کے سامان مہیا کرے گا۔ یہ اس کی قسمت ہے جس پر اُسے شاکر رہنا چاہیے اور وہ اس کے سوا کسی اور قسم کی زندگی کی آرزو کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ اس کے لئے سخت سے سخت سزائیں مقرر کی گئیں مثلاً "شودر جس عضو سے برہمن کی بے عزتی کرے اس کا وہ عضو کاٹ دیا جائے، اگر وہ برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو اس کے کولہے کٹوا دیئے جائیں اور اُسے ملک بدر کر دیا جائے، اگر وہ وید کی عبارتیں سن لے تو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈال دیا جائے اور اگر انہیں پڑھ لے تو اس کی زبان کاٹ دو اور اگر وہ اُسے یاد کرنا چاہے تو اس کا دل چیر دیا جائے۔" الغرض اس کی خودی کو مردہ کر دیا گیا تاکہ وہ کچھ اور سوچ ہی نہ سکے اور شاید یہ سب اُس سے اِس گناہ کا انتقام لینے کے لئے کیا گیا کہ اس نے آریا حملہ آوروں کی مزاحمت کی تھی۔

ہندومت اور اسلام کا تقابلی جائزہ

توحید

ہندو تثلیث یعنی تین خداؤں کو ماننے کے قائل ہیں:

(1) برہما　　(2) وِشنو　　(3) شیو

ان تینوں کو ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں تریمورتی کا نام دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ آج کل ہندو اس تثلیث کو "ٹَگڈم" بھی کہتے ہیں، اس اعتبار سے تثلیث، تریمورتی اور ٹگڈم آپس میں مترادف الفاظ ہیں۔ کچھ عرصے تک تو ہندو اسی تثلیث کے

www.dawateislami.net

عقیدے پر قائم رہے لیکن بعد میں ان کے یہاں دیوتاؤں کا ایک ایسا لامتناہی اور نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا کہ خود ہندوؤں کی تعداد کم پڑگئی اور ان کے دیوتاؤں کی تعداد ان سے بڑھ گئی جبکہ دینِ اسلام صرف اور صرف توحید کا پیغام دیتا ہے۔ اس میں اللہ کے سوا کسی بھی چیز یا شخصیت کی عبادت شرک ہے یہاں تک کہ اسلام میں اگر کوئی کسی کو ذات وصفات میں خدا جیسا سمجھے تو وہ کافر ومشرک ہے۔ قرآنِ پاک کی کئی آیات اس بات کی شاہد ہیں چنانچہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌۚ(۱) اَللّٰهُ الصَّمَدُۚ(۲) لَمْ یَلِدْ ﳔ وَ لَمْ یُوْلَدْۙ(۳) وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۠(۴) (پ۳۰، الاخلاص: ۱ تا ۴)

ترجَمۂ کنز العرفان: تم فرماؤ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور کوئی اس کے برابر نہیں۔

یونہی کسی کو اللہ کا بیٹا یا والد یا بیوی وغیرہ کہنے والا بھی کافر ہو جائے گا جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے:

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ﰳابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْۚ یُضَاهِــٴُـوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ٘ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ(۳۰) (پ۱۰، التوبۃ: ۳۰)

ترجَمۂ کنز العرفان: اور یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی اپنے منہ سے کہی ہوئی بات ہے، یہ پہلے کے کافروں جیسی بات کرتے ہیں، اللہ انہیں مارے، کہاں اوندھے جاتے ہیں؟

رسالت

ہندو مذہب میں کسی نبی یا رسول کا کوئی وجود بلکہ تصور تک نہیں جبکہ اس کے برعکس اسلام نے رسالت کا ایک ایسا ٹھوس اور جامع وبے مثل تصور ونظریہ پیش کیا جس میں نورِ حق کی صداقت اور چمک دمک واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ اللہ پاک نے دنیا کے ہر خطے اور نسلِ انسانی کے ہر طبقے کی طرف رسول وپیغمبر بھیجے ہیں چنانچہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ (پ۱۴، النحل: ۳۶) "ترجَمۂ کنز العرفان: اور بیشک ہر اُمّت میں ہم نے ایک رسول بھیجا۔" ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ(۲۴)﴾ (پ۲۲، فاطر: ۲۴) "ترجَمۂ کنز العرفان: اور کوئی اُمّت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔" یعنی اللہ پاک نے ہر زمانے اور خطے میں اپنی طرف سے رسول اور نبی بھیجے جو انسانیت کی ہدایت کے لئے اللہ کی طرف سے پیغام لے کر آتے رہے اور یہ سلسلہ آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے شروع ہوا اور ہمارے پیارے نبی محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ختم ہوا۔ انسانیت کی فلاح وکامیابی کے لئے حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ

واٰلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کولازمی قرار دیا گیا۔

عقیدۂ اوتار

ہندو مت کے اس عقیدے کے مطابق خدا نیک لوگوں کی مدد، دھرم کے قیام اور برائی کے خاتمے کے لئے اکثر بشری وحیوانی لباس میں دنیا میں آتا ہے اور خدا کوئی بھی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے خدا نے کسی زمانے میں جسدی روپ نہیں دھارا اور نہ ہی الوہیت میں کسی کو اپنا شریک بنایا چنانچہ قرآنِ پاک نے بھرپور انداز میں اس تجسیدی نظریے کی تردید کرتے ہوئے مسیح کی بشریت اور رسالت کو واضح کیا کیونکہ اسلام میں انسان کا خدا سے رشتہ خالق اور مخلوق کا ہے اور خدا کا رسول سے رابطے کا ذریعہ براہِ راست ایک کامل وحی ہے۔ یادرہے! وحی کا یہ سلسلہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے اس دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد مکمل ہوا۔

عالمگیریت

ہندو مذہب ایک محدود دَھرم ہے جو اپنے دامن میں صرف ان ہندوؤں کو جگہ دیتا ہے جو بائی برتھ (یعنی پیدائشی) ہندو ہوں، کسی اور مذہب یا قوم سے تعلق رکھنے والوں کو ہندو اَوّلاً اپنے مذہب میں شامل نہیں ہونے دیتے اور اگر کوئی اصرار کرکے ہندو مذہب قبول کرنا چاہے تو اسے پنچ اور گھٹیا ذات کے درجے میں رکھا جاتا ہے اور یہ چیز آج تک موجود ہے اس کے برعکس اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور قرآنِ پاک ایک عالمگیر قانونی کتاب ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۟﴾ (پ۳۰، التکویر:۲۷) "ترجمۂ کنزالعرفان: وہ تو سارے جہانوں کے لئے نصیحت ہی ہے۔" اور پیغمبرِ اسلام کے ذریعے یہ اعلان بھی کروایا گیا: ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا﴾ (پ۹، الاعراف:۱۵۸) "ترجمۂ کنزالعرفان: تم فرماؤ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔" اس لئے دینِ اسلام قیامت تک ہر نسل اور قوم، ہر خطے اور مملکت، ہر رنگ وروپ اور ہر بولی بولنے والے عربی و عجمی کے لئے ایک عالمگیر مذہب کی صورت میں موجود رہے گا اور اسلام اپنے دامنِ رحمت میں ہر ایک کو پناہ دے کر دوسرے مسلمانوں کے برابر اس کے حقوق بھی تسلیم کرتا رہے گا۔

تناسُخ / آواگون

تناسخ یا آواگون کا مطلب ہے انسان کا گناہوں یا نیکیوں کے باعث بار بار جنم لینا۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ روحوں کی تعداد محدود ہے خدا مزید روح پیدا نہیں کر سکتا اس لئے روحوں کو آواگون کے چکر میں ڈال دیا، اسلام اَرواح کے دوسرے

شخص یا دوسرے جانداروں کی صورت میں جنم لے کر گزشتہ اعمال کی تلافی کرنے کے نظریہ کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس نظریہ کو کھلم کھلا مسترد کرتا ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں اِرشاد ہوتا ہے:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

(پ۱۸، المؤمنون:۹۹-۱۰۰)

ترجمۂ کنز العرفان: یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آتی ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے واپس لوٹا دے۔ جس دنیا کو میں نے چھوڑ دیا ہے شاید اب میں اس میں کچھ نیک عمل کرلوں، ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے ایک رکاوٹ ہے اس دن تک جس دن وہ اٹھائے جائیں گے۔

جبکہ تناسخ پر اعتقاد رکھنے والوں کے لئے قیامت، حساب وکتاب، جنت و دوزخ اور آخرت کے ثواب و عذاب کے بارے میں کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ تقریباً اکثر لوگ مرنے کے بعد مسلسل دنیا میں دوبارہ پلٹ کر آتے رہتے ہیں اور ہر بار دنیا میں اپنے اعمال کی جزاو سزا پاتے ہیں۔ اس قسم کا نظریہ انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃ والسّلام کی تعلیمات سے تضاد رکھتا ہے اور دینِ اسلام کے نظریہ کے بھی خلاف ہے۔

نیوگ

ہندو مذہب میں شادی کے علاوہ ایک اور عقد بھی جائز تسلیم کیا گیا ہے جسے "نیوگ" کہتے ہیں۔ اس میں شادی شدہ عورت کا شوہر بیماری کے سبب یا کسی اور وجہ سے اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تو عورت نیوگ کے ذریعہ اولاد پیدا کر سکتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت سے اس کے شوہر کی موجودگی میں دوسرا شخص بھی کچھ مدت کے لئے نکاح کر سکتا ہے اور اس طریقے سے پیدا ہونے والی اولاد اصلی شوہر کی ہی سمجھی جاتی ہے اور ایسا نکاح (نیوگ) دس مردوں سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک عجیب طریقے پر جنسی جذبات کی تسکین اور حصولِ اولاد کا طریقہ ہے جو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا۔

دینِ اسلام کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں مکمل اور تفصیلی احکام اسلامی تعلیمات میں نہ ہوں۔ باقی نظاموں کی طرح اسلام کا ازدواجی نظام بھی ایک مکمل، مفصل اور افراط و تفریط سے پاک نظام ہے جس کی تمام شقیں انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور عمل کرنے کے لئے بھی بہت آسان ہیں۔ اسلام میں نکاح کی بڑی اہمیت ہے۔ اسلام نے نکاح کے تعلق سے جو فکرِ اعتدال اور نظریۂ توازن

پیش کیا ہے وہ نہایت جامع اور بے نظیر ہے۔اسلام کی نظر میں نکاح محض انسانی خواہشات کی تکمیل اور فطری جذبات کی تسکین کا نام نہیں بلکہ جس طرح انسان کی دیگر بہت ساری فطری ضروریات ہیں بس اسی طرح نکاح بھی انسان کی ایک اہم فطری ضرورت ہے اس لئے اسلام نے انسان کو اپنی اس فطری ضرورت کو جائز اور مہذب طریقے کے ساتھ پورا کرنے کے لئے نکاح کی اجازت دی ہے اور اسے انسانی بقا و تحفظ کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔اسلام نے تو نکاح کو احساسِ بندگی اور شعورِ زندگی کے لئے عبادت سے تعبیر فرمایا ہے۔نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے چنانچہ اِرشاد فرمایا:"اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ یعنی نکاح کرنا میری سنت ہے۔"[1] نکاح کے معاملے میں اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ پاکیزہ اولاد اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے اس لئے اسلام، نیوگ جیسے غیر فطری نظریات کا بڑی شدت سے رد کرتا ہے۔

ذات پات کی تقسیم

ہندو مذہب میں ذات پات کی غیر اخلاقی تقسیم بھی ہے اور اس فعل میں ان کی مذہبی کتب کا اہم کردار ہے۔ہندوؤں نے اپنے آپ کو چار قسموں میں تقسیم کرلیا ہے: براہمن، کھشتری، ویش، شودر۔ ان کے یہاں ذات پات کی اونچ نیچ کا یہ حال ہے کہ شودر قوم کو مندر جانے بلکہ بھجن سننے کی بھی اجازت نہیں جبکہ اس کے برعکس اسلام ہر انسان کو مساوی حیثیت دیتا ہے۔ امیر ہو یا غریب، ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، عربی ہو یا عجمی اللہ پاک کے حضور سب برابر ہیں اور افضلیت کا مدار تقویٰ پر ہے جیسا کہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ(۱۳) (پ۲۶، الحجرات:۱۳)	ترجمۂ کنز العرفان: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

اسی طرح خطبۃ الوداع میں نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"لوگو! سن لو! زمانۂ جاہلیت کے تمام رسم و رواج آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔[2] لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ آدم ہے۔کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی

1 ...... ابن ماجہ، 2/406، حدیث:1846
2 ...... مسلم، ص489، حدیث:2950

عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں، فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے اور تم سب آدم کی اولاد ہو۔ تم سب پر ایک دوسرے کا خون عزتیں اور مال حرام ہے۔[1] خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔"[2]

عورت

ہندو مذہب میں عورت کے متعلق بدترین نظریات اور احکامات پائے جاتے ہیں۔ بیوہ ہونے کی صورت میں کبھی اُسے رسمِ ستی کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے اور کبھی اس کی زندگی کو بالکل فضول گردانا جاتا ہے۔ ہندو مذہب میں بیوہ عورت کتنی مشکلات کا شکار ہوتی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ ان کے ہاں بیوہ کا ہر وقت سفید لباس میں رہنا ضروری ہوتا ہے اور لوگ اسے منحوس سمجھ کر اپنے رسم و رواج سے دُور رکھتے ہیں تو یوں بیوہ عورت کے لئے اس کی زندگی مرنے سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نیوگ جیسی بدترین رسمیں ہندو مذہب میں عورت کے پست مقام کو ظاہر کرتی ہیں۔

جبکہ اس کے برعکس اسلام میں ایسا کوئی بھی ظالمانہ شرعی حکم نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کو بہت بڑی عزتوں سے نوازا ہے یہاں تک کہ نرینہ اولاد کی طرح بیٹیوں کو بھی وراثت میں حق دار ٹھہرایا ہے اور ان کے حقوق کی پاسداری پر بڑا زور دیا ہے۔ عورت کو ماں کے روپ میں وہ مقام دیا کہ اس کے قدموں کے نیچے جنت رکھ دی،[3] اس کے چہرے کو محبت کی نظر سے دیکھنے پر ایک حج کے ثواب کی خوشخبری سنائی[4] اور اُسے باپ سے تین درجے مقدم رکھا۔[5] اسلام نے عورت کو اتنی عزت دی کہ قرآنِ پاک کی دو سورتوں (سورۂ نساء اور سورۂ مریم) کے نام عورتوں کے نام پر ہیں۔

ہندو مذہب کے مقابلے میں اسلام میں عورت کا کیا مقام ہے اور اس کے لیے قوانین میں کیسی کیسی شرعی رعایتیں دی گئی ہیں ملاحظہ کیجئے چنانچہ عورتوں کے بارے میں قرآنِ مجید میں اللہ پاک کا اِرشاد ہے: ﴿عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ﴾ (پ۴، النسآء:۱۹) "ترجَمۂ کنز العرفان: ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔" اور حدیثِ پاک میں فرمایا: "اِسْتَوْصُوْا

---

1 ...... مسند احمد، 9/127، حدیث: 23548 ملتقطاً

2 ...... بخاری، 1 63، حدیث: 121

3 ...... نسائی، ص504، حدیث: 3101

4 ...... شعب الایمان، 6/186، حدیث: 7859

5 ...... عمدۃ القاری، 9/191، تحت الحدیث: 2408 ماخوذاً

بِالنِّسَآءِ خَيْرًا یعنی عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔"[1] بلکہ اسی کے ساتھ یہ ہدایت بھی دی کہ عورتوں سے اگر کوئی تکلیف پہنچے تو یہ خیال کرکے کہ ان میں بہت سی خوبیاں ہیں درگزر کرو۔اسی طرح ایک حدیثِ پاک میں اللہ پاک کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: "اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ یعنی کامل مؤمن وہ ہے جس کا اَخلاق سب سے اچھا ہو اور تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں اچھے ہیں۔"[2]

عورت کے ساتھ بہتر برتاؤ، عزت واحترام اور دِلجوئی کا حکم اس کی صنفی نزاکت کے لحاظ اور رعایت کی بنا پر ہی ہے کیونکہ نازک چیز کی رعایت کی جاتی ہے۔ایک حدیثِ صحیح میں انہیں قواریر[3] (یعنی آبگینہ) فرما کر ان کی نزاکت کا اعتراف کیا گیا ہے۔اسی بنیاد پر اسلام میں اسے کسبِ معاش کی مشقتوں سے بچایا گیا اور اس کا نفقہ کسی نہ کسی مرد کے ذمہ کر دیا گیا چنانچہ شادی سے قبل والد پر، والد نہ ہونے یا اس کے اخراجات برداشت کرنے کے لائق نہ ہونے کی صورت میں حسبِ اُصولِ وراثت دادا، چچا اور بھائیوں وغیرہ پر اور شادی کے بعد شوہر پر اور شوہر سے علیحدگی کی صورت میں عدت کے دوران کے تمام اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں یہاں تک کہ شیر خوار بچے کی موجودگی میں عدت کے بعد بھی اگر عورت دودھ پلانے کی اجرت طلب کرے تو وہ اس کی حقدار ہے۔

ہندوازم کا تنقیدی جائزہ

ہندو مذہب کی نہ تو کوئی مستند تاریخ ہے اور نہ ہی ان کی مذہبی کتب کے متعلق کچھ صحیح ہے اور جو موجود ہیں ان میں کافی تضاد پایا جاتا ہے۔ہندومت کسی ایک مذہب کا نام نہیں بلکہ مختلف ومتضاد عقائد ورسوم، رجحانات وتصورات اور توہمات کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ مختلف جماعتوں کے مختلف نظریات کا مرکب ہے اسی وجہ سے یہ اپنے اندر کوئی جاذبیت نہیں رکھتا۔ یہ ایک ایسا اِفراط وتفریط میں بٹا ہوا مذہب ہے کہ جس میں الحاد سے لے کر عقیدۂ اوتار تک سب ضم کر لئے گئے ہیں یہاں تک کہ اس میں دہریت، بُت پرستی، شجر پرستی، حیوان پرستی اور خدا پرستی بھی شامل ہیں۔ اس مذہب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہندو بھی عیسائیوں کی طرح عقیدۂ تثلیث کے قائل ہیں لیکن ہندوؤں کے تین خدا الگ ہیں جن کو

1 ......بخاری، 3/457، حدیث:5158
2 ......ترمذی، 2/386، حدیث:1165
3 ......بخاری، 4/158، حدیث:6209

وہ تریموَرتی کہتے ہیں۔ ہندو مذہب خدا کے تصور میں تجسیم کا بھی قائل ہے جس کو ہندو اوتار کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان کا ماننا ہے کہ خدا البَشَری لبادے میں آکر کسی کی بھی مدد کر سکتا ہے۔ اسی عقیدۂ اوتار کو مانا جائے تو پھر دنیا میں کئی لوگ اس کے دعویدار ہوسکتے ہیں بلکہ ہوئے بھی ہیں اور اس عقیدے کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں خدا کو لاچار ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کی ہدایت خود معبود رہ کر نہیں کر سکتا اور نہ ہی اپنے مخصوص بندوں کو بطورِ حجت مخلوق پر ہادی بنا سکتا ہے بلکہ اس کام کے لیے اُسے خود کسی مخلوق میں نزول کرنا ضروری ہے۔ بہر حال ہندو اِزم میں مذہبی تعلیمات کے سلسلے میں ایسی کوئی قابلِ قدر شے موجود نہیں کہ جو جامع مانع ہو کیونکہ ان کی بنیادی کتب ویدیں ہیں جو تحریف شدہ ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ اس مذہب میں ذات پات کی غیر اخلاقی تقسیم کا نظارہ بھی ملاحظہ ہو کہ ہندوؤں نے خود کو چار گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے، کچھ تو ایسے ہیں کہ جن کے ساتھ خود ہندوؤں کا سلوک بھی انسانیت کے درجے سے گرا ہوا ہے جیسا کہ مندر میں جانے والا بھی ہندو، جس کے جانے سے مندر ناپاک ہو جاتا ہے وہ بھی ہندو اور وہ بھی ہندو جس کے متعلق حکم ہے کہ اگر وہ وید سن لے تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے اور پڑھ لے تو زبان کاٹ دی جائے اور یاد کرلے تو دل چیر دیا جائے۔

عورت ذات کے متعلق بھی ان کی کتب میں بدترین اَحکام کی بھرمار ہے جیسا کہ شوہر کی موجودگی میں عورت کا کسی دوسرے مرد سے کچھ دیر کے لئے شادی کا ہو سکنا مگر اولاد ہونے کی صورت میں وہ پہلے شوہر ہی کی کہلائے گی، عورت کا نردھن (یعنی مال) سے محروم ہونا، اسی طرح باپ کی جائداد کا وارث نہ بننا، اس کا جوئے میں ہارنا اور فروخت کرنے میں جائز ہونا وغیرہ۔ اس کے علاوہ ہندو مذہب کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ یہ ایک متعصب قوم ہے جو اپنے مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب بالخصوص اسلام کو پسند نہیں کرتی۔ ہندو مذہب میں ظلم و زیادتی کی انتہا یہ ہے کہ مسلمانوں کے گائے کی قربانی کرنے پر اُنہیں قتل کر دیا جاتا ہے۔ تعصب اور ظلم کی یہ داستانیں بہت کربناک و طویل فہرست پر مبنی ہیں۔ الغرض ہندو مذہب میں جہاں اخلاقیات کا فقدان ہے وہاں یہ خرافات پر مشتمل عقائد جیسا کہ نیوگ، تناسخ وغیرہ کا مجموعہ ہے۔

زرتشتیت Zoroastrianism

تعارف

زرتشتیت یا زرتشت ازم چھٹی صدی قبلِ مسیح میں ایک ایرانی مفکر و مذہبی پیشوا "زرتشت" Zoroaster سے منسوب ایک قدیم آریائی مذہب ہے۔ ایران کے قدیم مذاہب میں اسے ایک خاص مقام حاصل ہے۔ موجودہ زرتشت مذہب کی تعلیمات میں صاف اور واضح طور پر وحدانیت کا تصور موجود نہیں بلکہ دو خداؤں (ایک خیر اور دوسرے شر کے خدا) کا نظریہ ملتا ہے۔ یاد رہے! آج کل مجوسی اور پارسی بول کر یہی مذہب مراد لیا جاتا ہے۔ اگرچہ مجوسی مذہب زرتشتیت سے پہلے وجود میں آیا اور یہ ایک علیحدہ مذہب ہے لیکن موجودہ دور میں دونوں کے عقائد و رُسومات کا آپس میں ایسا اختلاط ہوا کہ اب دونوں ایک ہی مذہب شمار ہوتے ہیں۔ بہر حال زرتشتیت کے قدیم مذہب ہونے کے باوجود اس کے پیروکاروں کی تعداد بہت ہی کم ہے اور اس وقت اس کا وجود ایران، آذربائیجان، بھارت، پاکستان اور اس کے اِرد گرد کی ریاستوں میں پایا جاتا ہے۔

تاریخ

زرتشت کی تاریخِ پیدائش میں مؤرخین کا اختلاف ہے تاہم راجح روایات کے مطابق زرتشت 610 قبلِ مسیح آذربائیجان میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام "پورشاسپ اسپیتما" اور والدہ کا نام بعض تواریخ میں "دُغدو" اور بعض میں "اسان" ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بچپن کے حالات دینی کتابوں سے واضح نہیں ہوتے البتہ بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ زرتشت کی پیدائش کے وقت ایران کے بڑے بڑے کاہن سخت پریشان ہوئے اور اسے قتل کرنے کی تدابیر سوچنے لگے چنانچہ ایک مرتبہ زرتشت کو جلتی آگ میں پھینک دیا گیا لیکن آگ نے اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ آگ میں کھیلتا رہا، اس کے بعد اسے جانوروں کے پاؤں تلے روندھنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ بچ گیا اور ایک مرتبہ اُسے بھیڑیوں کے غار میں اکیلا چھوڑ دیا گیا تاکہ ہلاکت کو پہنچے لیکن آسمان سے دو فرشتے بکریوں کی صورت میں نمودار ہوئے اور اُسے دودھ پلانے لگے اور یوں وہ بھیڑیوں سے محفوظ رہا۔

بہر حال زرتشت تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنے علاقے کے ایک بڑے حکیم و دانشمند "بزاکرزا" کے پاس گیا اور ایک سال کے مختصر سے عرصے میں مختلف علوم و فنون مثلاً مذہب، زراعت، غلہ بانی اور جَرّاہی سیکھ لی لیکن ان چیزوں کی

طرف اس کی توجہ بہت کم تھی۔اس کا عہدِ شباب تنہائی اور خلوت گزینی میں بسر ہوا، اس وقت وہ ہمیشہ غور و فکر میں مصروف رہتا، اسی اثنا میں اسے خواب میں سات مرتبہ بشارتیں ہوئیں جس کی بنا پر اسے یقین ہو گیا کہ اللہ پاک نے اسے پیغمبری کے منصب پر فائز کیا ہے چنانچہ اس نے اس کا اعلان بھی کر دیا۔ مجوسیوں کے بقول زرتشت نے اپنی تعلیمات میں کائنات میں جاری خیر و شر کی کشمکش کو موضوعِ دعوت بنایا۔اس نے متضاد جوڑوں جیسے خیر اور شر، روشنی اور تاریکی، نیکی اور بدی کی صورت میں اپنا فلسفہ بیان کیا اور یہ عقیدہ بنالیا کہ خدا ایک نہیں بلکہ دو ہیں، ایک خدائے خیر اور دوسرا خدائے شر، خدائے خیر "خیر" کو اور خدائے شر "شر" کو پیدا کرتا ہے گویا خیر کا خالق کوئی اور ہے اور شر کا خالق کوئی اور۔

خدائے خیر اور خدائے شر کی تفریق کرنے کے بعد زرتشت نے ان دونوں کے الگ الگ نام رکھے چنانچہ خدائے خیر کو اس نے "اہورامزدا" کے نام سے موسوم کیا اور خدائے شر کو "اینگرو مینو" کا نام دیا۔زرتشت خدائے خیر کی عبادت کرتا تھا اور خدائے شر "اہرومن / اہرومان Ahriman" کو شیطان تصور کرتا تھا۔

زرتشتیت کا ارتقا

ابتدائی طویل سالوں میں اسے بہت کم کامیابی ملی مثلاً پہلے دس سالوں میں اس کے حلقۂ عقیدت میں صرف ایک شخص داخل ہوا۔ اپنے آبائی وطن میں دعوت کی کامیابی سے مایوس ہو کر اس نے مشرقی ایران کا سفر اختیار کیا۔وہاں صوبۂ خراسان کے شہر کشمار(KASHMAR) میں اس کی ملاقات وِستاسپ(VISHTASPA) سے ہوئی جو وہاں کا حکمران تھا۔ پہلے اس بادشاہ کے وزیر کے دو لڑکے اور اس کی ملکہ زرتشت کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے پھر درباری علما کے ساتھ اس کا مناظرہ ہوا تو انہوں نے اپنے جادو کے زور سے اس پر غلبہ پانا چاہا لیکن سب کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس کی شخصیت سے متأثر ہو کر آخر کار بادشاہ بھی اس کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا۔ وستاسپ اس کا دستِ راست ثابت ہوا نیز اسی کی وجہ سے اس مذہب کو ترقی اور عروج نصیب ہوا۔ اسی اثنا میں وسطِ ایشیا کے تورانیوں نے ایران پر حملے شروع کر دیئے۔ ایک روایت کے مطابق تورانیوں اور زرتشتیوں کے درمیان فیصلہ کن جنگ جدید سبزہ وار کے ایک میدان میں لڑی گئی۔ تورانیوں نے جب دوسری مرتبہ حملہ کیا تو زرتشت جو اپنی عزت و ناموری کے عروج پر تھا بلخ کے مقام پر قتل کر دیا گیا۔ ایک روایت یہ بتاتی ہے کہ زرتشت قربان گاہ پر اس وقت مارا گیا جب اس کے گرد اس کے عقیدت مندوں اور اُمتیوں کا کثیر ہجوم تھا۔

زرتشت کے بعد زرتشتیت کے احوال

زرتشت کی وفات کے بعد اس کے مذہب کی صورتِ حال کیا رہی؟اس کے بارے میں تاریخی تسلسل تو کئی جگہوں سے منقطع ہے لیکن اس کا ارتقائی سفر نہ رکا۔یہ مذہب مشرقی ایران سے ہوتے ہوئے کچھ ہی عرصہ میں ایران کے مغربی حصہ میں پہنچا اور وہاں کے مذہبی طبقے "مغ" نے بھی اسے قبول کر لیا۔مغوں کی حیثیت وہی ہے جو ہندوستان میں برہمن کی ہے،اسی طرح ایران کی بڑی سلطنت "ہخامنشی" کے حکمران بھی اسی مذہب کے پیروکار تھے اور ان کے دورِ حکومت میں زرتشت ہی ان کا سرکاری مذہب رہا لیکن سکندرِ اعظم کے حملے کے بعد چونکہ "ہخامنشی" کا دورِ حکومت ختم ہو گیا چنانچہ اس کے بعد زرتشتی مذہب کا زور بھی ٹوٹ گیا۔ سکندرِ اعظم نے اس دور کی عظیم لائبریری "پرسپولس" کو بھی تباہ کر دیا تھا جہاں زرتشت مذہب کی دینی و تاریخی کتب محفوظ کی گئیں تھیں اسی وجہ سے اس مذہب کا ایک بہت بڑا تاریخی حصہ بھی نامعلوم ہے۔ بہر حال BC247 میں اشکان اول نے یونانی سلطنت کا خاتمہ کر کے پارتھیا سلطنت قائم کی۔اس سلطنت کے حکمرانوں کا مذہب بھی زرتشتیت تھا، یہ سلطنت Ce224 میں زوال کا شکار ہوئی اور ساسانی خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔یہی دورِ حکومت اس کے عروج کا زمانہ تھا اور پھر چار سو سال تک یہی سرکاری مذہب رہا اور مسیحیت سے ٹکر لیتا رہا۔ ساسانیوں نے زرتشت کی دینی کتب جو مختلف حصوں میں تقسیم تھیں انہیں اکٹھا کر کے دینی کتاب "اوستا" مرتب کی نیز کئی مذہبی و معاشرتی امور میں اصطلاحیں قائم کیں مثلاً

1۔مغانِ مغ: اس دور میں عبادت کے لئے آتش کدے قائم کئے گئے تھے اور یہ اس کے سربراہ کو پکارنے کے لئے معزز لقب تھا۔

2۔مؤبد: ہر ضلع کے لئے ایک رہنما مقرر تھا جس کو یہ لقب دیا گیا تھا۔

3۔مؤبدان مؤبد: یہ مؤبد کے سربراہ کا لقب تھا، یہ وہ اتھارٹی ہوا کرتی تھی کہ مذہب و شریعت کی تشریح کا حق صرف اسی کو حاصل تھا۔

4۔ہیربذ: نماز ادا کروانے والے کے لئے عہدے کا نام تھا۔

5۔دستور: مذہبی ماہرین کا لقب تھا۔

بہر حال ساسانی خاندان کا یہ دور زرتشت مذہب کا سنہری دور تھا اور یہ اس کے ارتقائی سفر کا آخری دور تھا۔

زرتشت کا زوال

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی ایک بڑی طاقت اسلام کا ظہور ہوا۔اس دور میں ایران میں خسرو پرویز کا اقتدار ختم ہوا۔اس کے بعد ایران کو کئی مسلم فاتحین کا سامنا کرنا پڑا جس میں اسے ناکامی ہوئی اور ایران مسلمانوں کے زمرے میں آگیا۔مسلمانوں نے یہاں زرتشت مذہب کے پیروکاروں کو مذہبی آزادی دی،یہ لوگ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں اپنے عقائد پر قائم رہ سکتے تھے لیکن ایران میں اسلام کے بعد زرتشت کا چراغ بالکل بجھ گیا اور ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا سوائے ایک قلیل گروہ کے ایران میں زرتشت مذہب ہی ختم ہو گیا۔

فائدہ

900 C.E کے لگ بھگ ایران اور اس کے گرد و نواح میں باقی رہ جانے والے زرتشت پیروکار ہندوستان ہجرت کر گئے جہاں انہیں مخصوص شرائط کے ساتھ گجرات میں آباد ہونے کی اجازت مل گئی اور یہاں یہ لوگ پارسی (فارسی) کہلائے۔ہندوستان میں پارسیوں نے کئی دینی کتابوں کا گجراتی زبان میں ترجمہ کیا اور اپنے مذہب پر خاص کام بھی کیا جس کے نتیجے میں ان کے ہاں علمُ الفقہ کا ایک بڑا دفتر تیار ہو گیا۔شروع میں یہ کھیتوں میں کسانوں کی طرح کام کرنے لگے لیکن انگریزوں کے اقتدار کے زمانے میں انہوں نے تعلیم، تجارت اور صنعت میں زبردست ترقی کی اور صوبۂ گجرات اور بمبئی کی معاشی زندگی میں خاص مقام حاصل کر لیا۔

زرتشتی مذہب اپنے شروع کے دور میں شمالی ایران کے امن پسند و متوکل لوگوں کی عکاسی کرتا ہے۔یہ لوگ اپنے دشمن خانہ بدوشوں سے بالکل مختلف تھے جو نیچر پرست، کئی دیوتاؤں کو ماننے والے اور جن کی زندگی زیادہ تر گھوڑوں کی پیٹھ پر گزرتی تھی۔زرتشت ان لوگوں کا مقابلہ ہمیشہ اپنے لوگوں سے کرتے تھے اور اپنے لوگوں کو انصاف پسند و پاک باز (آشا) بتلاتے تھے جبکہ خانہ بدوشوں کو جھوٹے اور دھوکے باز گمان کرتے تھے۔زرتشت ہمیشہ زمین کی پیداوار بڑھانے اور مویشیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کرتے تھے اس لئے کہ مویشیوں کی محنت سے ہی غذا پیدا ہوتی ہے چنانچہ انہوں نے دیوتا متھرا کے سامنے بیلوں کی قربانی منع کر دی اور عبادت کے وقت ہاوما (ایک قسم کی نشہ آور چیز) کے استعمال پر بھی پابندی لگا دی۔

عقائد و نظریات

زرتشت عقائد کو بیان کرنے سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اوّلاً مجوسیت اور زرتشت دونوں علیحدہ

مذہب تھے کیونکہ زرتشت کا دور بعد میں آیا جبکہ مجوسیت اس سے بہت پہلے ایران میں اپنے عروج پر تھی لیکن بعد میں ایسا اختلاط ہوا کہ دونوں ایک ہی ہوگئے یعنی جب بھی زرتشت اِزم کا تذکرہ ہوتا ہے تو عموماً ذہن میں فوراً مجوسیت کا تاثر اُبھرتا ہے۔یہ بھی ذہن نشین کرلیجئے کہ ماہرینِ تقابلِ ادیان نے لکھا ہے کہ زرتشت ابتداءً عقیدۂ توحید کے قائل تھے جیساکہ دساتیر میں خدا کے لئے تحریر کردہ صفات سے ظاہر ہوتا ہے جو نیچے ذکر ہیں لیکن یہاں موجودہ زرتشت جو کہ مجوسیت کا مکمل لبادہ اوڑھ چکے ہیں ان کے عقائد و نظریات بیان کیے جائیں گے۔

زرتشتیت میں خدا کا تصور

زرتشت نے اپنی تعلیمات میں خدائے واحد کا تصور نہیں بلکہ دو خداؤں کا تصور دیا ہے۔ایک خیر کا خدا جس کا نام "اہورامزدا" اور دوسرا شر کا خدا جس کا نام "اہرمن" ہے اور ان کے مطابق خیر اور شر کے دونوں خدا تخلیق پر قادر ہیں۔ خیر کا نشان نور ہے اور شر کا ظلمت۔ تمام مفید اور نفع بخش اشیا خیر کے خالق "اہورامزدا" کی تخلیق ہیں اور تمام مضر اور تکلیف دہ اُمور کا خالق "اہرمن" ہے اور یہ دونوں طاقتیں ہر وقت برسرِ پیکار رہتی ہیں۔

سات غیرِ فانی ہستیاں

زرتشت میں خدا کی صفات کو مختص کرکے سات غیرِ فانی ہستیاں قرار دی گئی ہیں۔ یہ سات روحیں ہیں جن میں سرِ فہرست اہورامزدا کا نام ہے باقی چھ صفات درج ذیل ہیں اور زرتشت عقیدے کے مطابق یہ 6 ہستیاں خدائے خیر اہورامزدا کے ساتھ ہوتی ہیں:

(1) وُہومناہ (یعنی نیک خیال) (2) آشاوِہشتا (یعنی صداقت) (3) سپنٹاامریتی (یعنی عقیدت اور اخلاص)

(4) خشترَ اویریہ (یعنی مکمل اختیار) (5) ہوروتات (یعنی بے عیبی) (6) امریتات (یعنی بقائے دوام)

زرتشت کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے لوگوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کی دعوت دی جسے ان کی زبان میں "اہورامزدا یا آرمزد" کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے "سب کچھ جاننے والا خداوند برتر اور ساری دنیا کا پیدا کرنے والا۔" جیساکہ دساتیر اور اوستا میں خدا کی صفات بیان کی گئیں ہیں، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے لیکن بعد میں زرتشت کے ماننے والے درسِ توحید بھلا کر اور خیر وشر کے دو خدا مان کر شرک کے عمیق گڑھے میں جا گرے۔

دساتیر کے مطابق خدا کی صفات

دساتیر میں خدا کے لئے درج ذیل صفات بیان کی گئی ہیں:

(1)وہ ایک ہے۔ (2)اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

(3)نہ اس کی ابتدا ہے اور نہ ہی انتہا۔ (4)وہ بے جسم اور بے شکل ہے۔

(5)وہ ہم سے زیادہ ہمارے نزدیک ہے۔ (6)وہ اُن سب سے بڑھ کر ہے جن کے متعلق ہم سوچ سکتے ہیں۔

(7)نہ اس کا کوئی باپ ہے اور نہ ہی کوئی بیٹا، نہ کوئی بیوی ہے اور نہ ہی اولاد۔

(8)نہ آنکھ اس کا احاطہ کر سکتی ہے اور نہ ہی فکری قوت سے اسے تصور میں لایا جاسکتا ہے۔

خدا کی صفات آوستا کے مطابق

آوستاء گاتھا اور یَنس کے مطابق اہورامزدا کی کئی صفات ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(1)خالق (2)بہت قوت و عظمت والا (3)داتا"ہدائی" (4)سخی سپنٹا

حیات بعد الموت/پل صراط

زرتشت میں یہ عقیدہ موجود ہے کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں واپس آئے گا۔ اس تجدیدِ حیات کا عمل ایک ایسے نجات دہندہ کے توسط سے ہو گا جو زرتشت کی نسل سے ہو گا اور ایک کنواری ماں کے بطن سے پیدا ہو گا۔ پھر نیک لوگوں کو جنت اور بدکار و گناہ گار لوگوں کو دوزخ کی سزا ملے گی اور یہ آخری نجات و تزکیہ ہو گا۔ بدکار لوگ پُل[1] سے دوزخ میں گرا دیئے جائیں گے جہاں وہ سزا پائیں گے، وہاں انہیں کھانے کے لئے غلیظ و بدبودار کھانا ملے گا، ایک طویل اندھیرا اور خوفناک شور ہو گا اور وہ بڑی تکلیف دہ زندگی گزاریں گے۔ گناہ گار کے مرنے کے بعد تین دن تک اس کی روح اس کے سر کے پاس منڈلاتی رہتی ہے، تیسرے دن کی رات کے اختتام پر اس کی روح کو بدبودار جنگل اور بیابان میں سانس لینا پڑتا ہے جو جہنم کا حصہ ہے اور پھر اس پر گندی اور بدبودار ہوا چلنا شروع ہو جاتی ہے۔ پہلے مقام پر تو سزا یافتہ کو بُرے خیالات، بُری گفتار اور بُرے اعمال کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا اور پھر آخر کار اُسے ہمیشہ کے لئے اندھیرے میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے برعکس نیک لوگوں کے لئے یہ (پُل) کشادہ ہو جائے گا اور وہ اس پر آسانی کے ساتھ گزر جائیں گے۔

آگ کے متعلق عقیدہ

ابتداءً زرتشت مذہب میں "اہورامزدا" کے لئے آگ کو بطورِ علامت استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ ان کے نزدیک یہ

---

1 ...... جس کو چنیوِد بھی کہا جاتا ہے۔

ایک پاک اور طاہر شے ہے جو دوسرں کو بھی پاک کرتی ہے اس لئے معبدوں کے سامنے آگ جلائی جاتی ہے تاکہ اُن کی پوجا کی جاسکے لیکن پھر رفتہ رفتہ صرف آگ ہی ان کی عبادت کا محور بن گئی اور یوں پارسی آتش پرست بن گئے۔

مجوسی آگ کی پرستش کرتے ہیں اور ہر وقت اسے جلائے رکھتے ہیں ایک لمحہ کے لئے بھی بجھنے نہیں دیتے۔ کہا جاتا ہے کہ مذہبی پیشوا "زرتشت" کی جلائی ہوئی آگ ہزاروں سال تک جلتی رہی اور جب نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو وہ خود بخود بجھ گئی۔ یاد رہے! زرتشتیوں کے نزدیک مقدس وپاک صرف معبد کی آگ ہے کیونکہ وہ ایک مخصوص مقصد اور مذہبی علامت کے طور پر جلائی جاتی ہے۔ ہاں! جس آگ نے کسی مردہ انسان یا کتے کو چھوا ہو یا کسی انسانی مقصد کو پورا کرنے کے لئے جلائی گئی ہو وہ مقدس نہیں۔

آخرت کے متعلق عقیدہ

زرتشتیوں کے ہاں آخرت، جنت، دوزخ اور ملائکہ کے وجود اور انبیا کی ضرورت کا نظریہ پایا جاتا ہے جو آسمانی مذاہب کے بنیادی عقائد ہیں۔ زرتشت کا عقیدۂ آخرت یہ ہے کہ موجودہ نظام درہم برہم ہونے کے بعد ایک نیا نظام ظاہر ہوگا، حق وباطل کا موازنہ ہوگا اور باطل کو آگ اور پگھلی ہوئی دھاتیں کھا جائیں گی جبکہ حق و صداقت کے آگے آگ اور پگھلی ہوئی دھاتیں دودھ کی نہریں بن جائیں گی۔ موت کے بعد انفرادی محاسبہ ہوگا اور قیامت کے دن اجتماعی حساب وکتاب ہوگا۔ زرتشت عقیدہ کے مطابق اچھے انسان مرنے کے بعد ایک ایسی زندگی میں داخل ہوں گے جس میں نیک اعمال اور اچھے خیالات کا چلن ہوگا اور وہ پاک بہشت میں ہوں گے اس کے برعکس بُرے انسان موت کے بعد نہ صرف بُرے اعمال سے دوچار ہوں گے بلکہ انہیں جسمانی سزا بھی ملے گی۔

مذہبی کتابیں

پارسیوں کی مقدس کتابوں میں "دساتیر اور آوستا یا زند آوستا" شامل ہیں۔

دساتیر

دساتیر کا مطلب دس حصوں پر مشتمل ایک کتاب ہے۔ دس کے معنیٰ "دس" ہیں اور تیر کا مطلب "ایک حصہ" ہے۔

دساتیر، دستور کی جمع ہے جس کا مطلب "قانون یا مذہبی قاعدہ" ہے۔

دساتیر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: (1) خرد (چھوٹا) دساتیر (2) کلاں (بڑا) دساتیر

آوستا/زند آوستا

آوستا کے معنٰی "اصل متن" اور زند کے معنی "شرح" کے ہیں۔ "زند" کا اضافہ آوستا کے ساتھ بعد میں کیا گیا اور اس طرح یہ کتاب زند آوستا کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ مجموعۂ کتب 12 صحائف پر مشتمل ہے جن میں اب صرف گاتھا محفوظ رہ گئی ہے۔

نوٹ: بعض مؤرخین کے مطابق اصل کتاب کا نام زند ہے اس کی شرح اوستا کے نام سے مشہور ہے۔ ہخنامنشیوں کے عہد میں اسے مرتّب کیا گیا اور یہ بیل کی بارہ ہزار ہڈیوں کے ٹکڑوں پر سنہری حروف سے لکھی گئی تھی۔ بہر حال زیادہ تر مؤرخین نے اوستا کو ہی اصل کہا ہے۔

آوستا کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(1) یسنا: یہ 72 ابواب پر مشتمل ہے، اس میں قربانی کی دعائیں جمع کی گئی ہیں اور یہ آوستا کا قدیم ترین حصہ ہے جو سب سے زیادہ مقدس اور الہامی قرار دیا جاتا ہے، نیز گاتھا بھی اسی میں شامل ہے۔ اس حصے میں مذہبی معلومات کو قصائد کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حصہ زرتشت کی خود اپنی تصنیف ہے اسی وجہ سے اس میں شرکیہ باتوں کا اضافہ نہیں ہوسکا جبکہ اس کے بر خلاف دوسرے حصوں میں دیوی اور دیوتاؤں کی تعریفات کی بھرمار ہے۔

(2) وسپورڈ/وسپرڈ: یہ کتاب 24 ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں یزداں کے خدا کے شریکوں کا ذکر ہے۔

(3) وندیداد: یہ 22 ابواب پر مشتمل ہے اور یہ ہندوستانی پارسیوں کا دستورِ حیات ہے۔ اس میں شیطان اور ارواحِ خبیثہ سے مقابلہ کرنے کی تدابیر ہیں۔

(4) ایشٹ: یہ 21 ابواب پر مشتمل ہے، اس میں بھجن اور دعاؤں کا ذکر ہے۔

(5) خورد آوستا: اس میں شخصی عبادت کی دعائیں ہیں جنہیں پروہت (یعنی خاندان کا گرو یا پنڈت جو اس خاندان کی مذہبی رسمیں ادا کراتا ہے وہ) اور عام لوگ یکساں پڑھتے ہیں۔

نوٹ: پارسیوں کے مذہبی صحیفے دو زبانوں میں پائے جاتے ہیں۔ پہلوی (یہ موجودہ فارسی دستاویز سے مشابہت رکھتی ہے) اور ژندی۔ ان دو زبانوں کے علاوہ کچھ مذہبی مواد ایسی تحریری شکل میں پایا جاتا ہے جسے پڑھا نہیں جا سکتا۔ کچھ زرتشتی دساتیر کو زیادہ مستند سمجھتے ہیں جبکہ کچھ آوستا کو۔

www.dawateislami.net

رسم ورواج

ملاقات کی رسم

مجوسی مذہب کے پیروکار ملاقات کے وقت صرف منہ پر ہاتھ رکھتے ہیں یا صرف شہادت کی انگلی اُٹھاتے ہیں۔

قربانی کی رسم

زرتشت کے بعد اس کے پیروکاروں نے اس کی تعلیمات سے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ نیکی اور خیر کو شر پر فتح ہو گی چنانچہ شیطان سے مقابلے کے لئے انہوں نے مینڈھوں کی قربانی کی رسم ایجاد کی جس کے ساتھ گاتھا کے چند الفاظ دھرائے جاتے ہیں۔

محارم سے نکاح

معاشرتی طور پر سب سے زیادہ گھٹیا کام یہ تھا کہ زرتشیوں نے محارم سے نکاح جائز قرار دے رکھا تھا۔ وہ کہتے تھے: "بیٹے کو زیادہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ماں کی شہوت پوری کرے۔ جب خاوند فوت ہو جائے تو اس کا بیٹا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔" اسی لئے اُن کے بادشاہ یزدگرد ثانی (جس کا دورِ حکومت پانچویں صدی عیسوی کا وسط ہے اس) نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا پھر اُسے قتل کر دیا۔ بہرام چوبین (جو چھٹی صدی عیسوی میں حکمران رہا اس) نے اپنی بہن سے نکاح کیا۔

موت کی رسومات

جب کوئی زرتشتی مرتا ہے تو اس کی لاش کو دھویا جاتا ہے اور اُسے ایک صاف ستھرے کپڑوں کا جوڑا پہنایا جاتا ہے۔ مرنے والوں کی کستی (یعنی کمربند) کو جسم کے گرد لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اس خاص طہارت کی تقریب کے بعد لاش اُٹھانے والے گھر سے لے جاتے ہیں اور اپنے مُردوں کو جلانے یا دفنانے کے بجائے ایک کھلی عمارت میں رکھ دیتے ہیں تاکہ گدھیں وغیرہ کھا جائیں۔ اس خاص عمارت کو "داکھما یا منارِ خاموشی" کہا جاتا ہے۔ داکھما ایسے شہروں میں تعمیر کیا جاتا ہے جہاں پارسیوں کے عبادت کرنے والے پجاری زیادہ تعداد میں آباد ہوں۔ یاد رہے! جہاں داکھما نہیں ہوتا وہاں ان کے قبرستان ہوتے ہیں جن میں مُردوں کو باامرِ مجبوری دفن کیا جاتا ہے۔

تہوار

خورداد سال

یہ تہوار زَرتشت کے یومِ پیدائش کے طور پر منایا جاتا ہے، یہ مجوسیوں کے لئے کافی خوشی کا دن ہوتا ہے اور اس دن

عبادات کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔

نودِسو

یہ زرتشت کی وفات کا دن ہے جو عیسوی کیلنڈر کے مطابق 26 دسمبر کو آتا ہے۔ اس دن پارسی لوگ خاص طور پر عبادت کا اہتمام کرتے ہیں، زرتشت کی سیرت بیان کرنے کے لئے محفلیں سجاتے ہیں اور اس دن عبادت گاہ میں خاص طور پر حاضری دی جاتی ہے۔

نوروز

نوروز کا معنٰی "نیا دن" ہے۔ یہ ایرانیوں کے سال کا پہلا دن ہے جسے فارسیوں کا نیا سال بھی کہا جاتا ہے اور یہ مجوسیوں کا مشہور قدیمی تہوار بھی ہے جس کے خیر مقدم کے لئے ایران بھر میں پُر مسرت تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ایرانی آئین کی کتاب میں یہ ذکر ملتا ہے کہ زرتشتی اس تہوار کو وہ دن مانتے ہیں جس میں "آہورامزدا" پیدا ہوا اِسی لئے اس دن کو مبارک مانا جاتا ہے نیز ایرانی بادشاہ بھی اس دن کو متبرک سمجھتے اور اپنی مسند نشینی کا آغاز اسی دن سے کرتے تھے۔

طبقاتِ علما

زرتشت مذہب میں مذہبی رسوم کی رہنمائی کرنے والے علما کے تین درجے ہیں:

(1) دستور (2) موبد (3) ہربد

"دستور" علمائے مذاہب ہیں جبکہ "موبد" رسوم کی راہنمائی کرتے ہیں اور "ہربد" سب سے نچلے طبقے کی مذہبی رسوم کی ادائیگی کرنے والے ہیں۔

زرتشت اور اسلام کا تقابل

مذہبِ اسلام اور زرتشت کا باہمی تقابل کیا جائے تو اسلام زرتشتی مذہب سے بہت کامل اور اکمل دین ہے۔ تمام کے تمام اسلامی احکام عقل اور فطرت کے مطابق ہیں جبکہ مجوسیوں کے کئی مسائل غیر فطرتی ہیں جیسا کہ درج ذیل تقابل میں مذکور ہیں:

عقیدۂ توحید

زرتشت نے اپنی تعلیمات میں خدائے واحد کا تصور نہیں بلکہ دو خداؤں کا تصور دیا۔ ایک خیر کا خدا جس کا نام "آہورامزدا" اور دوسرا شر کا خدا جس کا نام "اہرمن" ہے۔ زرتشت کے فلسفۂ خیر و شر کے مقابلے میں اگر اسلام کا تصوّرِ

www.dawateislami.net

الہ دیکھا جائے تو کتنے پیارے انداز میں اسلام نے توحید کا واضح، صاف اور نکھرا ہوا تصور دیا ہے کہ ساری مخلوقات کا خالق ایک ہی ہے اور وہی بندوں کی بہتری کے لئے اُنہیں نعمتیں دیتا اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ زرتشت کے اس فلسفے کے مقابلے میں سورۂ بقرہ میں خدا کی وحدانیت کو اس طرح پیش کیا گیا ہے: ﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۠﴾ (پ۲، البقرۃ:۱۶۳) ”ترجمۂ کنز العرفان: اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بڑی رحمت والا مہربان ہے۔“ دوسری جگہ قرآنِ حکیم دو خداؤں کا رَدّ کچھ اس طرح کرتا ہے: ﴿لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَاۚ﴾ (پ۱۷، الانبیاء:۲۲) ”ترجمۂ کنز العرفان: اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ضرور آسمان وزمین تباہ ہو جاتے۔“

ویسے بھی یہ بات کسی طرح ممکن نظر آتی ہے کیونکہ دو خداؤں کی صورت میں نظامِ عالَم اس یکسانیت اور توازن کے ساتھ نہیں چلایا جاسکتا کیونکہ اگر دو خدا ہوں تو قدم قدم پر ان کے اِرادوں اور منصوبوں میں تضاد پیدا ہوگا جس کے نتیجے میں پورا نظامِ عالَم تباہ و برباد ہو جائے گا۔ بالفرض اگر دونوں ایک شے پر متفق ہو جائیں تب بھی یہ لازم آئے گا کہ ایک ہی چیز دونوں کی قدرت سے واقع ہو اور یہ محال ہے۔ بہر حال اس ضمن میں جتنی بھی صورتیں ہیں وہ محال ہیں لہٰذا اسلام کا عقیدۂ توحید ہی قوی اور فطرت کے عین مطابق ہے۔

حیات بعد الممات

زرتشت میں حیات بعد الموت کا عقیدہ موجود ہے، ان کے نزدیک انسان مرنے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں واپس آئے گا۔ اس تجدیدِ حیات کا عمل ایک ایسے نجات دہندہ کے توسط سے ہوگا جو زرتشت کی نسل سے ہوگا اور ایک کنواری ماں کے بطن سے پیدا ہوگا۔

جبکہ اسلام میں حیات بعد الموت کا تذکرہ ”یومِ آخرت“ سے منسلک ہے اور یہ آخرت کا تصور قرآن وحدیث دونوں میں ملتا ہے مگر ہر گز حیات بعد الموت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں واپس آئے گا۔ اسلامی نظریات میں جسمانی زندگی کے بعد روح کی زندگی کا تصور یوں ملتا ہے کہ موت کے وقت عزرائیل علیہ السلام مرنے والی شخصیت پر خود کو ظاہر کریں گے اور اس کے جسم سے روح کو نکال لیں گے۔ بوقتِ مرگ جسم اور روح کا الگ ہونا اور پھر اس الگ ہونے والے حصے یعنی روح کا قبر اور بعض قرآنی تشریحات کے مطابق برزخ میں عرصۂ قیام، حیات بعد الموت کے اسلامی تصور کی جانب واضح اِشارہ کرتا ہے۔

Go to Index

اسی طرح اسلام میں ایمان کے اجزا کو بیان کرنے والا ایک مشہور کلمہ (جسے ایمانِ مفصّل بھی کہا جاتا ہے اس) میں جو اجزائے ایمان بیان ہوئے ہیں ان میں ساتواں جز "وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ" کا ہے جہاں والبعث کا لفظ بعث سے بنا ہے اور اسی سے انبعاث (resurrection) بنایا جاتا ہے جو حیات بعد الموت کے موجود ہونے کی نمائندگی کرتا ہے: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ یعنی میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور اس پر کہ اچھی اور بُری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے اور موت کے بعد اُٹھائے جانے پر۔

آخرت

زرتشتیوں کے ہاں آخرت، جنت، دوزخ اور ملائکہ کے وجود اور انبیا کی ضرورت کا نظریہ پایا جاتا ہے جو آسمانی مذاہب کے بنیادی عقائد ہیں۔ زرتشت کا عقیدۂ آخرت یہ ہے کہ موجودہ نظام درہم برہم ہونے کے بعد ایک نیا نظام ظاہر ہوگا، حق و باطل کا موازنہ ہوگا اور باطل کو آگ اور پگھلی ہوئی دھاتیں کھا جائیں گی جبکہ حق و صداقت کے آگے آگ اور پگھلی ہوئی دھاتیں دودھ کی نہریں بن جائیں گی۔ موت کے بعد انفرادی محاسبہ ہوگا اور قیامت کے دن اجتماعی حساب و کتاب ہوگا۔ زرتشت عقیدہ کے مطابق اچھے انسان مرنے کے بعد ایک ایسی زندگی میں داخل ہوں گے جس میں نیک اعمال اور اچھے خیالات کا چلن ہوگا اور وہ پاک بہشت میں ہوں گے اس کے برعکس بُرے انسان موت کے بعد نہ صرف بُرے اعمال سے دوچار ہوں گے بلکہ انہیں جسمانی سزا بھی ملے گی۔

جبکہ اسلامی عقیدے کے مطابق اصل زندگی کا گھر آخرت ہی کا گھر ہے اور یہ دنیا اس سفر میں ایک امتحانی گزرگاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، اسی زندگی پر ایمان لانے کا نام ایمان بالآخرت ہے۔ ہر شخص کو موت کے بعد زندہ ہو کر اللہ پاک کی بارگاہ میں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، جو انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی تعلیمات پر ایمان لایا، ان کی اطاعت کی، اعمالِ صالحہ کئے اور کامیاب ہوا تو اُسے نعمتوں بھری اَبدی جنت ملے گی اور جو ناکام ٹھہرا وہ جہنم میں جائے گا اور دردناک سزا بھگتے گا۔

آگ

مجوسی آگ کی پرستش کرتے اور ہر وقت اسے جلائے رکھتے ہیں ایک لمحہ کے لئے بھی بجھنے نہیں دیتے جبکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے اللہ پاک کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا کھلم کھلا شرک ہے کیونکہ اسلام میں توحید کا واضح تصور موجود

www.dawateislami.net

ہے، ساری مخلوقات کا خالق ایک اللہ ہی ہے اور اُسی کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے:﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ﴾(پ۱۵، بنی اسرائیل:۲۳) ”ترجَمۂ کنز العرفان: اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سِوا کسی کی عبادت نہ کرو۔“ ایک اور جگہ پر اِرشاد فرمایا:﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُﭤ ﴾(پ۱، الفاتحہ:۴) ”ترجَمۂ کنز العرفان: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“ لٰہذا دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق آتش پرست پکے مشرک ہیں کیونکہ وہ اللہ پاک کے علاوہ آگ کی پوجا کرتے ہیں۔

مذہبی کتاب

مجوسیوں کے مذہب کی کوئی بھی کتاب تحریف سے پاک نہیں جبکہ دینِ اسلام کی مقدس کتاب قرآنِ مجید فرقانِ حمید تحریف سے پاک ہے۔

محارم سے نکاح

مجوسیوں نے محارم سے نکاح جائز قرار دے رکھا ہے جو ایک غیر فطرتی، غیر عقلی اور طبعی طور پر نقصان دہ عمل ہے جبکہ اسلام نے محارم رشتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے جس میں کئی حکمتیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے قطع تعلقی عام ہوگی یعنی بالفرض سگی بہن سے نکاح ہو اور وہ کامیاب نہ ہو تو بہن بھائی کا رشتہ بھی ختم۔ وعلیٰ ھٰذا القیاس

موت کی رسومات

زرتشت اِزم میں موت کے بعد میت کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا جاتا ہے اُسے کوئی ماں باپ کس طرح گوارا کریں گے کہ ان کی اولاد کا جسم جانور نوچ نوچ کر کھائیں کیونکہ زرتشتیت میں مرنے والوں کو جلانے یا دفنانے کے بجائے ایک کھلی عمارت میں رکھ دیا جاتا ہے تاکہ اسے گدھ یا اس جیسے وحشی جانور کھا جائیں۔ اس کے برعکس اسلام نے مرنے والوں کے متعلق تجہیز و تکفین کا کتنا اعلیٰ اور احسن طریقہ بیان کیا ہے کہ انسانی لاش کی بے حرمتی کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسے زمین میں دفن کرنے کی نہ صرف ہدایت کی بلکہ اسے انعامِ خداوندی کے طور پر ذکر کیا۔

زرتشتیت / مجوسیت / پارسیت کا تنقیدی جائزہ

زرتشت ایک اِیرانی فلسفی کا پارسی مذہب کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا مذہب ہے اس لئے اس کو پارسی مذہب بھی کہا جاتا ہے اور اس کا ایک نام مجوسیت بھی ہے۔ اس مذہب کی تعلیمات پر غور کریں تو اس میں دو خداؤں (یعنی خیر اور شر) کے

تصور کے ساتھ ساتھ آگ کی پرستش کا نظریہ بھی پایا جاتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو پارسیوں کی کتاب ”اوستا“ اور ہندوؤں کی کتاب ”وید“ دونوں کی تعلیمات ایک جیسی ہیں۔

پارسی مذہب کی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں محارم کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے جو کہ ایک غیر فطری، غیر عقلی اور غیر طبعی عمل ہے نیز اس مذہب کی رسومات میں سے ایک بُری رسم یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اپنے مُردوں کو دفناتے نہیں بلکہ غسل و کفن دے کر ایک کھلی عمارت میں رکھ دیتے ہیں تاکہ انہیں گدھ کھا جائیں اور یہ رسم سراسر انسانیت کی اہانت پر مبنی ہے۔

زرتشت مذہب میں اگرچہ عقیدۂ حیات بعد الموت پایا جاتا ہے لیکن ان کا یہ عقیدہ اسلام کے خلاف ہے کیونکہ وہ اس نظریہ کو تجدیدِ حیات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں یعنی مرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر انسان کو زندگی ملے گی جو ایسے نجات دہندہ کی جانب سے ہوگی جو کہ زرتشت کی نسل سے ہوگا اور ایک کنواری ماں کے پیٹ سے پیدا ہوگا پھر دوبارہ انسان کی موت ہوگی۔ اسی طرح کا عقیدہ ان کا آخرت سے متعلق بھی ہے۔

بہر حال زرتشت مذہب کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کے بنیادی عقیدے ہی سے اس مذہب کا بطلان ثابت ہوتا ہے کیونکہ نیکی اور بدی کے الگ الگ خدا تصور کرنے کا مطلب ہے جو خدا نیکی کا ہے وہ خدا ہونے کے باوجود کسی چیز کو تباہ و برباد کرنے سے عاجز ہے اور جو عاجز ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ یونہی جو بدی کا خدا ہے وہ کسی کو ہدایت دینے سے عاجز ہے یعنی وہ خدا ہونے کے باوجود کسی کو ہدایت و خوشی نہیں دے سکتا۔ جن خداؤں کا یہ حال ہے کہ وہ آپس ہی میں لڑتے رہتے ہیں تو وہ مخلوق کو کیا فائدہ دیں گے اور مخلوق کو ان کی بندگی کا کیا فائدہ ہوگا؟ کیونکہ جب دونوں میں سے ہر ایک کو اپنی خدائی کی فکر ہوگی کہ دوسرا خُدا اس پر غلبہ نہ پالے تو وہ اس کش مکش سے نکلیں گے کیسے تاکہ لوگوں کو فائدہ پہنچا سکیں۔ یاد رکھیے! ہر وقت خوف کی فضا میں رہنے والا سچا خدا نہیں ہو سکتا۔

تاؤمت

تعارف

یہ چین کا ایک بڑا اور قدیم مذہب ہے جو کہ ایک بڑے فلسفی ”لاؤتزو“ سے منصوب ہے جس پر کنفیوشس اِزم اور بدھ مت کے اَثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق تاؤمت کی بنیاد چھٹی صدی قبلِ مسیح میں پڑی۔ یہ دین تہذیب و تمدن کے بجائے فطری زندگی کی طرف لوٹنے کو ترجیح دیتا ہے اور کنفیوشس اِزم کی طرح یہ مذہب بھی اخلاقی اور فلسفیانہ نظام پر مبنی ہے البتہ اس مذہب میں ان مذاہب کے برعکس خدائے واحد کا تذکرہ زیادہ واضح ہے لیکن بعد کے تاؤازم میں دیوتاؤں کا تصور بھی شامل ہو گیا۔ اس کے پیروکاروں نے علمِ کیمیا کو خوب ترقی دی ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس مذہب میں ”تاؤ“ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ تاؤ کا معنیٰ ”راستہ“ ہے لیکن اس لفظ سے متعلق اس مذہب میں کئی مفہوم بیان کئے جاتے ہیں مثلاً خدا، آفاقی عقل، بے علت وجود، فطرت، سلامتی کی راہ، گفتگو کرنے کا انداز اور اُصول و قانون وغیرہ۔ وسیع تر مفہوم میں اس سے مراد رُوح ہے جو کائنات کی ہر شے میں موجود ہے۔ اسے Ultimate Reality بھی کہا جاتا ہے۔

تاریخ

یہ مکمل طور پر ایک چینی مذہب ہے، اس کا بانی مشرقی چین کے صوبہ چیانگسو کا باشندہ ”لاؤتزو“ تھا جس کا اصلی نام ”لی پوہ یانگ“ تھا۔ ”لاؤتزو“ نام سے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لاؤتزو کا معنیٰ ”بوڑھا فلسفی“ ہے اور چونکہ یہ لوگوں کو اپنے فلسفے کی تعلیم دیا کرتا تھا اس لئے اس کا نام ”لاؤتزو“ پڑ گیا۔ اس کی پیدائش 610 قبلِ مسیح میں ہوئی لیکن بعض روایات کے مطابق یہ کنفیوشس سے 50 سال پہلے پیدا ہوا اور ان دونوں کی باہمی ملاقات بھی ہوئی۔ ابتدا میں لاؤتزو مملکت کی شاہی دستاویزات کا محافظ تھا لیکن جب ملکی حالات بگڑنا شروع ہوئے تو وہ اس عہدے سے مستعفی ہو کر چین چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ جب وہ ہجرت کی نیت سے سرحد پر پہنچا تو سرحدی محافظ نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک سرحد پار نہیں کرنے دوں گا جب تک آپ اپنی تعلیمات لکھ کر مجھے نہ دے دیں چنانچہ لاؤتزو نے مجبور ہو کر ایک تاریخی کتاب ”تاؤتے چنگ“ لکھی اور محافظ کے حوالے کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کہاں پہنچا؟ اس کے ساتھ کیا

حالات پیش آئے؟ اس کا انتقال کب ہوا؟ اس بارے میں تاریخ مکمل خاموش ہے۔

عقائد و اَخلاق

تاؤ مذہب میں انسان کو کائنات کا ایک جز قرار دیا گیا ہے اس لئے تمام شعبۂ حیات میں انسان بھی دوسری چیزوں کی طرح عالمگیر تاؤ کا مظہر ہے۔ تاؤمت کا نظریۂ انسان صرف علمی ہی نہیں بلکہ اس کی بنیاد اخلاقیات پر قائم ہے، انہی اخلاقیات کے باعث انسان خود کو فطرت کے سپرد کر دیتا ہے اور فطرت کے یہ قوانین جن کے سامنے وہ سر جھکا دیتا ہے اس کے لئے عزت و احترام کا باعث بن جاتے ہیں نیز چونکہ فطرت کے کسی کام میں ارادے کو دخل نہیں اس لئے انسان کے تمام اعمال بھی ارادے کے بغیر سرزد ہونے چاہئیں اور کیونکہ فطرت میں انفعال ہے لہٰذا منصوبہ بندی، تدابیر، جوڑ توڑ، خواہش اور تمنا وغیرہ سب کے سب انسانی فطرت کے منافی ہیں۔

وہ کام جو سعی و ارادہ سے کئے جاتے ہیں تاؤ مذہب میں زیادہ اچھی نظر سے نہیں دیکھے جاتے اسی لئے سخاوت، راست بازی اور احسن اطوار کے مقابلے میں رحم، میانہ روی اور پاک بازی کا شمار اخلاقیات میں ہوتا ہے۔ چونکہ زندگی جہدِ مسلسل کا نام ہے اس لئے اس سے بچنے کے لئے تاؤ مذہب کے پیروکار ترکِ دنیا کرکے پہاڑوں میں پناہ لینے کو مستحسن خیال کرتے ہیں۔ تاؤ مذہب میں خواہشات اور جذبات پر قابو پانے پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بقول لاؤتزو "جو دوسرے پر غالب آتا ہے وہ قوی ہے اور جو خود اپنے آپ پر غالب آجائے وہ قوی تر ہے۔" دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں کہ انسان اپنی خواہشات کا غلام بن کر رہ جائے، لالچ سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں اور حرص سے بڑھ کر کوئی وبال نہیں۔ تاؤ مذہب میں انسانوں کو قتل کرنا اور جنگ میں فتح پانا کوئی قابلِ فخر بات نہیں نیز قیدیوں کو سزا کے طور پر قتل کرنے کو بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

فرقے

چین میں اس مذہب کے دو فرقے ہیں: (1) شمالی اور (2) جنوبی

شمالی فرقہ مراقبہ، تفکر اور حبسِ دم کی مشق پر زور دیتا ہے۔

جنوبی فرقے سے تعلق رکھنے والے جادو ٹونے اور ٹوٹکے کرتے اور منتر یاد کرتے ہیں۔

مذہبی کتابیں

"تاؤمت" میں مذہبی و بنیادی طور پر جو سب سے بڑھ کر قابلِ احترام کتاب سمجھی جاتی ہیں وہ "تاؤتے چنگ" ہے

جس کا مصنف لاؤتزو خود ہے۔"تاؤتے چنگ" کا لفظی معنیٰ قدیم راستہ اور اس کی قوت یا فضیلت ہے۔یہ کتاب اکیاسی ابواب اور پانچ ہزار الفاظ پر مشتمل شاعرانہ انداز پر تحریر کی گئی ہے۔دوسرے نمبر پر اس کے شاگرد "چانگ تزو" کی تحریرات کو بھی نہایت اہمیت دی گئی ہے۔

تاؤمت کا تنقیدی جائزہ

یہ بھی ایک قدیم چینی مذہب ہے جس پر کنفیوشس اِزم اور بدھ مت کے اثرات واضح ہیں۔یہ بھی کنفیوشس اِزم ہی کی طرح ایک فلسفی نظام پر مبنی مذہب ہے۔

اس مذہب کی تعلیمات میں دیگر خداؤں کا تصور بھی شامل ہے۔تاؤمت بھی ایک غیر واضح اور کئی مذاہب کے عقائد و نظریات کے تصورات کا مجموعہ ہے اس لئے اس پر تنقید بالتفصیل کی طرف التفات کرنا مناسب نہیں۔

بدھ مذہب Buddhism

تعارف

چھٹی صدی قبلِ مسیح میں دنیا کے اکثر علاقوں میں کئی مذہبی تحریکیں اُٹھیں جو اپنے وقت میں رائج مذاہب کی کوتاہیوں اور ان کا حصہ بن جانے والی برائیوں کے خلاف ظاہر ہوئی تھیں اور ان تحریکوں نے لوگوں کی اصلاح پر بھرپور توجہ دی اور پھر بعد میں وہ تحریکیں مذاہب کی صورت اختیار کر گئیں۔ اسی قسم کا ایک خود ساختہ اور فلسفیانہ مذہب بدھ مت بھی ہے جو کہ مشہور فلسفی "رہنما مہاتما گوتم بدھ" سے منسوب ہے۔ بدھ مت میں دنیا سے بے رغبتی، محبت، درگزر اور نیکی کرنے کی دعوت جیسی باتوں کی تلقین کی جاتی ہے۔ دراصل یہ مذہب بھی ہندو مت کی اصلاح اور برہمنوں کی اجارہ داری (جو کہ ذات پات کی تقسیم کی صورت میں تھی) کو ختم کرنے کے لئے چھٹی صدی قبل مسیح نیپال میں شروع ہوا اور آج بدھ مت دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک ہے۔ پوری دنیا میں بدھ مت کے پیروکار اڑھائی یا تین کروڑ ہیں اور اگر اس کے تمام فرقوں کو ملا کر ان کی مجموعی تعداد شمار کی جائے تو وہ پچاس کروڑ بنتی ہے۔ سرکاری طور پر یہ مذہب تبت میں رائج ہے، اس کے علاوہ چین، جاپان، کوریا، سنگاپور اور سری لنکا وغیرہ میں بھی ان کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔

وجہ تسمیہ

بدھ مت ایک مذہب اور فلسفہ ہے جو مختلف روایات، عقائد اور طرزِ عمل کو محیط ہے اور اس کی زیادہ تر تعلیمات سدھارتھ گوتم کی طرف منسوب ہیں۔ بدھ مت عام طور پر بدھ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

گوتم بدھ کا تعارف

مؤرخین کا کہنا ہے کہ گوتم بدھ کی پیدائش 593 یا 598 قبلِ مسیح شمالی ہند کے علاقے نیپال میں ہوئی۔ اس کے والد کا نام سدھونا تھا جو ساکھیہ یا ساکھیا قوم کی چھوٹی سی راجدھانی کا راجہ اور کھشتری خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کی والدہ کا نام مایا (Maya) تھا۔ اس کی والدہ اس کی پیدائش کے ساتویں دن فوت ہو گئی تھی۔ بچپن میں والدین نے اس کا نام سدارتھ (Siddhartha) رکھا مگر اس کا خاندانی نام گوتم تھا، محنت و ریاضت سے گیان (یعنی فضیلت کا مرتبہ) حاصل کرنے کے بعد اسے بدھ کے نام سے شہرت ملی اور اب ان دونوں ناموں کو ملا کر گوتم بدھ کہا جاتا ہے۔ گوتم بدھ کی پیدائش کے حوالے سے بدھ مت مذہب والے کئی کہانیاں بیان کرتے ہیں مثلاً اس کی پیدائش پر بعض جگہ زلزلے آئے، بغیر موسم کے پھل

اور پھول پیدا ہوئے، دریاؤں کا کھارا پانی میٹھا ہو گیا اور گوتم بدھ پیدا ہوتے ہی چلنا شروع ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال گوتم بدھ کی ابتدائی نشو نما اور پرورش کے حوالے سے تواریخ میں یہ بات ملتی ہے کہ چونکہ اس کے والد مہاراج اور حکمران تھے اس لئے اس کی پرورش شاہانہ طریقے پر ہوئی۔ گوتم بدھ کی شادی سولہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں ہوئی اور "مذاہبِ عالم کا انسائیکلوپیڈیا" کا مصنف لیوس مور لکھتا ہے کہ "شادی کے بعد دس سال تک گوتم بدھ اپنی بیوی کے ساتھ دنیوی آرام وراحت سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہوتا رہا لیکن بعد میں اس نے اپنی زندگی کی روش کو تبدیل کر کے راہبانہ زندگی اختیار کر لی۔

گوتم بدھ کی وفات

تواریخ کے مطابق گوتم بدھ نے 80 سال کی عمر میں 384 قبلِ مسیح وفات پائی اور ہندو رسم کے مطابق اس کی لاش کو جلا دیا گیا لیکن اس کی ہڈیوں کو دس مختلف جگہوں میں دفن کیا گیا اور وہاں بڑے بڑے گنبد بنائے گئے جنہیں "سٹوپا(Stupa)" کہا جاتا ہے۔ 1959ء میں پشاور کے علاقے میں ایک سٹوپا کھولا گیا تو شیشے کے ایک برتن سے گوتم بدھ کی تین ہڈیاں برآمد ہوئیں۔

بدھ مت کی تاریخ

چونکہ یہ مذہب میں پائے جانے والے نقائص کی اصلاح اور اُپنشد کے صوفیانہ خیالات کا حامی تھا اس لئے کئی برہمن تارِکُ الدنیا لوگ اس میں شامل ہوئے۔ گوتم بدھ کی وفات کے کچھ عرصے بعد ہی بدھ مت مذہب اپنی منفرد تعلیمات اور خصوصیات کی بدولت ہندوستان کے تمام بڑے شہروں تک پھیل چکا تھا، اس مذہب کی تبلیغی ذمہ داری سنگھ جماعت نے بخوبی نبھائی، چونکہ گوتم بدھ اپنی کوئی مذہبی کتاب چھوڑ کر نہیں گیا تھا اور نہ ہی اس نے اپنے مذہب کی باقاعدہ تدوین کی تھی لہٰذا اُس کے انتقال کے فوراً بعد (تبلیغ کا) یہ کام سنگھ جماعت نے کیا۔ گوتم بدھ کی وفات کے بعد ان کے ایک پرانے اور اہم شاگرد ماسپ نے یہ تجویز دی کہ مہاتما بدھ کی دی ہوئی تعلیمات کو یکجا کرنے، ان کی تصدیق اور ضابطہ بندی کرنے کے لئے راج گڑھ میں ایک مجلس کا انعقاد کیا جائے چنانچہ تمام بزرگوں کی ایک کونسل بلائی گئی۔ بدھ مت کی تاریخ میں ہمیں اس قسم کی چار کونسلوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ پہلی کونسل بدھ کے انتقال کے بعد ہوئی جس میں گوتم کے خاص شاگردوں نے گوتم بدھ کی تعلیمات پر روشنی ڈالی۔ انہی زبانی بیان کردہ تعلیمات کو بعد میں بدھ مت کی مذہبی کتاب کا درجہ حاصل ہوا۔ اس کونسل کے بعد بدھ مت مذہب بھکشوؤں کی سرپرستی میں ہندوستان میں دوسرے مذہبوں مثلاً جین مت، ویدانت وغیرہ کی نسبت زیادہ تیزی سے پھیلنے لگا اور کئی لوگ اس کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس کے زیرِ اثر آنے لگے۔

چونکہ گوتم بدھ کی تعلیمات تحریری صورت میں موجود نہیں تھیں اس لئے اس سے متعلق کئی اختلافات رونما ہونے لگے جیسا کہ بدھ مت کے ماننے والوں میں سے ایک طبقہ گوتم بدھ کے بیان کردہ قوانین اور لفظی پابندی کا حامی تھا جبکہ دوسرا طبقہ گوتم کی تعلیمات کی روح پر عمل کرنے کا علم بردار تھا یعنی عام معنوں میں یہ طبقہ اجتہاد کا قائل تھا۔ ان اختلافات کے حل کے لئے 380یا400Ce کے لگ بھگ بِہار کے شہر ویشالی میں دوسری کونسل منعقد کی گئی جس میں روایت پسندوں کا زور زیادہ رہا اور اس روایت پسند طبقے کی طرف سے آزاد خیال طبقے کی تکفیر کی وجہ سے سنگھ جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور یہ بدھ مت مذہب میں تفرقے کی پہلی بنیاد تھی۔ روایت پرستوں کی جماعت "اِستھاوِیرَاوَادِن (Sthaviravada)" کہلائی اور آزاد خیال لوگ "مہاسَنگھکا (Mahasanghika)" کہلائے۔ استھاویراوادِن اور مہاسنگھکا بعد میں "تھیرَاواڈ (Theravada) اور مَہایان (Mahayana)" کے نام سے مقبول ہوئے۔

بدھ مت کی ترویج واشاعت

بدھ مت کی ترویج و اِشاعت میں اشوک (Ashok) بادشاہ نے جو کہ تیسری صدی قبل مسیح میں ہندوستان پر تخت نشین خاندان موریہ کا بادشاہ تھا، اہم کردار ادا کیا ہے، آج بدھ مت کو جو بین الاقوامی مذہب کی حیثیت حاصل ہے وہ اشوک ہی کی بدولت ہے۔ اسی بادشاہ کی کوششوں سے بدھ مت مذاہبِ عالم میں ایک الگ حیثیت سے سامنے آیا اور لوگوں نے اسے جوش و خروش کے ساتھ تسلیم کیا۔ اس مذہب کی اشاعت کے لئے اشوک بادشاہ نے ہر ممکن اقدامات کئے اور اسی سلسلے میں اس نے مذہبی مبلغ سری لنکا، برما، جاپان، کشمیر، چین، نیپال، مصر، شام اور یونان وغیرہ بھیجے۔ لوگوں کو گوتم بدھ سے متأثر کرنے اور اس کی تعلیمات عام کرنے کے لئے اشوک نے کئی ستون بنوائے اور کئی کتبے لگوائے جس میں گوتم بدھ کی تعلیمات درج کی گئیں۔ بدھ مت کی تاریخ میں ان کتبات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اشوک چونکہ عمارتیں بنوانے کا شوق رکھتا تھا اس لئے اس نے بدھ مت سے متعلقہ تاریخی مقامات پر عمارتیں بنوائیں اور بدھ مت کی عبادت گاہیں جو کہ "اسٹوپا (Stupa)" کہلاتی ہیں انہیں بھی اشوک نے بنوایا۔

اشوک کے دور میں بدھ مت ہندوستان میں ایک عوامی مذہب بن چکا تھا نیز اسی دور میں بدھ مذہب کے حوالے سے ایک کونسل طلب کی گئی جس میں اس مذہب کی تعلیمات کی تدوین عمل میں آئی۔ نیز اس کونسل میں بدھ مت میں شامل ہونے والے کئی غیر عناصر[1] کو بھی خارج کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کونسل کا مقصد یہ تھا کہ بھکشوؤں کے باہم ہونے

[1] ...... غیر عناصر سے مراد وہ چیزیں ہیں جو بدھ مت کی تعلیمات میں نہیں تھیں۔

والے اختلافات کو ختم کر کے بدھ تعلیمات کو اَز سرِ نَو مرتب کیا جائے لیکن اس کو نسل کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ نکلا کہ ان کی جماعت کو بدعت قرار دے دیا گیا۔

موریہ خاندان کے بادشاہ اشوک اور اس کے بعد اس کے جانشینوں کی سرپرستی میں بدھ مت نے ہندوستان میں مستحکم حیثیت اختیار کر لی تھی لیکن موریہ خاندان کے زوال کے بعد ہندوستان میں کٹر برہمنوں کی حکومت قائم ہوئی اور ان کے کچھ بادشاہوں نے بدھ مت پر کئی مظالم ڈھائے مثلاً اُن کی خانقاہیں جلوا ڈالیں اور بھکشوؤں کو قتل کروایا لیکن اس کے باوجود کئی علاقوں میں بدھ مت کے پیروکار پُر امن زندگی گزار رہے تھے اور اپنے مذہب پر عمل پیرا تھے۔

عقائد و نظریات

نِروان Nirvana

بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق نروان ہی کے ذریعے انسان تمام مصائب سے نجات پا کر اَبدی مسرت حاصل کر سکتا ہے۔ چونکہ نروان کی حقیقت کے بارے میں یہ بات مسلم سمجھی جاتی ہے کہ انسان کا ذہن اس کا ادراک نہیں کر سکتا لہٰذا یہ بتانے کے بجائے کہ نروان کیا ہے؟ اس کی متضاد صورت کو واضح کیا جاتا ہے کہ نروان میں کیا کیا نہیں ہے چنانچہ ایک جگہ نروان کی حقیقت گوتم بدھ نے یوں بیان کی ہے: "بھکشوؤ! یہ ایک ایسی کیفیت ہے کہ جہاں نہ تو خاک ہے نہ پانی، نہ آگ ہے نہ ہوا، نہ لامکانیت ہے نہ شعور کی لامحدودیت، وہاں نہ تو عدمِ شعور ہے اور نہ ہی غیرِ عدمِ شعور، وہ مقام نہ تو یہ دنیا ہے اور نہ ہی دوسری دنیا، وہاں نہ سورج ہے نہ چاند، وہ مقام بغیر کسی سہارے اور بغیر کسی حرکت اور بنیاد کے ہے، بے شک یہی دکھوں کا خاتمہ نروان ہے۔"

اینتیہ

دنیا فانی ہے اور اس کا ثبوت اس بات میں ہے کہ وہ چیزیں جن سے ہم خوشی کی توقع رکھتے ہیں مثلاً شہرت، اقتدار، بدھن اور پیسہ آخر کار دُکھ کا باعث بنتے ہیں۔

کرم یا کرما

اس کے لفظی معنیٰ کام یا عمل کے ہیں۔ پس انسان بلکہ ہر زندہ جان کی زندگی پر اس کے اپنے اعمال کا اثر ہوتا ہے، خصوصاً دکھ کا سبب ہمیشہ انسان کے اپنے غلط یا مضر اعمال ہوتے ہیں۔ گوتم بدھ کا کہنا ہے کہ دکھ سے نجات موجودہ دنیا کے

دائرۂ تکلیف میں حاصل کرنا ناممکن ہے۔

تصورِ خدا

بدھ مت کے دونوں فرقوں میں خدا کے تصور سے متعلق بہت اختلاف ہے جیسا کہ مہایان فرقے میں گوتم بدھ کو کم وبیش خدا ہی کی حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے بدھ کے ساتھ دوسرے دیوتاؤں کی پرستش لازم قرار دی ہے اس کے برعکس تھیرواڈ فرقے نے ہستیٔ باری تعالیٰ کے وجود کو باطل قرار دیا ہے اور انہوں نے گوتم بدھ کو اچاریہ منش یعنی ایک غیرِ معمولی صفات کا حامل انسان مانا ہے نہ کہ خدا۔

فرشتے

فرشتوں کے متعلق بھی بدھ مت میں کوئی واضح اور تفصیلی تصور موجود نہیں ہے۔

روح

روح سے متعلق گوتم بدھ کے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے "شردھے پرکاش دیوی "لکھتا ہے: انسان کے مرنے کے بعد اس کے جسم کی مثال اس مہمان کی طرح ہوتی ہے جو اپنے میزبان سے رخصت ہوتے وقت اس کے گھریلو حالات کو زمانۂ گزشتہ سمجھ کر وہیں چھوڑ جاتا ہے لیکن یاد رہے کہ اس کی روح مرتی نہیں بلکہ اسے ایک اور اعلیٰ زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔

قیامت

گوتم بدھ قیامت کا قائل تھا چنانچہ "سنگی کتبۂ چہارم" میں لکھا ہے کہ میری اولاد اور میرے جانشین اگر قیامت تک میری اتباع کریں تو وہ ایک قابلِ تعریف کام کریں گے لیکن جو اس فرض کا ایک حصہ بھی چھوڑ دے وہ بُرے فعل کا مرتکب ہو گا۔

بدھ مت کی چار عظیم سچائیاں

بدھ مت کے کلیدی فکری نظام کی پوری عمارت جس بنیاد پر استوار ہے اس کی تشکیل چار عظیم سچائیوں سے ہوئی ہے۔ یہ سچائیاں بدھ فکر میں اساسی درجہ کی حامل ہیں اور ان میں گوتم کا بنیادی فلسفہ مضمر (یعنی پوشیدہ) ہے۔ ان سچائیوں کو مہاتما بدھ نے شبِ نجات تیسرے پہر نروان حاصل کرنے سے کچھ دیر پہلے دریافت کیا اور ان کی تشریح کے لئے گوتم کی تعلیمات میں جو حصہ ہمیشہ سند گردانا جاتا رہا ہے وہ ان کا پہلا وعظ ہے۔ اس وعظ میں گوتم نے اپنے مختلف شاگردوں سے جو کچھ کہا اس کے مطابق "چار عظیم سچائیاں" ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلی عظیم سچائی (دُکھ)

پہلی عظیم سچائی "دُکھ" ہے جو زندگی کی اصل حقیقت ہے۔ گوتم بدھ کے خیال میں جسمانی تکالیف، بیماری، ذہنی پریشانی، حالات کا جبر، عزیزوں سے جدائی اور قابلِ نفرت لوگوں کی صحبت کے علاوہ زندگی کی عارضی مسرتیں اور عیاشیاں بھی آخرکار دُکھ کا باعث ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ خوشیاں مستقل نہیں ہوتیں اسی لئے جب غم ان کی جگہ گھیرتا ہے تو دُکھ کی اَفزائش ہوتی ہے۔ تغیر پذیر، کسی مستقل عنصر سے محروم اور کھوکھلی زندگی خود دُکھ کا بڑا باعث اور اِنسان کے لئے غیر تسلی بخش صورتِ حال پیدا کرنے کی محرک ہے۔

دُکھ کی اقسام

بدھ مت میں پہلی سچائی یعنی "دُکھ" کی تین مختلف اَقسام بتائی گئی ہیں جو کچھ اِس طرح ہیں:

(1) وہ دُکھ جسے اس کے عمومی مظاہر (یعنی ظاہری صورت) کے ساتھ ہر شخص محسوس کرتا ہے۔

(2) وہ دُکھ جسے زندگی میں مستقل عنصر کی موجودگی کے بغیر ایک سلسلۂ علت و معلول کی پابند نمود کے باعث محسوس کیا جائے۔

(3) وہ دُکھ جو بے ثبات اور تغیر پذیر زندگی کے باعث پیدا ہوتا ہے۔

دوسری عظیم سچائی (دُکھ کی علت)

دوسری عظیم سچائی یہ ہے کہ دُکھ کے اس کارواں کی کہیں نہ کہیں کوئی بنیادی اور حقیقی علت ضرور ہوتی ہے۔ دُکھوں کے سلسلے کا اصلی سبب اور علت گوتم کے مطابق "خواہش" ہے اور یہی خواہش، طلب اور آرزو انسان کو اس دنیا میں جنم لینے پر مجبور کرتی ہے اور پھر زندگی بھر اسے مختلف صورتوں میں اپنی تسکین کے سامان ڈھونڈنے پر لگائے رکھتی ہے یہاں تک کہ انسان جس طرح آسودہ اس دنیا میں آتا ہے اسی طرح غیرِ مطمئن رخصت ہو جاتا ہے لیکن طلب کے جال اسے کسی اور جنم میں پھنسا کر پھر دوبارہ اسے لافانی دنیا میں لا پھینکتے ہیں اور یوں یہ سلسلہ تااَبد قائم رہتا ہے۔ گوتم کے مطابق اس جنم دَر جنم سلسلے کے پسِ منظر میں بھی قوّتِ محرکہ کے طور پر خواہش ہی کارفرما ہے۔

تیسری عظیم سچائی (دُکھ کی انسداد)

تیسری عظیم سچائی یہ ہے کہ دُکھ کے اس سلسلے کا اگر کوئی بنیادی سبب ہے جیسا کہ دوسری سچائی سے ثابت ہے تو پھر اس کا انسداد بھی ممکن ہے اور وہ خواہش، حرص اور آرزو کو ختم کرنا ہے۔ تیسری عظیم سچائی کا مقصد ہے دُکھ کے سبب کا خاتمہ کر کے دُکھ کے سلسلے کو مکمل طور پر ختم کیا جائے۔

www.dawateislami.net

چوتھی عظیم سچائی (دُکھ سے نجات کا راستہ)

چوتھی عظیم سچائی وہ آٹھ نکاتی راستہ ہے جس پر چل کر دُکھوں کے سلسلے کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ پہلی تین سچائیاں بدھ مذہب کے نظریاتی اصولوں سے متعلق ہیں اور چوتھی سچائی وہ عملی طریقہ بیان کرتی ہے جسے اختیار کرنے سے دکھ دور ہوتے ہیں اور نجات قریب آتی ہے۔ دکھ سے نجات کا یہ ہشت پہلو راستہ چونکہ آٹھ عملی اصولوں پر مشتمل ہے لہٰذا اسے ”اشٹانگ مارگ (Astangika Marga)“ کہا جاتا ہے۔

کامیابی کے آٹھ اصول

ہشت پہلو راستہ یا اشٹانگ مارگ وہ آٹھ اصول ہیں جن سے یہ متشکل ہے۔ اشٹانگ مارگ کے یہ اصول نظریاتی کم اور عملی زیادہ ہیں اور یہی ان کا تخصیصی پہلو ہے۔ بدھی افکار کے مطابق نجات کے ضامن ہشت پہلو راستے کے آٹھ ارکان مندرجہ ذیل ہیں:

(1) صحیح نقطۂ نظر

بدھ مت کے اپنے روایتی انداز میں اس کا مطلب ہے: ”چیزوں کو اسی طرح دیکھنا جیسی وہ ہیں“ عمومی اعتبار سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ”زندگی کے بارے میں بدھ کے نقطۂ نظر اور اس کی تعلیم کردہ چار بنیادی اور عظیم سچائیوں کو غیر مشروط طور پر مان لینا ہے اور جو مذہبی اور غیر مذہبی نظریات بدھی افکار سے ٹکراتے ہیں انہیں ترک کئے بغیر نجات کے راستے پر پہلا قدم بھی نہیں بڑھایا جاسکتا۔“

(2) صحیح نیت اور خیالات

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے اندر ایسے خیالات اور جذبات پیدا کرے جو اخلاقی برائیوں مثلاً غصہ، نفرت، لذّت پرستی، خود غرضی اور تشدد کی نفی کرتے ہوں۔ مناسب ارادے کا حامل شخص تمام مخلوقات کے لئے ہمدردی، ایثار اور محبت کا رویّہ اپناتا ہے۔ بدھ مت کے درج ذیل تین اُصول اسی نظریے کی توسیع کرتے ہیں:

(۱) میترا (یعنی محبت) (۲) کرن (یعنی ہمدردی) (۳) اہنسا (یعنی عدمِ تشدد)

(3) صحیح گفتگو

یہ رکن ہر اس بات کے زبان سے ادا کرنے کی مخالفت پر زور دیتا ہے جو شر اور برائی کا سبب ہو۔ یاد رہے! جھوٹ،

غیبت، چغل خوری، فضول گوئی اور تلخ نوائی مناسب گفتگو کے دائرے سے یکسر خارج ہیں۔ یہ اصول نرم گفتاری، راست گوئی، متوازن اور مدلل گفتگو کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

(4) صحیح عمل

اشٹانگ مارگ کے اس اصول میں ان تمام باتوں سے بچنا جو بدھ مت کی اخلاقیات میں ممنوع ہیں اور ان تمام اعمال کو سرانجام دینا جو بدھ پیروؤں پر لازم ہیں، شامل ہے۔ ہر جاندار سے ہمدردی، فیاضی اور خدمتِ خلق وغیرہ جیسے اعمال جو بدھ کی پسندیدہ صفات ہیں اسی ضمن میں شمار ہوتے ہیں۔

(5) کسبِ حلال

اس کا مفہوم اپنے رزق سے کمائی ہوئی حلال آمدنی کو استعمال کرکے زندگی بسر کرنا اور ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کی ممانعت ہے۔ ظلم، زیادتی، دھونس، بے ایمانی اور بدھ مت میں ممنوعہ پیشوں سے روزی کمانا اس عملی اور اطلاقی اصول کی سنگین خلاف ورزی شمار ہوتا ہے۔

(6) صحیح کوشش

اس سے مُراد وہ قوت ہے جو پسندیدہ خیالات و جذبات کو پیدا کرنے اور انہیں اختیار کرنے نیز ناپسندیدہ جذبات وخیالات کو اُبھرنے سے روکنے اور باطن بدر کرنے کے سلسلے میں سچے بدھی پیرو کو درکار ہوتی ہے۔ گوتم کے بقول ہمدردی، محبت، بے غرضی اور راست گفتاری وغیرہ اعلیٰ خیالات و تصورات میں شامل ہیں۔ ان اوصاف کو اپنی ذات میں پیدا کرنے اور ان کے برعکس خصائص کو ختم کرنے کے لئے جو کوشش کرنا پڑتی ہے وہی "صحیح کوشش" قرار دی گئی ہے۔ سدھارتھ (یعنی گوتم) کے نزدیک نفسانی خواہشات، نفرت اور دنیاوی اشیا کے حصار سے رہائی پاناہی اعلیٰ ترین اخلاقی تربیت کا مقصود ہے۔

(7) صحیح فکر

فرد سے معاشرے تک یکساں اثر آفرینی کے ساتھ قابلِ اطلاق اشٹانگ مارگ کے ساتویں اصول سے مراد مناسب باتوں کو یاد رکھنا اور نامناسب خیالات کو ذہن سے نکال پھینکنا ہے تاکہ بقائمی ہوش و حواس فلاحِ ذات کی سمت بھرپور کوشش ممکن ہوسکے۔ انسان کو ہر وقت ہر حالت میں خیالات، جذبات، حرکات و سکنات اور نشست و برخاست، گفتگو اور مختلف اعمال میں یکسو ہوکر اپنی راست السمتی کا تعین کرنا چاہیے اور اس عمل میں غفلت اور لاپرواہی سے پرہیز شرطِ اوّلین

ہے۔ ایسا کرنے سے ہی انسان دیگر اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی پابندی کر سکتا ہے ورنہ غیر منصوبہ بندی اور اضطراری اعمال کے نتیجہ میں غلط کاریوں کی کھائیوں میں گرتا رہے گا۔

(8)مراقبہ

اشٹانگ مارگ کا یہ آٹھواں عملی اصول بدھ مت کی اہم ترین عبادت ہے کیونکہ گوتم نے نروان کی منزل مراقبہ ہی کی بدولت پائی تھی لہٰذا ان کے مریدین کے لئے بھی مراقبہ کے بغیر نجات کی سلطنت ممکن نہیں۔ مراقبہ ہی وہ براہِ راست سبب یا اقدام ہے جو نجات کا حصول ممکن بناتا ہے۔ بدھ تعلیمات کے مطابق مراقبہ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں جو نجات یا نروان کی منزل پر تمام ہوتا ہو۔

نوٹ: بدھ مت روایت کے دو حصے ہیں: (1) راہبوں کا سلسلہ اور (2) عام لوگوں کا سلسلہ

ان کے ہاں راہب اور راہبائیں ہوتی ہیں جو سینکڑوں قسم کے عہد و پیمان نبھاتے ہیں جن میں ہمیشہ کنوارا رہنے کا عہد و پیمان بھی شامل ہے۔ وہ اپنا سر منڈاتے، مخصوص کپڑے پہنتے اور خانقاہوں میں اجتماعی صورت میں رہتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی مطالعے، مراقبے، عبادت اور عام لوگوں کے استفادے کی خاطر رسومات ادا کرنے کے لئے وقف ہوتی ہیں۔ اس کے جواب میں عام لوگ خانقاہوں کی خدمت اس طرح کرتے ہیں کہ خانقاہ والوں کو کھانے پینے کی چیزیں نذر کرتے رہتے ہیں خواہ خانقاہوں کو براہ راست پہنچا کر، خواہ ان راہبوں کو عطا کر کے جو ہر صبح ان کے گھروں پر خیرات لینے آتے ہیں۔

فرقے

دیگر مذاہب کی طرح بدھ مذہب بھی اپنی ابتدا سے ہی تفرقے کا شکار ہوا۔ گوتم بدھ کی وفات سے کچھ عرصہ بعد ہی اس کے پیروکاروں میں مختلف نوعیت کے اختلافات رونما ہوئے جس کے حل کے لئے کئی بار مجالس منعقد کی گئیں لیکن ان سبھی مجالس میں کسی نہ کسی فرقے کو بدھ مت سے خارج ہی قرار دیا گیا۔ بدھ مت کے ابتدائی دور میں کئی فرقوں کا ظہور ہوا اور وہ خود ہی ختم یا دوسرے فرقوں میں ضم ہو گئے اس کے علاوہ جس علاقے میں بھی بدھ مت گیا وہاں اس کی ایک الگ صورت بن گئی جو بعد میں ایک فرقے کی حیثیت اختیار کر گئی نیز فلسفیانہ فکر کے مختلف انداز نے بھی بدھ مت میں کئی فرقے پیدا کئے۔ یہاں ہم بنیادی تقسیم کے اعتبار سے دو فرقوں کا ذکر کر رہے ہیں لیکن واضح رہنا چاہیے انہی دو فرقوں کے تحت بے شمار فرقے اور بھی آجاتے ہیں۔

تھیرواڈ(Theravada)

یہ فرقہ قدامت پسند خیال کیا جاتا ہے اور اس فرقے کے مطابق زندگی کا مقصد نروان[1] حاصل کرنا ہے۔ تھیرواڈ فرقے کے لوگ ”بدھی ستوا“[2] پر یقین نہیں رکھتے اور ان کے نزدیک ہر ایک کو ذاتی طور پر خود نروان حاصل کرنے کے لئے مراقبہ کرنا چاہیے۔ اس فرقے کے پیروکار سری لنکا، تھائی لینڈ، لاوس، برما اور کمبوڈیا میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

مہایان(Mahayana)

یہ جدت پسندوں کا فرقہ ہے، اس فرقے میں ”بُدِھی سَتوَا“ کا عقیدہ رائج ہے،[3] اس کے پیروکار تبت، منگولیا، کوریا، جاپان، ویتنام اور چین میں عام ہیں۔ یہ فرقہ ہر علاقے میں اپنی اپنی روایات کے مطابق مختلف ہے اور ہر علاقے میں اس کا ایک الگ مکتبۂ فکر موجود ہے تاہم بنیادی طور پر یہ تقسیم مشرقی ایشائی مہایان اور تبتی مہایان پر کی جاتی ہے۔ جاپان میں بدھ مت کو ”صورِ تزین“ بھی کہا جاتا ہے جو کہ مہایان کا ہی ایک مکتب فکر ہے۔ اسی طرح تبت میں ”لامائی اور تانترِک (Tantric) بدھ مت“ بھی اسی کی شاخ مانی جاتی ہے۔ ”تانترک بدھ مت“ میں جادو ٹونوں، کرشموں اور اس نوعیت کی چیزوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور یہ زیادہ تر تبت کے علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔

مذہبی کتب

بدھ مت راہ نماؤں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گوتم بدھ نے کوئی تحریر شدہ کتاب نہیں چھوڑی اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ گوتم بدھ کے شاگردوں نے اپنے استاد کے ملفوظات اور تقاریر کو سن کر زبانی یاد کیا اور پھر انہیں آگے دوسروں تک منتقل کر دیا اور اس کے لئے انہوں نے الفاظ کے مفہوم پر زیادہ توجہ دی اور اسی کو آگے پہنچایا۔

اس وقت پوری دنیا میں بدھ مذہب کی وہ کتابیں جن پر اس مذہب کی بنیادیں استوار ہیں انہیں ”تِری پٹک (یعنی تین

---

1 ...... نروان سے متعلق مزید معلومات عقائد و نظریات کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

2 ...... جو مقدس ہستیاں بدھوں کی جانشین یا روحانی اولاد کہلائیں اور مخلوق کی راہ نمائی و دستگیری میں مصروف ہو گئیں وہ ”بودھی ستو یا بودھی ستوا“ کہلائیں۔

3 ...... بودھی ستوا سے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ جب کوئی انسان نروان کے قریب ہوتا ہے پھر دوسروں کو نجات دلانے کے لیے اپنی کوشش بروئے کار لاتا ہے اور عوام ان سے برکات و فیوض حاصل کرتے ہیں مہایان مکتب فکر کے مطابق بودھی ستوؤں نے عہد کر رکھا ہے کہ وہ تمام عالم کو مقام بدھ یعنی نروان دلانے کے بعد نروان کو قبول کریں گے۔

ٹوکریاں)" کہا جاتا ہے۔یہ ساری کتابیں قبلِ مسیح کی عوامی زبان "پالی" میں ہیں۔

تری پٹک(Tripitaka)کا تعارف

(1)وِنائے پٹک(Vinaya Pitaka)

پہلی ٹوکری کا نام "ونائے پٹک (یعنی ہدایات کی ٹوکری)" ہے۔یہ پٹک تین ضخیم کتابوں پر مشتمل ہے اگرچہ عوام اسے بدھ مت کی تعلیمات مانتی ہے لیکن بعض علما کے مطابق یہ گوتم بدھ کے ایک شاگرد "اپالی" کے خطبات کا مجموعہ ہے کیونکہ ایک مجلس میں انہوں نے یہ سنائی تھی۔اس حصے میں وہ اصول وضوابط ہیں جو گوتم بدھ نے پروہتوں (مذہبی پیشواؤں) کے لئے مقرر کئے تھے۔

(2)سُتّا پٹک(Sutta pitaka)

دوسری ٹوکری "ستّا پٹک" کہلاتی ہے جس میں بدھ مت کے عام پیروکاروں کے لئے زندگی گزارنے کے اصول ہیں۔یہ پٹک بھی کئی ذیلی کتابوں پر مشتمل ہے۔یہ پٹک ایک مجلس میں گوتم کے مشہور شاگرد "انند" نے حاضرین کو سنائی تھی۔گوتم بدھ کے حالاتِ زندگی پر بھی یہ کتاب روشنی ڈالتی ہے۔

(3)اَبھیدَم پٹک(Abhidhamma pitaka)

تیسری ٹوکری کا نام "ابھیدم پٹک" ہے جس میں نصف درجن سے زائد کتابیں شامل ہیں۔اس پٹک میں ہمیں بدھ مت کے فلسفۂ اخلاق اور مابعد الطبیعیات پر مبنی تعلیمات ملتی ہیں۔اس حصے کو ایک مجلس میں "کسیاپا" نے سنایا تھا۔

دَھماپد(Dhammapada)

بدھ مت میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب "دھماپد" ہے لیکن چونکہ یہ کتاب مکمل طور پر گوتم بدھ سے منسوب اقوال پر مشتمل ہے اس لئے اس کی اہمیت بدھ مت کی دیگر کتابوں سے زیادہ ہے اور اسی اہمیت کے پیشِ نظر اسے علیحدہ سے شائع بھی کیا جاتا ہے۔یہ کتاب تقریباً تیسری صدی قبلِ مسیح میں مرتب کی گئی ہے۔اس کتاب کا اُردو،ہندی، انگریزی، جرمن، چینی، تھائی، تامل، بنگالی اور کئی اہم زبانوں میں ترجمہ کیا جاچکا ہے۔

تہوار

بدھ مذہب میں کئی تہوار رائج ہیں مگر ویساکھ، کھٹاپوجا اور اسھلاپوجا کے تہوار زیادہ مشہور ہیں۔

1۔وِیساکھ(Visakha)

ویساکھ کادن گوتم بدھ کی پیدائش، حصولِ معرفت اور اس کی وفات سے منسوب ہے۔اس دن خاص پوجا کا اہتمام کیا جاتاہے۔ یہ تہوار عموماًمئی کے پورے چاند کی تاریخ کومنایاجاتاہے۔ویساکھ یابیساکھ ہندی کیلنڈر کا ایک ماہ ہے اسی ماہ کے نام پر یہ تہوار بدھ مت میں رائج ہے۔

2۔مَگھاپوجا

یہ تہوار قمری کیلنڈر کے تیسرے مہینے میں منایاجاتاہے۔یہ تہوار اس واقعے کی یاد میں منایاجاتاہے کہ جب گوتم بدھ کی زندگی میں ایک بار اُن کے 1250 شاگرد اتفاقاً ایک ساتھ اپنے استاد کا لیکچر سننے اور ان سے ملنے کے لئے جمع ہو گئے تھے نیز اس دن گوتم بدھ نے اپنی وفات کی پیشین گوئی بھی کی تھی۔ اس تہوار کے موقع پر گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتاہے۔

3۔اَسِہلاپوجا

یہ تہوار گوتم بدھ کے بنارس کے مشہور اُپدیش (یعنی وعظ) کی یاد میں منایاجاتاہے۔اس روز گوتم بدھ نے بنارس میں اپنے خاص پانچ درویش ساتھیوں کو خطبہ دیا تھا۔یہ تہوار جولائی میں منایاجاتاہے۔

بدھ مذہب کا اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

اگر بدھ مت کا اسلام سے تقابل کیا جائے تو یقیناً اسلام ہی ایسا مذہب ہے جسے ہر پہلو سے ترجیح ہو گی جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے واضح ہے:

1۔تصورِ خدا

گوتم بدھ کی تعلیمات میں خدا کا کوئی واضح تصور موجود نہیں۔اگر کہیں جزوی طور پر ذکر آتا بھی ہے تونہایت اِجمالی اور مبہم سا بلکہ بدھ کہا کرتا تھا کہ انسان کی نجات خود اسی پر موقوف ہے نہ کہ معبود پر اور وہ سمجھتا تھا کہ انسان ہی اپنے نفس کے انجام کو بنانے والا ہے۔تو جس مذہب میں خدا کا کوئی واضح تصور ہی موجود نہ ہو اس کی بنیاد کیا ہو گی اور اس کی تعلیمات کیونکر قابلِ توجہ ہوں گی؟

جبکہ اسلام میں اللہ پاک کے متعلق واضح عقیدہ ہے کہ وہ واجب الوجود، خالق، رزّاق اور تمام نقائص سے پاک ہے اور وہی کائنات کو بنا کر نعمتوں سے نوازنے والا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

www.dawateislami.net

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ (پ۲۷،الحدید:۱تا۳)

ترجمۂ کنز العرفان: اللہ کی پاکی بیان کی ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت سب اسی کے لیے ہے، وہ زندگی اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔

2۔ تصورِ ملائکہ

گوتم بدھ کی تعلیمات میں فرشتوں سے متعلق بھی کوئی واضح نظریہ نہیں ملتا۔

جبکہ اسلام میں فرشتوں سے متعلق نظریہ بالکل واضح ہے کیونکہ ان پر ایمان عقیدہ و ایمان کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے اور اس وقت تک کسی شخص کا ایمان درست نہیں جب تک وہ فرشتوں پر ایمان نہیں لاتا جیسا کہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝۲۸۵ (پ۳،البقرۃ:۲۸۵)

ترجمۂ کنز العرفان: رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اس کی طرف نازل کیا گیا اور مسلمان بھی۔ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر یہ کہتے ہوئے ایمان لائے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور انہوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہم نے سنا اور مانا، (ہم پر) تیری معافی ہو اور تیری ہی طرف پھرنا ہے۔

یاد رہے! اسلام میں فرشتوں کی صفات خواہ وہ خَلقی ہوں یا خُلقی نصوصِ صحیحہ میں بیان کی گئی ہیں۔

3۔ رہبانیت

گوتم بدھ نے نروان حاصل کرنے کے لیے اپنے پیروکاروں کو رہبانیت اور خالص خانقاہ کو اپنانے کا درس دیا اگرچہ اس نروان کے حصول میں لوگوں کے حقوق تلف ہوں جیسے بیوی، بچوں اور والدین سے دور ہو جانا وغیرہ جو کہ ایک غیر فطرتی اور غیر عقلی عمل ہے۔

جبکہ اسلام سختی سے رہبانیت کو رد کرتا ہے چنانچہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ

یعنی اسلام میں ترکِ دنیا کا کوئی مقام نہیں“ (1) بلکہ دین اسلام اپنے ماننے والوں کو معاشرتی زندگی اور حقوق و فرائض کی ادائیگی سے بھرپور زندگی گزارنے کا درس دیتا ہے بلکہ مسلمانوں کو تو یہ دعا سکھائی گئی ہے:﴿ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً ﴾(پ۲،البقرۃ:۲۰۱) ترجَمۂ کنزُالعرفان: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں آخرت میں (بھی) بھلائی عطا فرما۔“یعنی اسلام میں سب کو چھوڑ کر تنہا ہو جانا کوئی بڑا کمال نہیں بلکہ دنیا میں رہ کر اس کی آزمائشوں کو برداشت کرنا اور زندگی کے مقصد کو کامیاب بنانا ہی اصل کامیابی ہے۔

نوٹ: اسلام میں اگرچہ مراقبہ اور خلوت نشینی کا تصور موجود ہے لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ جن کے حقوق بندے پر لازم ہوں وہ تلف نہ ہونے پائیں۔

4۔ تصورِ نجات

گوتم بدھ کی تعلیم یہ تھی کہ روحانی نجات نہ تو خدا کی توفیق سے ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی بخشش و کرم کے نتیجے میں بلکہ یہ انسان کی اپنی ذاتی جدوجہد، آزادی قوت اور اخلاقی کشمکش کا ثمر ہے چنانچہ بدھ کا قول ہے: انسان برائی کا ارتکاب خود کرتا ہے اور اس کے خراب نتیجہ کو بھگتنا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح وہ خود ہی برائی سے کنارہ کش ہو سکتا ہے کیونکہ پاکیزگی اور نجاست دونوں ذاتی صفات ہیں کوئی بھی دوسرے کو پاکیزہ نہیں بنا سکتا۔

اسلام میں انسان کو اپنی نجات اور گناہوں سے پاکیزگی کے لئے کئی آسان تصورات دیئے گئے ہیں جن میں سے توبہ کا تصور انتہائی شاندار ہے کہ اگر انسان سے غلطی سرزد ہو جائے اور وہ اللہ پاک سے معافی طلب کرے تو وہ اسے معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (پ۲۴،الزمر:۵۳)

ترجَمۂ کنزُالعرفان: تم فرماؤ: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے، بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

مزید اسلام میں یہ تصور دیا گیا ہے کہ نیکی اور ہدایت اللہ پاک کی طرف سے ملتی ہے، ایسا نہیں کہ نیکی اور ہدایت انسان کی اپنی کاوش ہے۔

---

1 ...... تفسیر روح المعانی، پ6، المائدہ، تحت الآیۃ:82، 7/4

5۔ بھیک مانگنا

گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق اس کے وہ پیروکار جو درویشانہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں ان کے لئے دربدر بھیک مانگتے پھرتے رہنا ضروری ہے۔

جبکہ اسلام میں ہر شخص کو اپنے ہاتھ کی کمائی کھانے کی ترغیب دی گئی جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وَالْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللهِ یعنی کسبِ حلال کے لئے کوشش کرنے والا اللہ پاک کا محبوب بندہ ہے۔"(1) نیز بھیک مانگنے کی سخت مذمت کی گئی ہے جیسا کہ بلاضرورت و مجبوری کسی کے سامنے دستِ سُوال دراز کرنے والے کے متعلق ارشادِ نبوی ہے: "مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ یعنی آدمی ہمیشہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھے گا کہ اس کے چہرے پر ذرا بھی گوشت نہ ہوگا۔"(2)

بدھ مت کا تنقیدی جائزہ

بدھ مذہب کی کتب کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ گوتم نے ایک بانیِ مذہب کی طرح نہیں بلکہ ایک فلسفی کی حیثیت سے اپنی تعلیمات کا سارا زور اخلاق و اعمال پر دیا اور ان بنیادی عقائد کو نظر انداز کردیا جن پر ایک مذہب کی تعمیر ہوتی ہے۔

بدھ مذہب کی ناقص تعلیمات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس مذہب میں خدا کا کوئی واضح تصور موجود نہیں، نہ کائنات کی تخلیق کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور نہ ہی روح کی وضاحت کی گئی ہے بلکہ اسے مادّہ کا جز کہہ کر خاموشی برتی گئی ہے۔ نیز جنت و جہنم، حشر و نشر اور آخرت و قیامت جیسے اہم مسائل کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے اور آواگون کے ہندو عقیدے کو اہمیت دے کر راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بدھ مت کا نظریہ ہے کہ عالَم کی چیزیں اسباب کے تحت وجود میں آتی ہیں، ہر لمحہ غیر محسوس طریقے سے بدلتی رہتی ہیں اور انہی اسباب کے تحت فنا ہوجاتی ہیں گویا یہ پوری کائنات خود بخود وُجود میں آئی ہے اور اسی طور پر چل رہی ہے، اس میں کوئی شعور اور اِرادہ کارفرما نہیں ہے۔

بدھ مت کی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ بھی ہے کہ گوتم بدھ نے اپنے پیروکاروں کو رہبانیت کا درس دیا ہے یعنی ہر رشتہ داری کو چھوڑ کر خالص خانقاہ کو اپنا لیا جائے جبکہ اس کے برعکس اسلام رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔

بدھ مذہب میں بھکشوؤں کی زندگی ایک غیر فطرتی عمل ہے اور ایسے عقیدے کا وہی حال ہوتا ہے جو عیسائیت میں

---

1. تفسیر روح المعانی، پ20، القصص، تحت الآیۃ:73، 20/424
2. بخاری، 1/497، حدیث:1474

Go to Index

رہبانیت کا ہوا تھا کہ فطرت سے دور رہنے کے سبب وہ لوگ بدکاری میں پڑ گئے تھے۔

بدھ مت کی تعلیمات میں سے یہ بھی ہے کہ اس مذہب کے ماننے والے اگر درویشانہ زندگی گزارنا چاہیں تو ان کے لئے دربدر بھیک مانگنا ضروری ہے اور یہ بات ایک عام انسان کی بھی عزتِ نفس کے خلاف ہے۔

بدھ مت اگرچہ یہ باور (یعنی یقین) کرواتا ہے کہ تشدد نہ کرنا ان کا بنیادی اصول ہے لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ کئی بدھ راہبوں نے ظلم و ستم کی آندھیاں چلائی ہیں اور مذہب کے نام پر بے گناہ لوگوں کا قتلِ عام کیا ہے۔ بیسویں صدی میں سری لنکا کے بدھ شہریوں نے 1891 میں بدھ مت کے احیاء کے لئے مہابدھی سوسائٹی کی بنیاد رکھی جسے "انگاریکا دَھرم پالا" کا نام دیا گیا اور وہ غیر سِہنالا (سنہالی یا سِنہالا سری لنکا کی ایک اہم زبان ہے) لوگوں کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ اس سوسائٹی کا خیال تھا کہ آریائی سنہالا لوگوں نے اس جزیرے کو جنت بنایا ہے جبکہ عیسائی، مسلمان اور دوسرے مذاہب اس کو تباہ کر رہے ہیں اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر نشانہ بنایا کہ وہ سود پر قرض دینے والے طریقوں سے اس مٹی میں جنم لینے والوں کا استحصال کر کے پھلے پھولے ہیں۔

1782ء میں برمی بادشاہ "بودھاپایہ" نے پورے علاقے کے علما کو سُور کا گوشت کھانے پر مجبور کیا اور اُن میں سے جس نے انکار کیا اسے قتل کر دیا گیا۔ اس واقعے کے بعد برما میں سات دن تک سورج طلوع نہ ہوا جس پر برمی بادشاہ نے اپنی کوتاہی کا اقرار کیا اور معافی مانگی۔

گوتم نے ان تمام مسائل کی وضاحت اور تشریح کیے بغیر اخلاقی احکام کی تلقین کی ہے جن کے ذریعے نروان حاصل کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں گوتم نے والدین و اولاد، استاد و شاگرد، خادم و آقا اور شوہر و بیوی کے فرائض، حقوق اور ذمہ داریاں بتائی ہیں۔ انہوں نے والدین کو حکم دیا ہے کہ وہ بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ دیں اور انہیں بُرائی سے بچائیں نیز ان کے لئے ترکے کی شکل میں مال مہیّا کریں اور اولاد کو حکم دیا ہے کہ وہ والدین کی اطاعت کریں مگر خود سب کے حقوق تلف کرتے ہوئے گھر والوں کو بغیر اجازت چھوڑ کر جنگلوں کی خاک چھانتے رہے۔ اسی طرح دوسرے لوگوں کو شفقت، محبت، ہمدردی، احترام اور حُسنِ سلوک کی ہدایت کی ہے گویا ایک فلسفے کی موجودات کے اجزائے ترکیبی سے بحث کی ہے۔ پھر انسان کی خصوصیات اور صفات و روح پر ایک تفصیلی بحث کی ہے جس پر ایک مذہب کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ گوتم، مذہب کے تمام فطری مسائل کو حل کرنے سے قاصر رہے، یہی وجہ ہے کہ بدھ مذہب ان لوگوں کے درمیان تو پھیل گیا جو بت پرست اور اوہام پرست تھے مگر اہلِ مذہب کے مقابلے میں قطعی ناکام رہا۔

www.dawateislami.net

کنفیوشس اِزم Confucianism

کنفیوشس اِزم کا تعارف

کنفیوشس اِزم وہ مذہب ہے جو چینی مفکر / فلسفی و حکیم "کنفیوشس" کی طرف منسوب ہے جو کہ چھٹی صدی قبلِ مسیح میں پیدا ہوا، اس نے اُن رسومات کو زندہ کرنے کی دعوت دی جو چینیوں کو اپنے آباءواجداد سے ورثہ میں ملی تھیں اور ساتھ ہی اخلاق، معاملات اور اچھے کردار کے حوالے سے فلسفے کو بھی اس مذہب میں شامل کیا۔ کنفیوشس ازم چین میں بہت پھیلا کیونکہ یہ مذہب چین میں اقدار، علم سیکھنے اور معاشرتی ضابطوں کا ذریعہ تھا اسی وجہ سے یہ دو ہزار سال سے زیادہ عرصے تک استعمال میں رہا لیکن بعد میں اس مذہب کے اندر کافی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ اس دین کے ماننے والے آسمانی خدا یا الٰہِ اعظم (آسمان)، زمین، پہاڑ اور اَنہار کی عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے آباء واَجداد کی اَرواح کی عبادت کرتے ہیں۔

اس فکر کا اثر چین کے ساتھ ساتھ دوسرے ملحقہ ممالک جیسے جاپان، ویتنام اور جنوبی کوریا میں بھی پھیل گیا۔ ایک طرف اس مذہب نے اتنی ترقی کی لیکن دوسری طرف اکثر ماہرینِ اَدیان یہ سُوال اٹھاتے ہیں کہ کیا واقعتاً یہ کوئی مذہب ہے یا صرف ایک اصلاحی تحریک ہے؟ اسی وجہ سے بعض حضرات اسے ایک اخلاقی فلسفہ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابتدا میں یہ کوئی باقاعدہ مذہب نہیں تھا بلکہ اخلاقیات کا ایک ضابطہ تھا جس نے رفتہ رفتہ مذہب کی صورت اختیار کرلی۔ بہرحال اس مذہب نے کئی صدیوں تک چین میں راج کیا۔

تاریخ

کنفیوشس 551 قبلِ مسیح چین کے ایک صوبے "لو" میں شولان کے گھر پیدا ہوا تھا، یہ جگہ اس وقت "لیولیو" کی سلطنت میں تھی۔ چین میں اس صوبے کا موجودہ نام "شھاتنگ" ہے۔ کنفیوشس کی پیدائش کے وقت اس کے والد کی عمر 70 برس تھی۔ جب اس کی عمر تین برس ہوئی تو اس کے والد وفات پا گئے، اس کے بعد اس کی والدہ نے قبیلہ "کِی" کے ایک سردار کی معاونت سے اس کی پرورش کی۔ کنفیوشس نے اپنے علاقائی ماحول کے مطابق مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ جب اس کی عمر 19 سال ہوئی تو اس کی ماں نے اس کی شادی کر دی، ایک بیٹے کی پیدائش کے بعد اس کی ازدواجی زندگی کا خاتمہ ہوا اور پھر اس کے بعد اس نے کوئی شادی نہیں کی۔ کنفیوشس نوجوانی میں مختلف حکومتی اداروں میں کئی عہدوں پر کام کرتا رہا، اس کے ساتھ ہی اس نے ایک مدرسہ قائم کر لیا جہاں وہ لوگوں کو مختلف موضوعات پر

www.dawateislami.net

تعلیم دیتا اور اپنے نظریات کا پرچار کرتا تھا۔جب اس کی عمر 34 سال ہوئی تو اس کے ماننے والوں کی تعداد چار ہزار کے قریب پہنچ چکی تھی اور یہ معاشرے میں ایک حیرت انگیز بات تھی کیونکہ چینی معاشرے میں دانائی اور عقل کو بڑھاپے کی خصوصیت سمجھا جاتا تھا۔اس نے "مذہب اور سیاست علیٰحدہ ہیں" کے نظریے کے خلاف لوگوں کو تعلیم دی، انسان کے اندر کی نیکی اور بھلائی کو زیادہ اہمیت دی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اصل سچائی انسان کے دل میں ہوتی ہے۔بہر حال کنفیوشس کی تعلیمات نے اس وقت کے معاشرے پر گہرا اثر ڈالا اور وہ چین کی تاریخ کا ایک اہم فلسفی اور اساتذہ میں سے ایک اہم استاد سمجھا جانے لگا۔ان دنوں اس کی ملاقات تاؤازم کے بانی اور بہت بڑے فلسفی "لاؤزے" سے ہوئی۔اس کے بعد وہ قاضی مقرر ہوا اور اس نے اپنے ماتحت علاقے میں انصاف اور امن و امان قائم کیا اور جرائم کی شرح حیرت انگیز حد تک کم کی جس کی وجہ سے وہ ایک مثالی معاشرہ بن گیا لیکن حاسدین کی سازشوں میں آکر بادشاہِ وقت نے اسے ملک بدر کر دیا اور وہ اپنے شاگردوں کے ہمراہ یونہی دربدر پھرتا رہا لیکن پھر کچھ عرصے بعد ڈیوک گائی (Duke Guy) کی حکومت نے صوبہ لو پر قبضہ کیا تو اس نے 483 میں کنفیوشس کو واپس بلا لیا اور اس نے دوبارہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

نوٹ: کنفیوشس نے کبھی بھی نبی یا خدا کے اوتار ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

انتقال

کنفیوشس 72 سال کی عمر میں 478 ق م میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوا اور اس کی تدفین "کوفو" (Qufu) میں ہوئی۔اس کے انتقال کے بعد پورے چین میں اہتمام کے ساتھ اس کا سوگ منایا گیا۔

کنفیوشس اِزم کا ارتقاء و زوال

اس مذہب کی ترویج کے لئے ایک مذہبی عالم مینشیس (Mencius) (جس کا اصل نام "مینگ" اور ذاتی نام "کاؤ" تھا) نے بڑی محنت کی، اس نے کنفیوشس کی تعلیمات کو نئے رجحانات کے مطابق مرتب کیا اور اخلاقی و سیاسی اُمور پر بہت زیادہ زور دیا جس سے اس مذہب میں رُسوم و رواج کا ظاہری رنگ تقریباً ختم ہو گیا۔اس نے مذہب کے فروغ کے لئے پورے چین میں کئی دورے کئے جس کی وجہ سے اس مذہب نے ترقی کی اور لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے۔

بہر حال اس کے عروج کے بعد زوال کا دور کنفیوشس کی وفات کے تقریباً اڑھائی سو سال بعد بادشاہ "قن شی ہوانگ (Qin shi Huang)" کے چین پر قبضے سے شروع ہوا، چونکہ یہ بادشاہ کنفیوشس ازم کے بہت خلاف تھا اس لیے اس نے

اس مذہب کی تمام کتب جلوادیں اور کئی علما کو قتل بھی کروادیا۔ پھر اس بادشاہ کے انتقال کے بعد ان کتابوں کو اَز سرِ نَو مرتب کیا گیا اور یہ اہلِ چین کا محبوب مذہب بن گیا۔ بعد کے بادشاہوں نے اسی مذہب کو قبول کیا لیکن ماضی قریب میں چین کے اندر الحاد اور اشتراکیت نے زور پکڑا جس کا اثر اس مذہب پر بھی ہوا اور اس کے ماننے والوں کی تعداد کم ہوگئی۔

کنفیوشس کی تعلیمات

معاشرتی تعلیمات

کنفیوشس نے معاشرتی استحکام کے لئے مندرجہ ذیل پانچ رابطوں کے استحکام پر زور دیا ہے:

(1)حاکم اور رعایا کا رابطہ (2)باپ اور بیٹے کا رابطہ (3)میاں اور بیوی کا تعلق

(4)بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی سے تعلق (5)دوست کے ساتھ دوست کا تعلق

کنفیوشس نے زندگی اور معاشرے کے استحکام کی بنیاد مذکورہ بالا پانچ رابطوں پر رکھی ہے، ان میں سے ہر ایک کے ذمہ کچھ فرائض اور ہر ایک کے لئے کچھ حقوق ہیں جن کا تعلق حاکمِ وقت سے بھی ہے اور عام رعایا سے بھی۔ ان میں سے ہر شخص اطاعت اور فرمانبرداری کے ایسے نظام سے منسلک ہے جس کا تعلق ایک دوسرے سے ہے۔ پہلے چار رِشتوں سے متعلق اصول اور پانچویں رشتے میں تسلیم ورضا اہم کردار سرانجام دیتے ہیں۔

کنفیوشس اس بات کا قائل ہے کہ بدنظمی اس وقت پیدا ہوتی ہے کہ جب حاکم اپنے مرتبے کے تقاضے نبھانے میں قاصر ہو اور رِعایا بھی اپنے مقام سے دور ہوچکی ہو نیز باپ اپنے مقام و مرتبہ سے غافل ہو اور بیٹا اپنے فرائض سے منہ موڑ چکا ہو وَعَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس۔ اخلاقی بلندی اور معاشرتی استحکام اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور مقام کا خیال نہ رکھے۔

فرقے

کنفیوشس اِزم میں گروہ بندی اور فرقے نہ ہونے کے برابر ہیں، تاہم اس مذہب کی دو جہتیں ضرور موجود ہیں۔ سنگ سلطنت میں کنفیوشس اِزم کی دینی کتابوں کو اَز سرِنو مرتب کیا گیا اور اس مذہب کے احیاء کا کام ہوا۔ مذہب کے اِحیاء کا یہ کام ایک عالم زہوزی (Zhu Xi 1130-1200CE) نے کیا تھا۔ کنفیوشس اِزم کا یہی احیاء دراصل اسے جدت پسندی کی طرف لے گیا جسے Neo-Confucianism کا نام دیا گیا۔ اس جدت پسند مذہب میں قدیم چینی روایات اور

کنفیوشس کی بیان کردہ تعلیمات کے علاوہ بدھ مت، تاؤمت اور وقت حاضر کے تقاضوں کا بھی خاص خیال رکھا گیا تھا۔ روایت پسند کنفیوشس ازم میں ٹی این کو حقیقتِ اعلیٰ (یا خدا) مانا گیا ہے اور اس میں جنت و دوزخ کا تصور واضح ہے جبکہ نیوکنفیوشس ازم میں حقیقت اعلیٰ کو "تائی جی" کا نام دیا گیا ہے۔

مذہبی کتابیں

کنفیوشس ازم کی مذہبی تحریروں کو "اینالیٹ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ کنفیوشس نے خود مستقل کتابیں بہت کم لکھی ہیں۔ اس کے بعد اس کے شاگردوں نے اس مذہب کی کئی کتابیں تحریر کیں یہاں تک کہ اس مذہب کو "کتابوں کا مذہب" کہا جانے لگا۔ کنفیوشس کی بنیادی کتاب "لون یو" ہے اور اس کے علاوہ دیگر پانچ کتابیں ہیں جو بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ سب کتابیں چین کی سلطنت "سنگ" کے بادشاہ "چوہسی" کی سرپرستی میں مرتب ہوئیں۔

لون یو (Lunyu)

موجودہ کنفیوشس ازم میں اس کتاب کو بہت اہمیت حاصل ہے، اس کے مطالعہ سے اس مذہب کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ اس کتاب میں زندگی کے ہر پہلو کے حقائق کو عام فہم کہانیوں اور مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب کنفیوشس کی نصیحتوں کا مجموعہ ہے جن کو اس کے شاگردوں نے کتابی شکل میں ڈھالا ہے۔

1۔ شُوچِنگ (Shujing): یہ تاریخ کی کتاب ہے جس میں 150 قبلِ مسیح سے لے کر 600 قبل مسیح تک کے مختلف شاہی خاندانوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں کنفیوشس کی تقاریر بھی درج ہیں۔

2۔ شی چِنگ (Shijing): اس میں تین سو پانچ نظمیں شامل ہیں، ابتداءً یہ کتاب تقریباً تین ہزار نظموں پر مشتمل تھی۔ ان نظموں میں 1800 قبلِ مسیح سے لے کر چھٹی صدی عیسوی تک مختلف خاندانوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

3۔ ی چِنگ (Yijing): یہ کتابِ انقلابات ہے جس میں مختلف قسم کے واقعات و حوادث بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کنفیوشس کی پسندیدہ کتاب تھی اور اکثر اس کے زیرِ مطالعہ رہتی تھی۔

4۔ لِی چی (Liji): اس کتاب میں ان رسوم کو ذکر کیا گیا ہے جو مذہبی و غیر مذہبی تہواروں پر منائی جاتی تھیں۔ ان میں سے زیادہ تر رُسومات وہ ہیں جن پر بادشاہ اور ان کے اُمرا عمل کیا کرتے تھے۔

5۔ چُوں چَن (Daxue): اس کتاب کو کنفیوشس نے خود لکھا ہے، اس میں موسموں کے حالات خصوصاً

موسمِ خزاں اور موسمِ بہار کی تاریخ کو ذکر کیا گیا ہے۔

نوٹ: ان کے علاوہ تین کتابیں اور بھی ہیں جن کے مطالعہ سے کنفیوشس ازم کو سمجھنے میں سہولت رہتی ہے۔

عِلمِ عظیم (The Great Learning)

یہ کتاب دراصل "لی چی" کا اُنتالیسواں باب ہے لیکن بعد میں اس کی افادیت کے پیشِ نظر اس کا ایک علیحدہ مجموعہ تیار کر لیا گیا۔

وو چنگ (Wu-Ching)

اس کتاب میں چین کے قدیم لوک، نغمے، دعائیں، مناجات، بادشاہوں کے خطبات اور دستاویزات، پیشینگوئیاں، تاریخ اور مذہبی عبادات و رُسوم کی تفصیل ہے۔

نظریۂ اعتدال (The Book of Mencius)

یہ کتاب کنفیوشس کے اقوال ماننے والے مفکرین کے اقوال پر مبنی ہے اور یہ فلسفۂ کنفیوشس کو سمجھنے کے لئے زینے کا کام دیتی ہے۔

رسومات

کنفیوشس ازم کی "مخصوص رسومات" نہ رکھنے کی خصوصیت ہے نیز اس کے اعتقادات اخلاقی طریقوں سے بالاتر ہیں۔ تاہم کنفیوشس کی رسمیں عام طور پر بدھ مت یا تاؤمت جیسے دوسرے چینی مذاہب کی طرح ہوتی ہیں۔

کنفیوشس اور اسلام کا تقابل

اسلام اور کنفیوشس کے تقابل کی بات کی جائے تو کنفیوشس مذہب اس قابل ہی نہیں کہ اسے اسلام کے مقابل لایا جائے کیونکہ کئی محققین تو کنفیوشس کو مذہب ہی نہیں مانتے۔ یہ ایک نامکمل مذہب ہے جسے مختلف لوگوں نے مختلف عقائد و نظریات کو شامل کر کے ایک مذہب کا رنگ دیا ہے۔ بہر حال پھر بھی ہم اسلام کی کنفیوشس مذہب پر فوقیت کے چند پہلوؤں کو ذکر کرتے ہیں۔

تصورِ الٰہ

کنفیوشس کی تعلیمات میں اگرچہ "ہستیِ اعلیٰ" کے تصور کی طرف اِشارہ ملتا ہے لیکن اس کی کتابوں میں کہیں بھی خدا کا واضح تصور موجود نہیں البتہ ان کی دینی کتابوں میں بعض جگہ "ٹی این (Tian)" یعنی ایک حقیقتِ اعلیٰ کا تصور ملتا ہے جس کا

www.dawateislami.net

معنٰی آسمان ہے لیکن اس سے خدائے واحد کے نظریے کا ابہام دور نہیں ہوتا بلکہ کنفیوشس اِزم میں تو زمین، پہاڑ، انہار وغیرہ کو بھی اِلٰہ تصور کرکے پوجا جاتا ہے۔اس کے بر عکس اِسلام میں تصور الٰہ بالکل واضح ہے کیونکہ اسلام ہمیں کامل توحید اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ﴾(پ۲۸،الحشر:۲۲)"ترجمۂ کنزالعرفان: وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔"مذہبِ اسلام میں مذکورہ بالا چیزوں کی عبادت کو شرک تصور کیا جاتا ہے۔

الہام

کنفیوشس مذہب کی تعلیمات کو کسی صورت الہامی نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی کنفیوشس نے خود الہام کا دعویٰ کیا ہے جبکہ مذہبِ اسلام ایک الہامی دین ہے اس لئے یہ فطرتی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

کتب میں تغیر و تبدل

کنفیوشس پر کئی مرتبہ دورِ ابتلا آیا اور اس کا مذہبی اور تاریخی ورثہ کئی مرتبہ شکست وریخت کا شکار ہوا جس کی بنا پر اب یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کی تعلیمات صحیح انداز میں موجود ہیں جبکہ اسلام کی مقدس تعلیمات کے لئے جس کتاب کا انتخاب کیا گیا اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ پاک نے اُٹھایا ہے چنانچہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ (پ۱۴،الحجر:۹) ترجمۂ کنزالعرفان: بیشک ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بیشک ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اسی لئے اس کی ایک ایک چیز صحیح ہونے کی حلفیہ ضمانت دی جاسکتی ہے۔

جامعیت

کنفیوشس مذہب میں جامعیت نہیں کیونکہ اس میں صرف سیاسی اور اخلاقی تعلیمات ہیں دینی عقائد نہیں جبکہ اسلام انتہائی جامع مذہب ہے جس میں سیاسی و اَخلاقی تعلیمات کے ساتھ ساتھ عقائد کو بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے بلکہ کامیابی کا معیار اصلاً عقائد ہی کو ٹھہرایا گیا ہے۔

کنفیوشس اِزم کا تنقیدی جائزہ

کنفیوشس اِزم میں اللہ پاک اور آخرت کے حوالے سے غیر واضح تصورات ہیں جس کی وجہ سے یہ مذہب بت پرستی اور دہریت کا شکار ہوگیا نیز اس مذہب کا سارادارومدار سیاست اور اخلاقیات پر مبنی ہے لہٰذا صرف اس بنیاد پر ایک مذہب کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

جین مت Jainism

جین مت کا تعارف

جین مت چھٹی صدی قبلِ مسیح میں ہندومت سے نکلا ہوا ایک دین ہے جو جملہ مظاہر زندگی میں مساوات اور رُوحانی آزادی کا حامی ہونے کے ساتھ ساتھ پانچ حلفیہ اقرار یعنی "جانداروں کا قتل، چوری کرنا، جھوٹ بولنا، جنسی تسکین اور حصولِ جائیداد سے مکمل دوری اختیار کرنا" کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا ہدف سخت ریاضتوں کے ذریعے دنیا سے بے رغبتی ہے جس کا مظہر رہبانیت ہے اسی وجہ سے یہ لوگ نیم برہنہ اور دنیا کی تمام لذتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں اور ان کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ عدمِ تشدد و ضبطِ نفس کے ذریعے نجات (یعنی موکش) حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ مذہب اپنی بے انتہا سختیوں کی وجہ سے دنیا میں نہ چل سکا تاہم ہندوستان میں آج بھی جین مت کے بہت سے پیروکار موجود ہیں۔ لاہور میں جین مندر اس مذہب کے عبادت خانے اور یادگار کے طور پر موجود ہے۔

وجہ تسمیہ

لفظِ جین مت سنسکرت کے ایک لفظ جِن سے لیا گیا ہے جس کے معنٰی فاتح اور غالب کے ہیں۔ دراصل یہ لفظ اسی جانب اِشارہ کرتا ہے کہ جس شخص نے اپنے جذبات اور نفس پر فتح حاصل کرلی وہ فاتح ہے یعنی جین مت کے بھکشوؤں میں جذبات اور جسمانی آسائشوں کے حصول کے درمیان جو معرکہ جاری رہتا ہے گویا یہ اپنے آپ کو جینی کہہ کر اپنے زعم میں خود کو اپنی خواہشات پر غالب آجانے والے شمار کرتے ہیں۔

نوٹ: جین مت کو جین شاسن اور جین دھرم بھی کہتے ہیں۔

تاریخ

جین مت کا شمار دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں کیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد کب، کہاں اور کس نے رکھی؟ اس کے بارے میں ماہرین آج تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ بہر حال اس کے آخری دوراہ نما پرسوناتھ اور مہاویر بہت معروف ہیں اور موجودہ جین مت کا بانی مہاویر کو قرار دیا جاتا ہے۔

روایتی طور پر جین مت کے پیروکار اپنے مذہب کی ابتدا ان چوبیس تیر تھنکروں کے سلسلے کو قرار دیتے ہیں جن میں پہلا تیر تھنکر رشبھ دیو اور آخری مہاویر تھے۔ جین مت کے پیروکار یہ یقین رکھتے ہیں کہ جین مت اَبدی اور لافانی ہے۔ یہ

مذہب اسی وقت سے ہے جب سے دنیا بنی ہے اور تب تک رہے گا جب تک دنیا باقی ہے۔ جین مت کے لوگ مہاویر کو آخری اوتار یا دیوتا مانتے ہیں۔

اس مذہب کی تشکیل

مہاویر سے قبل جین مت کی تشکیل میں تیس لوگ گزرے ہیں۔ جینیوں کا راہ نُما مہاویر سن 500ھ میں ہندوستان کے شہر پٹنہ کے قریب ایک کھشتری خاندان میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک بڑے قبیلے کا سردار تھا۔ مہاویر نے تیس سال کی عمر میں رُہبانِیّت (یعنی ترکِ دنیا) اختیار کی اور بارہ سال تک بالکل عُریاں (یعنی ننگا) رہا یہاں تک کہ اپنے سر کے بال نوچ ڈالے اور ریاضت کے دوران وہ کسی قسم کی گندگی کو اپنے جسم سے جدا نہ کرتا یہاں تک کہ لوگ اس کے گندے جسم، گندے بدن اور غلیظ حلیے کو دیکھ کر اس پر آوازیں کَستے، گالیاں دیتے، پتھر مارتے لیکن وہ اپنی اَن دیکھی دنیا میں مست رہتا پھر ایک دریا کے کنارے 42 سال کی عمر میں اُسے معرفت اور گیان حاصل ہوا۔ اس نے خواہشاتِ دنیوی پر فتح حاصل کی تھی اس لئے جینی (فاتح) کہا گیا اور یہی نام اس کے پیروں کاروں نے اپنا لیا۔ مہاویر کا انتقال 72 برس کی عمر میں جنوبی بہار کے ایک مقام "پاوا" میں ہوا۔

ہندوستان میں ایک طویل عرصے تک جین مت ہندوستانی ریاستوں اور مملکتوں کا سرکاری مذہب رہا ہے نیز برِصغیر ہند میں اس مذہب کی کافی اشاعت ہوئی۔ آٹھویں صدی عیسوی سے جین مت کی شہرت اور اشاعت میں کمی آنے لگی جس میں اس خطے کے سیاسی ماحول نے بھی اثر ڈالا یہاں تک کہ جین مت آج کل ہندو مذہب کا حصہ شمار ہوتا ہے۔ جینیوں کو بالعموم ہندو ہی سمجھا جاتا ہے اور مردم شماری میں بھی یہ ہمیشہ ہندوؤں کے ساتھ گنے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مذہب ہونے کے لحاظ سے یہ ایک الگ مذہب تھا۔

عقائد و نظریات

مہاویر کے بعد جین مت میں عقائد و نظریات کے اعتبار سے بہت ساری تبدیلیاں آئی ہیں۔ موجودہ دور کے جین مت پیروکاروں کے عقائد و نظریات درج ذیل ہیں:

انکارِ خدا

جین مت خدا کی ہستی کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو بڑا ہے وہی انسان کی روح میں پائی جانے والی طاقت

خدا ہے۔ دنیا میں ہر چیز جاوِدانی (یعنی ہمیشہ کے لئے) ہے۔ روحیں جسم بدل بدل کر آتی ہیں مگر اپنی الگ ہستی کا احساس باقی رہتا ہے۔ نِروان یعنی روح کی مادے اور جسم سے رہائی نویں جنم کے بعد ممکن ہو سکتی ہے۔

جین مت کے عقائد اور سات کلیے

جین مت کے عقائد سات کلیوں کی شکل میں بیان کئے جاتے ہیں جنہیں جین مت کی اصطلاح میں سات تتو یا سات حقائق کہا جاتا ہے۔ یہ کائنات اور زندگی کے بنیادی مسئلے اور اس کے حل کے بارے میں سات نظریات ہیں جن میں جین مت کا بنیادی فلسفہ بخوبی سمٹ کر آ گیا ہے۔ سات تتو یا سات حقائق درج ذیل ہیں:

1۔ جِیو: روح ایک حقیقت ہے۔

2۔ اجیو: غیر ذی روح بھی ایک حقیقت ہے جس کی ایک قسم مادہ ہے۔

3۔ اسرو: روح میں مادہ کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔

4۔ بندھ: روح میں مادہ کی ملاوٹ سے روح مادہ کی قیدی بن جاتی ہے۔

5۔ سمورا: روح میں مادہ کی ملاوٹ کو روکا جا سکتا ہے۔

6۔ نرجرا: روح میں پہلے سے موجود مادہ کو زائل کیا جا سکتا ہے۔

7۔ موکش: روح کی مادہ سے مکمل دوری کے بعد نجات (موکش) حاصل ہو سکتی ہے۔

آواگون

جیسا کہ ابتدا ہی میں ذکر کیا گیا کہ جین مت، ہندو مت اور بدھ مت سے نکلا ہوا ایک دین ہے اسی وجہ سے کئی عقائد و نظریات میں یہ تینوں مشترک ہیں، انہی عقائد و نظریات میں سے ایک آواگون کا نظریہ بھی ہے یعنی وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جب کوئی روح گناہ کرتی ہے تو وہ اس قدر بوجھل ہو جاتی ہے کہ ٹوٹنے اور ساتویں دوزخ میں گرنے لگتی ہے لیکن جب پاک صاف ہو جاتی ہے تو چھبیسویں بہشت میں پہنچ جاتی ہے اور اسے نِروان (یعنی نجات) حاصل ہو جاتا ہے۔

نوٹ: سادھو بارہ برس کے بعد نِروان (یعنی نجات) حاصل کر سکتا ہے۔

عقائد کے اعتبار سے پابندیاں

(1) جانوروں کو ہلاک نہ کرنا یہاں تک کہ کیڑے مکوڑوں کی بھی حفاظت کرنا (2) درختوں کو نہ کاٹنا (3) حتّٰی کہ

پتھروں کو کاٹنا بھی ان کے نزدیک گناہ ہے (4) بعض جینی زمین پر کاشت کی گئی سبزیاں کھانا بھی پسند نہیں کرتے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اس طرح کرنے سے زیرِ زمین مخلوقات کو تکلیف پہنچتی ہے۔

فرقے

وردھمان مہاویر کی وفات کے 160 سال بعد جین مت دھرم کے پیروکار دو حصوں یا دو فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک فرقہ دگمبر یا دگامبر کہلانے لگا اور دوسرا شویت امبر یا شویتامبر، اِس وقت جین مت اِنہی دو بڑے فرقوں میں تقسیم ہے۔

دگمبر

سنسکرت میں امبر کے ایک معنیٰ کپڑے یا لباس کے ہیں۔ دگمبر اس شخص کو کہتے ہیں جو بغیر لباس رہتا ہے۔ چونکہ اس فرقے کے سادھو بغیر لباس رہتے ہیں اس لیے ان کو دگمبر کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم دورِ حکومت میں انہیں زبردستی کپڑے پہنائے گئے لیکن آج بھی ان سادھوؤں کا یہی رویہ ہے کہ یہ بغیر لباس رہتے ہیں۔ کنبھ میلا اجلاس میں یہ سادھو آج بھی عُریاں (یعنی برہنہ) حصہ لیتے ہیں یہاں تک کہ اپنے مندروں میں رکھی گئی، ترتھنکروں کی مورتیوں کو بھی برہنہ رکھتے ہیں۔ ان کی اکثریت جنوبی ہندوستان میں آباد ہے۔

نوٹ: ان کو سکائی کلیڈ بھی کہتے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض آسمانی رنگ کی ایک چادر پہنتے ہیں۔

شویت امبر

سنسکرت زبان میں شویت کے معنیٰ سفید رنگ اور امبر کے معنیٰ لباس کے ہیں۔ اس لحاظ سے شویت امبر یا اشویتامبر کے معنیٰ سفید لباس کے ہوئے۔ وہ سادھو جو سفید کپڑے پہنتے ہیں انہیں اشویتامبر کہتے ہیں اور یہ اکثر اپنے منہ پر سفید کپڑا باندھے رہتے ہیں۔ نیز یہ اپنے ترتھنکروں کی مورتیوں کو لنگوٹ باندھ کر رکھتے ہیں۔ بہر حال اکثر و بیشتر سفید لباس استعمال کرنے کی وجہ سے ان کو وائٹ کمیڈ بھی کہتے ہیں۔ ان کی اکثریت شمالی ہندوستان میں آباد ہے۔

مذہبی کتابیں

جین مت کا لٹریچر بارہ کتابوں پر مشتمل ہے جن میں سے چار بہت مشہور ہیں:

(1) آنگس / آنگا (2) مُیولہ (3) سُوتِرا (4) اپانگا

نوٹ: ان میں سے آنگس ان کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

www.dawateislami.net

عبادات اور رسم ورواج

روزے: جین دھرم میں روزے کی سخت شرائط ہیں، ان کے یہاں چالیس چالیس دن تک کا روزہ ہوتا ہے نیز بعض خاص تہواروں سے پہلے بھی روزے رکھنے کا دستور پایا جاتا ہے جبکہ سنیاسی لوگ بعض مقررہ قواعد کے تحت روزہ رکھتے ہیں۔

سانتھرا: یہ جین مذہب میں ایک روایت ہے جس میں تا دمِ مرگ بھوکا رہا جاتا ہے، تا دمِ مرگ روزے کی رسم جین مذہب کے پیروکار موت کی تیاری کے لئے کرتے ہیں۔

نروان حاصل کرنے کے طریقے

جین مت میں اطمینانِ قلبی اور نروان حاصل کرنے کے لئے مہاویر کے بیان کردہ دو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جن میں سے ایک طریقہ سلبی اور دوسرا اِیجابی ہے۔

سلبی طریقہ

سلبی طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے دل سے ہر قسم کی خواہش نکال دے کیونکہ جب اس کے دل میں کوئی خواہش نہ رہے گی تو اس کی روح حقیقی خوشی اور نروان سے ہمکنار ہو جائے گی۔

ایجابی طریقہ

ایجابی طریقہ یہ ہے کہ انسان کے خیالات وعقائد اور علم و عمل درست ہو جائیں کیونکہ جب ایسا ہو گا تو اس کی روح کو حقیقی خوشی حاصل ہو گی اور یہی نروان ہے۔

بعض اہم رسومات

جین مت سے تعلق رکھنے والے سادھو اپنے ہاتھوں میں ایک کَمَنْڈَل (یعنی مٹی یا لکڑی سے بنا ہوا پانی کا برتن) اور ایک ٹوکری رکھتے ہیں اور کھڑے ہو کر بھیک وصول کرتے ہیں، اگر بھیک نہ ملے تو بھوکے ہی سو جاتے ہیں۔ دن میں صرف ایک مرتبہ سورج غروب ہونے سے پہلے کھانا کھاتے ہیں اور یہ گوشت نہیں کھاتے بلکہ سبزیوں پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر کھانے میں کوئی بال یا کیڑا مکوڑا نظر آجائے تب بھی کھانا نہیں کھاتے اور اگلے دن تک بھوکے رہتے ہیں۔ ہمیشہ ننگے پاؤں ہی چلتے ہیں، ہاتھ میں مورپنکھوں کی ٹوکری رکھتے ہیں اور اسی سے اُڑنے والے کیڑے مکوڑوں کو اُڑاتے ہیں تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو یہاں تک کہ اپنے ناک پر ایک کپڑا بھی باندھ کر رکھتے ہیں تاکہ کوئی چھوٹا کیڑا سانس کے ذریعے ناک

www.dawateislami.net

میں جانے کی وجہ سے مر نہ جائے۔دو ماہ میں ایک مرتبہ اپنے ہاتھوں سے سر، داڑھی اور مونچھوں کے بال نوچتے ہیں۔ طہارت کے لئے کمنڈلی میں گرم اور چھنا ہوا پانی رکھتے ہیں۔

مقدس مقامات

ان کے مقدس مقامات میں سماتا کا پہاڑ (جہاں مہاویر کا انتقال ہوا تھا)، کوہِ آبو راجستھان، شراون بیلا گولہ اور گومتھیشور کرناٹک مجسمہ ہیں۔

اسلام اور جین مت کا تقابلی جائزہ

جین مت ایک غیر فطرتی دین ہے اور اس کے کئی عقائد و اعمال ایسے ہیں جن پر عمل کرنا ناممکن ہے جبکہ مذہبِ اسلام ایک فطرتی دین ہے اور کیوں نہ ہو کہ اللہ پاک نے قرآنِ مجید میں اِرشاد فرمایا:﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۫﴾ (پ۳،اٰلِ عمرٰن:۱۹) ترجمۂ کنزالعرفان: بیشک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

خدا کا تصور

جین مت کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں خدا کی ہستی کو تسلیم نہیں کیا جاتا جبکہ مذہبِ اسلام کی بنیادی تعلیم ہی معرفتِ خداوندی اور تسلیمِ وجودِ خدا ہے۔

احکام کا فطرت کے مطابق ہونا

جین مت میں کئی احکام ایسے ہیں جو فطرت کے خلاف اور بہت مشکل ہیں جیسے کنوارا رہنا، مسلسل روزے رکھنا اور جانداروں کو نہ مارنا وغیرہ اس لئے اس مذہب کے پیروکار اکثر سر جھکائے ہاتھ میں جھاڑو لئے پھرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ اعمال غیر فطری ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی تکلیف دہ اور طاقت سے باہر ہیں۔یاد رہے! آج کی سائنس ثابت کرتی ہے کہ ہم کئی جاندار چیزوں کو کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے مارتے رہتے ہیں کیونکہ ہماری خوراک میں کئی بیکٹیریا ہوتے ہیں۔نیز مسلسل روزے رکھنا تادمِ وفات خودکشی کا عمل ہے۔

اس کے برعکس اسلام کے جملہ احکام قیامت تک آنے والے لوگوں اور حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بیان ہوئے جو عین فطرت کے مطابق ہیں۔کیونکہ دینِ اسلام دینِ فطرت ہے اس لیے یہ کسی کو اس کی طاقت و بساط سے بڑھ کر مکلّف نہیں کرتا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاؕ﴾ (پ۳،البقرۃ:۲۸۶) ”ترجمۂ کنزالعرفان: اللہ کسی

جان پر اس کی طاقت کے برابر ہی بوجھ ڈالتا ہے۔“یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسلامی نظام فطرت کے منافی اور غیر طبعی ہے اور اس پر عمل کرنا میرے لیے عقلاً ممکن نہیں۔

تزکیۂ نفس

جین مذہب میں تزکیۂ نفس سے متعلق جو افعال و اعمال موجود ہیں وہ نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہیں۔ اس کے برعکس اسلام میں تزکیۂ نفس سے متعلق بہترین ممکن افعال موجود ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اسلام میں کثیر صوفیا پیدا ہوئے، ان کے عملی کارناموں کا یہ حال ہے کہ کثیر کُفّار ان سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔

ہنسہ

جین مذہب ہنسہ اور تکلیف دینے کے خلاف ہے لیکن وہ انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے میں آنے والی رکاوٹوں کا کوئی حل نہیں بتاتا مثلاً جن علاقوں میں صرف مچھلی کھا کر ہی زندہ رہا جا سکتا ہے اس علاقے کا جین مذہب اختیار کرنے والا تو بھوکا مر جائے گا۔ جین مذہب کے مطابق دہی اور سرکہ میں بھی جیو اور جاندار ہوتے ہیں۔ جین مذہب بھی بدھ مذہب کی طرح نجات دہندہ کو نہیں مانتا بلکہ وہ انسان کے اعمال کو ہی نجات تسلیم کرتا اور ترکِ دنیا کی دعوت دیتا ہے۔ پانچ قسم کی احتیاط (یعنی سمیتاں) اور دس کشنا دھرم بتاتا ہے۔

اس کے برعکس اسلام ایک ایسا نظام لے کر آیا جو زندگی کے ہر پہلو کے لئے قوانین اور ضابطے رکھتا ہے اور دنیا کے سامنے ایسا لائحہ عمل پیش کرتا ہے جو نرمی و سختی، اصلاح و تدبر اور زجر و توبیخ ہر طرح سے مفید نتیجہ اَخذ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ اَحکَمُ الحاکمین کی حکمتِ الٰہیہ کی فضیلت ہے کہ اس نے اپنے رسول کو حکمتِ عملی اور دانائی کے ساتھ بھیج کر اس زمین کو مامون بنایا اور دنیا والوں کو ظلم و امن کے درمیان باریک سے باریک اسباب و علل کو گرفت کر لینے کی تمیز پیدا کر دی۔

حیا

جین مت میں ننگے رہنا صرف ایک غیر اخلاقی اور غیر فطرتی عمل ہے جبکہ اسلام ہمیں حیا کی ایسی تعلیم دیتا ہے جو کسی بھی مذہب میں نہیں ملتی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّةِ یعنی حیا ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں ہے۔[1]

---

1 ..... ترمذی، 3/406، حدیث: 2016

www.dawateislami.net

اَزدواجی زندگی

جین مت اَزدواجی زندگی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جبکہ اسلام اسے ایمانی زندگی کا جزو قرار دیتے ہوئے اس کی بھرپور سرپرستی اور حوصلہ اَفزائی کرتا ہے۔

جین مت کا تنقیدی جائزہ

جین مت بظاہر ہندومت ہی سے نکلا ہوا ایک راہبانہ مذہب ہے جس کی بنیادی تعلیمات میں مساوات اور رُوحانی آزادی ہونے کے ساتھ ساتھ پانچ قسم کے مختلف اِقرار لئے جاتے ہیں، اسی وجہ سے یہ لوگ نیم برہنہ اور دنیا کی لذتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ یہ مذہب اپنی بے پناہ سختیوں اور قیودات کی وجہ سے تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔

اس مذہب کی تعلیمات میں سے ایک تعلیم یہ ہے کہ یہ مذہب ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جو کہ عقیدۂ توحید اور واجب الوجود کے منافی ہے۔ نیز اس مذہب کی تعلیمات الحاد کے ساتھ ملتی ہیں کہ جس طرح ملحدین میں خدا کا تصور نہیں ہے اسی طرح ان میں بھی خدا کا تصور نہیں۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ جین مت کے پیروکار جنت اور دوزخ کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں تو ذرا غور کیجئے! اگر خدا نہیں ہے تو پھر کون سی ہستی ہے جو لوگوں کو اُن کے اعمال کے سبب جنت اور دوزخ میں داخل کرے گی؟

جین مت پر چونکہ ہندومت کا غلبہ ہے اسی وجہ سے اِس مذہب میں بھی ہندومت کی طرح آواگون کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ اس مذہب میں جانوروں کو ہلاک کرنا، درختوں اور پتوں کو کاٹنا یہاں تک کہ زمین میں اُگی ہوئی سبزیوں کو کھانا بھی معیوب و ناپسند جانا جاتا ہے۔ نیز جین مت میں خلافِ فطرت کام پائے جاتے ہیں جیسا کہ بھیک مانگنا اور بھیک نہ ملے تو بھوکے ہی سو جانا، ننگے پاؤں رہنا، دو ماہ میں ایک مرتبہ ہاتھ کے ساتھ سر، داڑھی اور مونچھوں کے بال نوچنا، کنوارا رہنا، مسلسل روزے رکھنا وغیرہ۔

www.dawateislami.net

سکھ مذہب

تعارف

لغوی اعتبار سے سکھ ایک سنسکرتی کلمہ ہے جس کے معنیٰ "مرید" کے ہیں، ہر وہ شخص سکھ کہلاتا ہے جو اپنے آپ کو دس گروؤں کا مرید مانے، ان کی تعلیمات پر ایمان رکھے اور ان پر عمل کرے۔

سکھ کوئی قدیم مذہب نہیں بلکہ اس کا شمار دنیا کے جدید مذاہب میں ہوتا ہے کیونکہ اس کی ابتدا پندرھویں صدی کے آخر اور سولہویں صدی کے شروع میں ہوئی۔ یہ دنیا کے بڑے مذاہب میں شامل نہیں ہوتا اور یہ ایک غیر سامی، آریائی اور غیر ویدک مذہب ہے۔ اس کا اصل ماخذ ہندو مذہب ہے لیکن سکھ مذہب کی یہی کوشش رہی ہے کہ وہ دیگر مذاہب کے عناصر سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کے عناصر کو بھی اپنے اندر جذب کرے۔

سکھ مذہب کی اصل

سکھ مذہب کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہ دیگر مذاہب کی طرح ایک مستقل اور خود مختار مذہب ہے جبکہ بعض حضرات کی رائے کے مطابق یہ کوئی باقاعدہ مذہب نہیں کیونکہ یہ مذہب کی تعریف پر پورا نہیں اترتا، نہ اس میں عقائد کی تفصیل ہے اور نہ ہی معاملات کی تشریح بلکہ یہ ہندو مذہب کی ایک اصلاحی تحریک کا نام ہے جس نے ہندوانہ عقائد و نظریات کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا اور اس کا اصل مقصد ہندوؤں کے عقائد کی پاکیزگی تھا۔

سکھ مذہب کا ابتدائی گرو/پیدائش

سکھ مذہب کے ابتدائی گرو کا نام بابا گرونانک ہے جو شیخوپورہ کے ایک قصبے تَلونڈی (جس کا موجودہ نام ننکانہ صاحب ہے) میں 15 اپریل 1469ء کو پیدا ہوا۔ گرونانک کے والدین مذہبی طور پر ہندو تھے، اس کے باپ کا نام کلیان چند عرف کالو تھا جو کہ متوسط درجے کا پڑھا لکھا اور علاقے کے ایک مسلمان جاگیر دار رائے بلوار بھٹی کے ہاں پٹواری تھا، اس کی ماں کا نام ترپتا تھا۔ بابا گرونانک کا تعلق ہندو مذہب کے کھشتری خاندان سے تھا۔

گرونانک کے والدین، بہنوئی اور بہن نانکی نے گرونانک کی شادی موضع لکھنو، تحصیل بٹالہ، ضلع گورداس پور کے ایک کھشتری خاندان میں سلاخانی نام کی عورت سے کر دی جس سے ان کے ہاں دو بیٹے پری چند اور لکشمی داس پیدا ہوئے۔ پری چند کی داڑھی بہت لمبی اور سر کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے اسی وجہ سے آج سکھ مذہب میں بالوں سمیت

جسم کے کسی بھی حصے کو کاٹنے کی ممانعت پائی جاتی ہے۔ ان کے دوسرے بیٹے لکشمی داس نے شادی کی تو اس کے یہاں بھی دو بیٹوں کی ولادت ہوئی۔

ملازمت

جب گھریلو ذمہ داریاں اس کے کندھوں پر پڑیں تو اسے روزگار کی فکر ہوئی چنانچہ وہ اپنی تعلیمی قابلیت، ذاتی صلاحیت، خاندانی شرافت اور اپنے والد کی کوششوں سے سلطان پور کے نواب دولت علی خان کے یہاں سرکاری گودام میں بطورِ نگران مقرر ہوا۔ نانک صاحب نے آٹھ یا نو سال ملازمت کی پھر کچھ حاسدوں کے رویے سے دل برداشتہ ہو کر ملازمت سے استعفٰی دے دیا تاہم اس دوران اسے جب بھی فرصت ملتی وہ اپنے دل کو تسکین دینے کے لئے جنگلات میں جا کر مراقبہ میں مشغول ہو جاتا۔

گرونانک کی تبلیغ کی ابتدا

ایک دن اس کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ پیش آیا جس سے منسلک روحانی تجربے نے اس کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن صبح کو جب گرونانک اپنے معمول کے مطابق بین ندی میں غسل کے لئے گیا تو اس کے کپڑے کنارے پر پائے گئے لیکن وہ موجود نہیں تھا جس کے باعث تمام لوگوں کو یقین ہو گیا کہ گرونانک ندی میں ڈوب گیا ہے۔ نواب دولت علی خان نے جو گرونانک کو بہت عزیز رکھتا تھا اپنے تمام متعلقین غوطہ خوروں اور جال ڈالنے والوں کے ذریعے انتہائی کوشش کی کہ کم از کم نعش ہی دستیاب ہو جائے مگر کچھ پتا نہ چلا۔ ندی میں غائب ہونے کے تین دن بعد گرونانک دوبارہ ظاہر ہوا، لوگوں کی انتہائی حیرت اور سوالات کا جواب اس نے مکمل خاموشی سے دیا اور اگلے روز جب زبان کھولی تو پہلا کلمہ اس کی زبان سے یہ نکلا کہ نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان۔ سکھ روایات کے مطابق اس دوران گرونانک خدا کے حضور میں تھا جہاں اسے براہِ راست خدا کی طرف سے عشقِ الٰہی کا کام عطا ہوا اور ذکرِ الٰہی کی اِشاعت کی ذمہ داری سونپی گئی۔

گرونانک کا دورِ سیاحت

اس کے ساتھ ہی بابا گرونانک کا 25 سالہ سیاحت کا دور شروع ہوا جو چار مرحلوں پر مشتمل ہے:

پہلا سفر

بابا گرونانک کا پہلا سفر 12 سال پر محیط ہے جس میں اس نے مشرقی ہندوستان میں بنگال تا آسام تک کا سفر کیا اور

واپسی میں اڑیسہ کی طرف سے ہوتے ہوئے وسطِ ہند اور پھر راجستھان کے راستے واپسی اختیار کی۔اس سفر میں بابا گرونانک نے تمام ہندو مذہبی مقامات کا دورہ کیا اور وہاں اپنے مسلک کی تبلیغ کی۔ اسی سفر میں بابا گرونانک کے ساتھ ان کا خاندانی مراثی لہنا جو بعد میں جانشین بنا،اُن کا دوست مردانہ جو رباب (ایک قسم کی سارنگی) بجانے کا ماہر تھا،اُن کا خاندانی ملازم بالا اور رام داس بدھا بھی شامل تھے۔اس وقت بابا گرونانک کی عمر 36سال تھی۔

دوسرا سفر

بابا گرونانک نے دوسرا سفر 1510ءمیں شروع کیا اور یہ جنوب کی طرف تھا۔اس کا یہ سفر 5 سال پر مشتمل تھا۔بابا گرونانک اس سفر میں سری لنکا تک گیا۔جب وہ اس سفر سے واپس آیا تو اس کے ایک مرید اور کچھ کسانوں نے اسے کچھ اراضی نذر کی جہاں اُس نے گاؤں کرتارپور کی بنیاد ڈالی۔کرتارپور کا قصبہ 1522ء میں آباد کیا گیا۔کرتار اور لنگر یہاں کی روزانہ کی تقریبات تھیں۔یاد رہے!کرتار سے مراد سکھوں کا خدا اور لنگر سے مراد کھانے کی مفت تقسیم ہے۔اسی مقام پر بروز پیر22 ستمبر1539ءکو بابا گرونانک نے وفات پائی۔

تیسرا سفر

بابا گرونانک کا تیسرا سفر شمال کی طرف تھا جس میں وہ کوہِ ہمالیہ کی پہاڑی ریاستوں اور کشمیر سے ہوتا ہوا تبت تک گیا۔یہ سفر 1515ءسے شروع ہوکر 1517ءتک جاری رہا۔اس نے اس سفر سے واپسی پر تھوڑا عرصہ اپنے وطن میں قیام کیا اور پھر اگلے سفر پر چل دیا۔

چوتھا سفر

چوتھا سفر بابا گرونانک کا آخری سفر تھا۔اس سفر میں وہ ایران، عراق اور وَسط ایشیا سے ہوتا ہوا حجازِ مقدس تک گیا۔دورانِ سفر اس نے ایک حاجی اور مسلم فقیر کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔سکھ مذہب کے اقوال میں موجود ہے کہ اس چوتھے سفر کے دوران گرونانک نے بیت اللہ کا حج بھی کیا۔ اس سفر میں بھی اس نے اپنے مخصوص انداز سے اپنے مخصوص نظریات کا پرچار کیا۔اس کا یہ سفر 1521ءمیں پنجاب پہنچنے پر ختم ہوا۔

ذریعۂ معاش

بابا گرونانک نے اپنی مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد کھیتی باڑی کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا۔

بقیہ زندگی

اس نے اپنی عمر کے بقایا18 سال ایک فقیر اور درویش کے روپ میں کرتار پور میں گزارے۔اس کی زندگی کا یہ دور سکھ مذہب کے اعتبار سے زیادہ معنیٰ خیز ثابت ہوا، یہاں اس کا ڈیرہ ایک روحانی مرکز کی حیثیت سے مشہور ہو گیا جہاں اس کے بہت سے مریدین دُور و نزدیک سے حاضر ہوتے اور رُوحانی فیض حاصل کرتے۔

گرونانک نے اپنی زندگی کے اختتام پر اپنے ایک مرید لہنا کو جب فنافی الشیخ کے مقام پر پایا تو اُسے اپنا جانشین مقرر کر دیا اور کہا: یہ میری روح کا حصہ ہے چنانچہ اسی سے اس کی روحانیت کا ایک سلسلہ چل پڑا۔یہی وجہ ہے کہ سکھ مذہب میں ہر گرو اپنے آپ کو نانک بھی کہتا ہے۔اسی جانشینی کی وجہ سے باقاعدہ ایک مذہبی تنظیم کی بنیاد ڈالی گئی اور یوں سکھ مذہب وجود میں آیا۔

انتقال و آخری رسومات

گرونانک کا انتقال70 سال کی عمر میں بروز پیر 22 ستمبر 1539ء کو کرتار پور میں ہوا۔ سکھ مت کتب کے مطابق مقامی سکھ، ہندو اور مسلمان ان کی آخری رسومات کے حوالے سے آپس میں لڑنے لگے کیونکہ تینوں اپنی مذہبی روایات کے مطابق اس کی آخری رسومات ادا کرنا چاہتے تھے۔ہندوؤں کا کہنا تھا کہ نانک ہندوؤں کے گھر پیدا ہوا ہے لہٰذا ہم اسے جلائیں گے لیکن مسلمان اسے دفن کرنا چاہتے تھے۔بہر حال اس روایت میں شدید اختلاف ہے کہ مسلمانوں نے یہ اختلاف کیا بھی تھا یا نہیں؟ اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ بابا گرونانک کی میت چادر کے نیچے سے غائب ہو چکی تھی اور اس جگہ پھول پڑے ہوئے ملے تھے کیونکہ خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ شاید کوئی نانک کی لاش کو اُٹھا کر لے گیا ہو۔ بعد ازاں سکھوں نے کرتار پور میں ان کی یاد میں ایک مقبرہ تعمیر کیا جہاں ہر سال سکھ بڑی تعداد میں اپنی مذہبی رُسوم اَدا کرتے ہیں۔

سکھ مت کے گرو

گرونانک کے بعد سکھ مذہب میں 9 مزید گرو ہوئے ہیں جن کو ماننا سکھ مذہب کا لازمی حصہ ہے اور دسویں گرو نے آگے مزید گرو بنانے پر پابندی عائد کی اور کہا کہ اب گرنتھ (یعنی سکھوں کی مذہبی کتاب) ہی ہمیشہ گرو ہو گی۔

سکھ مذہب کے ان گروؤں کے نام درج ذیل ہیں:

1۔ گُرو اَنگد　　2۔ گرو اَمر داس　　3۔ گرو رام داس

4۔ گرو ارجن دیو 5۔ گرو ہر گوبند 6۔ گرو ہری رائے
7۔ گرو ہر کشن 8۔ گرو تیغ بہادر 9۔ گرو گوبند سنگھ

عقائد و نظریات

تصورِ الٰہ

سکھوں کا عقیدہ ہے کہ خدا غیر مرئی شکل میں ایک ہے جبکہ مرئی شکل میں اپنی لاتعداد صفات کے ساتھ موجود ہے۔ نیز ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ خدا کی تخلیقی صفت مایا نے انسان کے اندر پانچ گناہوں کو جنم دیا ہے: نفس، غصہ، حرص، عشق اور غرور۔ ان برائیوں کو دعا، مراقبہ اور خدمتِ خلق کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے۔

گرو کا تصور

سکھوں کے یہاں گرو کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لفظِ گرو دو لفظوں گو اور رو سے مرکب ہے۔ گو کے معنٰی اندھیروں کو دُور کرنے والا اور رو کے معنٰی روشنی پھیلانے والا۔ سکھوں کے دس گرو ہیں جن میں سب سے پہلا گرو نانک تھا جس نے سکھ مذہب کی بنیاد ڈالی۔ سکھ لوگ پیغمبروں، نبیوں اور اوتاروں کو نہیں مانتے بلکہ اس عقیدے کی مخالفت کرتے ہیں۔

آواگون کا تصور

تناسخ اور آواگون کے سلسلے میں گرو نانک نے ہندوانہ عقیدے کو ترجیح دیتے ہوئے اسی کو اختیار کیا ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ انسان مختلف شکلوں میں بار بار جنم لیتا رہے گا۔ اس کے خیال میں جب تک انسان عشقِ الٰہی میں کمال حاصل کرکے خدا کو نہیں پالیتا وہ بار بار اسی دنیا میں جنم لیتا رہے گا اس طرح ان بے شمار زندگیوں کی تعداد ایک لاکھ چوراسی ہزار بتلائی گئی ہے۔

عقیدۂ حلول و اتحاد

سکھ مت عقائد کے مطابق بعد میں آنے والے نو گروؤں کو جب یہ منصب عطا ہوا تو گرو نانک کے تقدس، الوہیت اور مذہبی اختیارات کی روح ان میں سے ہر ایک میں حلول کر گئی، اسی طرح خالقِ کائنات کے بارے میں بھی ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ کائنات میں سمویا ہوا ہے اور جو کچھ موجود ہے اور جو انسان سے جانا جاسکتا ہے وہ سبھی خالق کا وجود اور اس کا نور ہے جیسا کہ گرنتھ صاحب میں ہے: اے خدا! تُو ہی قلم ہے اور تُو ہی تحریر اور تُو ہی سیاہی ہے اور تُو ہی میز۔ ایک اور قطعہ ہے: تُو ہی مچھلی ہے اور تُو ہی جال اور تُو ہی شکاری ہے، اے خدا! اس کائنات میں صرف تیری ہی ذات ہے تیرے علاوہ کوئی اور نہیں۔

سکھوں کے فرقے

باقی مذاہب کی طرح سکھوں میں بھی کئی فرقے پائے جاتے ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

1۔ اُداسی فرقہ　2۔ اکالی فرقہ　3۔ بندہ / نانک پنتھی

4۔ مزبی فرقہ　5۔ رام داسی فرقہ

مذہبی کتب

سکھوں کی ایک مذہبی کتاب گرو گرنتھ صاحب ہے جس میں گرونانک نے اپنے فرقہ کے لئے مذہبی نظمیں اور مُناجاتیں چھوڑی تھیں جنہیں سکھوں نے محفوظ رکھا۔ دوسرے گرو نے گورمکھی (پنجابی) رسم الخط ایجاد کیا۔ پانچویں گرو نے ان سب کو جمع کرکے ایک کتاب بنادی جس میں سَنت کبیر (نامی ایک مذہبی پیشوا) اور پندرہ دیگر رہنماؤں کے اقوال اور گیت شامل ہیں، یہ ادی گرنتھ یا اصلی گرنتھ کہلاتی ہے۔ دسویں گرو نے اس میں بہت سا نیا اضافہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ادی گرنتھ سکھ مذہب کی دینی کتاب بن گئی۔

یہ کتاب ساری کی ساری منظوم ہے جس میں گرونانک اور بابا فرید گنج شکر رحمۃُ اللہ علیہ کے علاوہ گرو امر داس، گرو ارجن، گرو تیغ بہادر اور 25 دوسرے بھکشوؤں اور صوفی شاعروں کا کلام شامل ہے۔ گرو ارجن نے ادی گرنتھ کی ترتیب و تدوین کا کام 1604ء میں مکمل کیا اور تمام سکھوں کو اس کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دی۔

عبادات و رسومات

انفرادی عبادت

سکھوں کے دن رات کے معمولات کچھ اس طرح کے ہیں کہ وہ صبح سویرے اُٹھ کر سب سے پہلے غسل کرتے ہیں، اس کے بعد مخصوص بھجن گائے جاتے ہیں اور دعائیں پڑھی جاتی ہیں، اس کے بعد اپنے معمولات سے فراغت پاکر رات کو بھجن اور دعائیں پڑھنے کی ایک اور رَسم ادا کی جاتی ہے۔

اجتماعی عبادت

سکھ اجتماعی عبادت کے لئے اپنے عبادت خانے میں جسے گوردوارہ کہا جاتا ہے، اکٹھے ہوتے اور ملتے ہیں جہاں سب سے اہم ترین عبادت ”گرنتھ“ کو پڑھنا ہوتا ہے، اس کی مختلف دعائیں، بھجن، وعظ اور کھانا بھی اسی اجتماع کا حصہ ہوتا ہے۔

چونکہ سکھوں میں اب گروؤں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اس لئے سکھ برادری کا کوئی بھی فرد اجتماعی خدمات سر انجام دے سکتا ہے، اسی طرح عبادت کے سلسلے میں ذات پات یا اختلافِ جنس کی کوئی قید نہیں بلکہ تمام فرقوں کے مرد و عورت اکٹھے ہو کر عبادت کرتے ہیں، ان کے عبادت خانوں میں بت نہیں ہوتے لیکن ان کی دینی کتاب گرنتھ صاحب کو سجدہ کیا جاتا ہے۔

نوٹ: سکھوں کے عبادت خانے کو گوردوارہ کہا جاتا ہے۔ان کے گوردوارے پنجاب کے اکثر علاقوں میں پائے جاتے ہیں جن میں سے زیادہ مشہور گوردوارے **امرتسر**، گورداس پور اور فیروز پور کے اضلاع میں ہیں۔سکھوں کے نزدیک سب سے زیادہ مقدس گوردوارے امرتسر کا طلائی مندر (گولڈن ٹیمپل) یعنی دربار صاحب اور گرونانک کی جائے پیدائش ننکانہ صاحب ہیں جہاں ہر سال مقررہ اوقات پر میلے لگتے ہیں۔

ککار

سکھ لوگ اپنی زندگی میں پانچ علامتوں کو اختیار کرنا لازمی سمجھتے ہیں جنہیں وہ ککار کہتے ہیں جو کہ درجہ ذیل ہیں:

(1) کیس یعنی لمبے بال رکھنا (2) کنگھا کرنا (3) کڑا پہننا (4) کرپان (تلوار) ساتھ رکھنا (5) کچھ اور پگڑی باندھنا

ذبح کرنا

سکھ ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت نہیں کھاتے لیکن وہ جانور جسے ایک ہی وار میں مار دیا جائے اس کا گوشت کھاتے ہیں۔

تہوار

سکھ مت میں بیسیوں تہوار عالمی و علاقائی طور پر منائے جاتے ہیں بلکہ ان کے یہاں کئی تہواروں کو بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔

بیساکھی

بہار کا میلہ جو کیم بیساکھ میں 13 اپریل کو منایا جاتا ہے۔بیساکھی وے شاکھ سے بنا ہے۔پنجاب اور ہریانہ کے کسان موسمِ سرما کی فصل کاٹ لینے کے بعد نئے سال کی خوشی مناتے ہیں اسی لئے بیساکھی پنجاب اور اس کے ارد گرد کے علاقوں کا سب سے بڑا تہوار ہے۔یہ فصل کے پکنے کی خوشی کی علامت ہے۔اسی دن (13 اپریل 1699) کو دسویں گرو گوبند سنگھ نے خالصہ پنتھ کی بنیاد رکھی تھی لہٰذا سکھ اس تہوار کو اجتماعی سالگرہ کے طور پر مناتے ہیں۔

ماگھی

اس تہوار کو منانے کا مقصد مکتسر جنگ کو یاد کرنا ہے جو سکھوں نے مغلوں کے خلاف لڑی تھی۔

گرونانک گرپورب

22نومبر کے دن سکھ مت کا بانی اور سکھوں کا پہلا گرونانک ننکانہ صاحب میں پیدا ہوا تھا۔ ہر سال اس تہوار کو منانے کی مناسبت سے سکھ اِکٹھے ہوتے ہیں۔ اس تہوار پر گردواروں میں شمعیں روشن کی جاتی ہیں۔ یہ جشن تقریباً تین دن تک چلتاہے۔ اس تہوار کو مناتے ہوئے جلوس کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے جس کی قیادت پنج پیارے اور گروگرنتھ کی پالکی کرتی ہے۔

سکھ مذہب اور اسلام کا تقابلی جائزہ

کامل دین

سکھ مت ایک نامکمل دین ہے اور اس کے عقائد و نظریات نامکمل اور غیر واضح ہیں بلکہ یہ بھی تاریخ سے واضح نہیں کہ اس کا بانی گرونانک کیا تھا؟ سکھ مت ہندوؤں سے نکلا ہوا ایک ایسا مذہب ہے جسے ہندوؤں کے عقائد شامل کر کے کسی حد تک مکمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جبکہ اس کے برعکس اسلام ایک کامل دین ہے جس میں دوسرے مذاہب کے عقائد و نظریات شروع سے لے کر اب تک داخل نہیں کئے گئے اور نہ ہی قیامت تک داخل ہوں گے بلکہ اسلام کے عقائد قرآن و حدیث سے بالکل واضح ہیں اور اس کے مکمل ہونے کے حوالے سے قرآن مجید میں ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (پ٦، المآئدہ:٣)	ترجَمۂ کنز العرفان: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

توحید

سکھ مت دینِ توحید ہونے کا مدعی ضرور ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ موجودہ سکھ مت بت پرستی اور شرک میں مبتلا ہے۔ اگرچہ گرونانک کی تعلیمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بت پرستی کا قائل نہیں تھا اور خدا کو ایک ہی مانتا تھا جیساکہ گرنتھ صاحب کے دیباچہ میں واضح اعلان ہے: سکھ گرو بذاتِ خود اَوتار وَاد اور بت پرستی کے عقیدے کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن موجودہ سکھ گرونانک کی تعلیمات سے بالکل منحرف ہو چکے ہیں کیونکہ جہاں سکھ خدا کو گرو یا واہ گرو کہتے ہیں وہیں وہ اپنے مخصوص پیشواؤں کو بھی گرو کہتے ہیں اور ان کے لئے ان کا نظریہ یہ ہے کہ وہ خدا کے خادم ہیں بلکہ کہیں تو گرو کو خدا بھی کہا گیا ہے۔ بہر حال کسی مخلوق یا انسان کو کسی بھی معنٰی میں خدا کہا جائے تو اسلام کے نزدیک یہ شرک

ہے جبکہ گرنتھ صاحب اور سکھ لٹریچر میں گرو کو بار بار خدا کہا گیا ہے لہٰذا سکھ مت کے اس نظریے کی وجہ سے ان کے دینِ توحید ہونے کا دعویٰ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ اس کے برعکس دینِ اسلام توحید کا علمبردار ہے اور یہ صرف توحید کا پیغام دیتا اور شرک کی نفی کرتا ہے بلکہ شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیتا ہے، بایں وجہ مسلمان اللہ پاک کے نیک و بزرگ بندوں یہاں تک کہ انبیاو رسل علیہم الصلوۃ والسلام کو بھی نہ تو خدا مانتے ہیں اور نہ ہی خدا کا شریک بلکہ اسمائے باری تعالیٰ کو بھی توقیفی مانتے ہیں اور ان کا بغیر اضافت کے کسی اور کے لئے استعمال نہ صرف نامناسب خیال کرتے بلکہ بعض اسماء کے غیر خدا کے لئے استعمال کرنے کو کفر سمجھتے ہیں جیسے قیوم وغیرہ۔ بہر حال قرآنِ مجید میں مسلمانوں کے عقیدۂ توحید کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور قرآنِ مجید کی کئی آیات اس بات کی شاہد ہیں چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۠ (پ۳۰، الاخلاص:۱تا۴)

ترجمۂ کنز العرفان: تم فرماؤ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور کوئی اس کے برابر نہیں۔

نیز ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۠ (پ۲، البقرۃ:۱۶۳)

ترجمۂ کنز العرفان: اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بڑی رحمت والا، مہربان ہے۔

اسی طرح اللہ پاک کی ذات وصفات میں اس جیسا کوئی بھی نہیں ہے چنانچہ قرآنِ پاک میں اللہ پاک کی ذات وصفات کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ﴾ (پ۲۵، الشوریٰ:۱۱) ”ترجمۂ کنز العرفان: اس جیسا کوئی نہیں۔“

نبوت ورِسالت

سکھ مت میں نبوت و رِسالت کا کوئی تصور نہیں ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ خدا اپنے نیک بندوں کو بھیجتا اور ان کے منہ میں اپنا کلام ڈالتا ہے اور یہ لوگ سکھ مت میں گرو کہلاتے ہیں جبکہ دینِ اسلام میں نبوت اور رسالت ایک بنیادی تصور ہے جو اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرتا ہے، اسلام کی تعلیمات میں ہے کہ خدا اوتار نہیں لیتا اور نہ کسی رشی، منی کو جپ تپ سے گیان حاصل ہوتا ہے بلکہ خدا اپنے کسی بہترین بندے کو چن کر اس کی تربیت کرتا ہے، اس پر وحی نازل فرماتا ہے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ دکھانے کی تاکید کرتا ہے۔ یہ حضرات انسان اور بندے ہوتے ہیں خدا قطعی نہیں

ہوتے۔یاد رہے! نبیِّ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے جیسا کہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَؕ (پ ۲۲،الاحزاب:۴۰)

ترجمۂ کنزالعرفان: محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخر میں تشریف لانے والے ہیں۔

اخوت اور مساوات کا تصور

سکھوں کی مذہبی کتاب گرنتھ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ بابا گرونانک ہندو مسلم اتحاد کا داعی تھا اور اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلم بس ہم سب ایک ہیں اس نے اذان بھی دی، نماز بھی پڑھی، لوگوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی اور روزے رکھنے کی تلقین بھی کی اور خود حج بھی کیا یعنی عملاً اخوت و مساوات کے لئے بہت سارے اقدامات کئے۔یاد رکھیے! اخوت و مساوات کا یہ تصور اسلام کے پیش کردہ اخوت و مساوات کے تصور کے بالکل منافی ہے کیونکہ اسلام ایک الگ دین ہے اور کفر خواہ کسی بھی صورت اور کسی بھی نام سے ہو اسلام کے بالمقابل دوسرا دین ہے جیسا کہ اسلام نے بہت پہلے ہی فرما دیا تھا: اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ بس ان کو جمع کرنا آگ اور پانی، دن اور رات، زمین اور آسمان، چاند اور سورج کو جمع کرنے کے مترادف ہے اور یہی وہ دو قومی نظریہ ہے جو پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کا سبب بنا۔

تحریف کتاب

سکھ مذہب کی بنیادی کتاب گرنتھ صاحب تحریف شدہ ہے، اس کی ترتیب نہ مضمون وار ہے نہ گرووار اور نہ ہی زمان ومکان کے لحاظ سے بلکہ صرف راگوں کے اعتبار سے ہے۔ ایک راگ کی دُھن پر جتنا کلام ہے وہ اس کے تحت اِکٹھا کر دیا گیا ہے۔ گرو گرنتھ منظوم کلام پر مشتمل ہے اور اس میں سکھوں کے چھ گُرو صاحبان گرونانک، گرو انگر، گرو اَمر داس، گرو رام داس، گرو اَرجن اور گرو تیغ بہادر کا کلام درج ہے۔ سکھ وِدوان اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ گرو گرنتھ کی تالیف کی ابتدا سکھوں کے پانچویں گرو اَرجن نے کی تھی لیکن اس کے مرتب ہونے کے زمانے سے متعلق سکھ وِدوانوں میں کافی اختلاف ہے جبکہ مذہبِ اسلام کی بنیادی کتاب قرآنِ مجید ہر قسم کے تضاد و تحریفات سے پاک ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود پروردگارِ عالَم نے لیا ہے چنانچہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ (پ ۱۴،الحجر:۹)

ترجمۂ کنزالعرفان: بیشک ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بیشک ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

خلافِ فطرت اُمور

سکھ مذہب فطرت کے خلاف حکم کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو تلقین کرتا ہے کہ جسم کے کسی حصے کے بال نہ تراشے جائیں حالانکہ یہ ایک غیر فطرتی اور حُسنِ سیرت کے منافی عمل ہے کیونکہ فطرت صفائی کو پسند کرتی ہے۔ سکھ کہتے ہیں کہ بال نہ کاٹنا ہی فطرت ہے اس لیے کہ انسان ایسے ہی پیدا ہوا ہے جبکہ اسلام "دینِ فطرت" ہونے کی وجہ سے انسان کی تمام فطری ضروریات اور تقاضوں کو بھرپور انداز میں پورا کرتا ہے۔ بدن کے متعلق بالعموم اور بغل اور زیرِ ناف بالوں کی صفائی کا بالخصوص حکم دیتا ہے جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے: دس چیزیں فطرت سے ہیں (یعنی ان کا حکم ہر شریعت میں تھا) مونچھیں کترنا، داڑھی بڑھانا، مِسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، اُنگلیوں کی چُنٹیں دھونا، بغل کے بال دور کرنا، موئے زیرِ ناف مونڈنا، اِستنجا کرنا، کُلّی کرنا۔ (1)

موسیقی

سکھ مت میں موسیقی کو ایک خاص مقام حاصل ہے بلکہ اس کے بغیر حمدِ الٰہی ممکن ہی نہیں۔ گرونانک نے موسیقی کے ذریعے اپنے خیالات کی اشاعت کی جبکہ اسلام میں گانا اور موسیقی حرام ہیں اور ان کی کوئی حیثیت نہیں چنانچہ حدیثِ پاک میں ہے کہ نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اِرشاد فرمایا: اس امت میں زمین میں دھنسنا، صورتوں کا مسخ ہونا اور پتھروں کا برسنا ہو گا۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! یہ کب ہو گا؟ اِرشاد فرمایا: جب گانا گانے والی لڑکیاں یا لڑکے اور آلاتِ موسیقی عام ہو جائیں گے اور شرابیں پی جائیں گی۔ (2)

سکھ مت کا تنقیدی جائزہ

سکھ مذہب اپنی اصل کے اعتبار سے کوئی خود مختار مذہب نہیں بلکہ یہ ہندوازم کی ایک اصلاحی تحریک کا نام ہے جس کا مقصد ہندوانہ عقائد و نظریات کی اصلاح اور پاکیزگی تھا۔ اس تحریک کو بعد کے گروؤں نے مذہب کی شکل دے دی۔

اگر اس مذہب کی تعلیمات پر غور کیا جائے تو کئی قسم کی ایسی چیزیں سامنے آئیں گی جو خلافِ فطرت ہوں گی جیسا کہ گرونانک کے بعد سکھ مت میں سب سے اہم سمجھے جانے والے گرو گوبند سنگھ نے سکھ مذہب کے شرعی قوانین بنائے تو اس میں

---

1 ...... مسلم، ص125، حدیث:604

2 ...... ترمذی، 4/ 90، حدیث:2219

حلال گوشت کی ممانعت بھی رکھ دی۔ اسی طرح کیس (یعنی بال نہ کاٹنے) کو لازم قرار دے دیا جو کہ ایک غیر فطری امر ہے۔ نیز سکھ مذہب کی تعلیمات جو کہ اب گرو گرنتھ صاحب کے ذریعے حاصل کی جاتی ہیں وہ بھی ایک تحریف شدہ کتاب ہے۔

عقیدۂ تصورِ الٰہ کے حوالے سے سکھ مت میں تضاد پایا جاتا ہے کیونکہ گرو نانک کے نزدیک خدا ایک ہے اور اس کا نام سچا ہے جبکہ موجودہ سکھوں کا یہ نظریہ ہے کہ ایک خدا وہ ہے جس کی شکل و صورت کو دیکھا نہیں جا سکتا اور وہ ایک ہی ہے جبکہ دوسرا خدا دکھائی دینے والی شکل کے ساتھ اپنی لاتعداد صفات کے ساتھ موجود ہے۔ (بنیادی طور پر دیکھا جائے تو سکھ مت کا یہ عقیدہ ہندو عقیدۂ بت پرستی کی ایک توجیہ ہے جو کہ ان میں بھی پائی جاتی ہے اور اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ سکھ مت میں گرنتھ صاحب کو سجدہ کیا جاتا ہے۔)

عقیدۂ رسالت کا سکھ مت میں کوئی تصور نہیں بلکہ ان کے ہاں گروؤں کو ہی اوتارِ خدا اور رسول کا روپ مانا جاتا ہے۔ اکثر سکھ اپنے مذہب کے بانی گرو نانک کو پیغمبر سمجھتے ہیں جو کہ سراسر اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے۔

سکھ مت ایک مستقل مذہب نہ ہونے کی وجہ سے دیگر ادیان کے عقائد و اعمال کو بھی قبول کر لیتا ہے، اسی لئے سکھ مت میں ہندو ازم کی طرح آواگون اور حلول کا عقیدہ پایا جاتا ہے اور مسلمانوں کے عقیدۂ بعث بعد الموت کی طرح قیامت اور دنیا کے فنا و زوال کا عقیدہ بھی پایا جاتا ہے۔

سکھ مت کی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ عبادت کے سلسلے میں مرد و زن کے اختلاط کی کوئی ممانعت نہیں۔

اسی طرح مِن جملہ خرابیوں میں سے ایک خرابی بسنت کا تہوار بھی ہے جو کہ سراسر جانی اور مالی ضیاع کا موجب ہے کہ اس میں مال بھی ضائع ہوتا ہے اور بسا اوقات انسان کے گلے پر ڈور پھرنے کی وجہ سے اس کی جان بھی چلی جاتی ہے۔

سکھ مت کی ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں موسیقی کو بہت اہمیت حاصل ہے یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ گرو نانک نے اپنے خیالات کی تشہیر موسیقی کے ذریعے کی جبکہ اسلام میں اس طرح کی خرافات کی کوئی اہمیت و جگہ نہیں۔

بہر حال سکھ مت اپنی ابتدا ہی سے کئی خرافات و توہمات کا مجموعہ رہا ہے اور عصرِ حاضر میں سکھ مت پر ہندو ازم کے عقائد و رسم و رواج کا غلبہ نظر آتا ہے جس کی وجہ سے اس مذہب کے ماننے والوں کے لیے خالصتاً سکھ مت کو اپنی آنے والی نسلوں تک منتقل کرنا ایک مشکل امر ہے۔

دہریت

دہریت کی تعریف

دہر عربی لفظ ہے جس کا معنی "زمانہ" ہے۔ دہریہ اس شخص کو کہتے ہیں جو زمانے کو تو مانتا ہے لیکن اس کے خالق کو نہیں مانتا۔ دہریت کوئی جدید ایجاد نہیں بلکہ کئی صدیوں سے اس طرح کے عقائد رکھنے والے لوگ آتے رہے ہیں اور نزولِ قرآن کے وقت بھی یہ طبقہ موجود تھا جیسا کہ قرآنِ مجید میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ (پ۲۵، الجاثیۃ:۲۴)

ترجَمۂ کنزُالعرفان: زندگی تو صرف ہماری دنیاوی زندگی ہی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ صرف گمان دوڑاتے ہیں۔

موجودہ دور کی طرح پہلے ادوار میں بھی علمائے اسلام نے دہریوں کے باطل نظریات کے زبردست جوابات دیئے اور بالخصوص عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ وجودِ باری تعالیٰ کو ثابت کیا۔

وجہ تسمیہ

اس کی وجہ تسمیہ کچھ یوں ہے کہ کُفّار دن رات کے گزرنے ہی کو مؤثر اعتقاد کرتے، ملک الموت کے بحکمِ الٰہی روحیں قبض کرنے کا انکار کرتے اور ہر حادثہ کو دہر کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اس لفظِ "دہر" سے اخذ کرکے دہریہ مستعمل ہے۔

دہریت کے فرقے

فلسفی فرقہ

اس فرقے کی مزید کئی شاخیں ہیں:

(1) بنیادی دہریہ فرقہ

یہ خالق کے وجود کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ دنیا کا نظام ہمیشہ سے اسی طرح چلا آرہا ہے اور ہمیشہ چلتا رہے گا۔

(2) طبیعیہ فرقہ

اس فرقے نے انسان کے وجود اور اس کے اعضا کی ساخت نیز جانوروں اور پودوں کے عجائبات پر غور کیا تو ان چیزوں کے خالق کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا لیکن اس فرقے کے نزدیک کسی چیز کے معدوم ہو جانے کے بعد اس کا

اعادہ ممکن نہیں لہٰذا یہ فرقہ دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کا منکر ہو گیا اور بے لگام ہو کر جانوروں کی طرح لذّات میں لگ گیا۔

(3) الٰہیہ فرقہ

یہ فرقہ دوبارہ زندہ ہونے میں شک کرتا تھا مگر قطعی انکار نہیں کرتا تھا۔ یہ کہتا تھا کہ قیامت کے دن صرف روحیں اُٹھائی جائیں گی اور عذاب وثواب روحانی ہوں گے جسمانی نہیں۔ اس فرقے نے مذکورہ بالا دونوں فرقوں کا خوب رد کیا اور اس قدر تردید کی کہ مسلمانوں کو اس پر مغزماری کی ضرورت نہ رہی گویا اللہ پاک نے صنم خانے سے کعبے کی پاسبانی کا کام لیا۔

(4) ثنویہ فرقہ

یہ فرقہ دو چیزوں کو ازلی اور قدیم سمجھتا ہے اس لئے اسے ثنویہ کہا جاتا ہے، اس فرقے کی مزید کئی شاخیں ہیں:

(1) مانویہ: اس فرقے کا بانی مانی بن فاتک ہے جو حضرتِ عیسٰی علیہ السّلام کے زمانے کے بعد سابورین اردشیر کے زمانے میں پیدا ہوا۔ اسے بہرام بن ہرمز بن سابور نے قتل کیا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ دنیا دو اَجزا سے مرکب ہے جو ازلی ہیں: ایک نور اور دوسرا ظلمت۔ نور خوبصورت ہے اور ظلمت بدصورت، نور بھلائی ہے اور ظلمت شرارت، نور صلح ہے اور ظلمت فساد، نور اوپر کو جاتا ہے اور ظلمت نیچے کو، نور زندگی ہے اور ظلمت موت، نور سے فرشتے پیدا ہوتے ہیں اور ظلمت سے شیاطین۔

(2) مزدکیہ: اس کا بانی مزدک ہے جو نوشیروان عادل کے والد قباذ کے زمانے میں گزرا ہے۔ قباذ خود بھی اسی کا پیروکار تھا مگر نوشیروان جب اس مزدک کی تعلیماتِ فاسدہ پر مطلع ہوا تو اسے قتل کر دیا۔ مزدک کہتا تھا کہ نور اپنے اختیار سے کام کرتا ہے لیکن ظلمت محض اتفاقیہ کام دکھاتی ہے۔ اس فرقے کی مزید کئی شاخیں ہیں: الکوایہ ابومسلمیہ، الماھانیا اور الاسبید خامکیہ۔

(3) دیصانیہ: یہ فرقہ دیصان نامی آدمی کی طرف منسوب ہے۔ دیصان دراصل ایک دریا کا نام ہے جس کے کنارے اس فرقے کا بانی رہا کرتا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ نور قصداً اور اختیاری طور پر کام کرتا ہے جبکہ ظلمت طبعی اور اضطراری طور پر کام کرتی ہے۔ نور زندہ، عالم، قادر، حسّاس اور دَرّاک ہے اور اسی کے ذریعے دنیا میں حرکت اور حیات قائم ہے مگر ظلمت مردہ، جاہل، عاجز اور جامد ہے اس کا اپنا کوئی فعل نہیں اور نہ اسے تمیز ہے۔

(4) مرقیونیہ: اس کا بانی مرقیون ہے، ان کا کہنا ہے کہ نور اور ظلمت کے ساتھ ایک تیسری بنیاد بھی موجود ہے جو نور سے نیچے اور ظلمت سے اوپر ہے۔ یہ دنیا میں نور اور ظلمت کے امتزاج کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔

(5) کینویہ: ان کا خیال ہے کہ دنیا کی بنیاد تین چیزوں پر ہے: آگ، مٹی اور پانی۔ ان کی مزید شاخیں بھی ہیں: ایک

صیامیہ اور دوسری تناسخہ۔ صیامیہ اچھا کھانے، پینے، نکاح اور ذبح سے بچتے ہیں اور تناسخہ ہندوؤں کی طرح روحوں کے ایک شخص سے دوسرے میں منتقل ہونے کے قائل ہیں۔

الحاد Atheism

الحاد کا لغوی معنیٰ

لفظِ الحاد کا مادہ "ل، ح، د" ہے، اس مادہ سے دو معنیٰ آتے ہیں:

(1) لحد بمعنیٰ "قبر" جیسا کہ "لسان العرب" میں ہے: اَللَّحْدُ: اَلشَّقُّ الَّذِیْ یَکُوْنُ فِیْ جَانِبِ الْقَبْرِ مَوْضِعَ الْمَیِّتِ یعنی لحد قبر میں ایک جانب میت رکھنے کی جگہ ہوتی ہے۔[1]

(2) "لَحَدَ وَالْتَحَدَ عَنِ الدِّیْنِ یعنی بے دین ہونا، وَلَحَدَ عَنِ الْکَذَا یعنی ہٹنا، منحرف ہونا۔" اس اعتبار سے الحاد کا معنیٰ "بے دین ہونا، انحراف کرنا اور ٹیڑھا چلنا یعنی درست راستے سے ہٹ جانا" ہے۔ ہمارے موضوع کا تعلق اسی معنیٰ سے ہے اور قرآنِ مجید کی سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیت نمبر 40 میں اللہ پاک نے الحاد کے اسی معنیٰ کو بیان کیا ہے چنانچہ اِرشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَاؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِؕ-اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْۙ-اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ(۴۰) (پ۲۴، حٰمٓ السجدۃ:۴۰)

ترجَمۂ کنزُ العرفان: بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں سیدھی راہ سے ہٹتے ہیں وہ ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں تو کیا جسے آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت میں امان سے آئے گا۔ تم جو چاہو کرتے رہو، بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

اصطلاحی معنیٰ

اگر الحاد کے اصطلاحی معنیٰ کے حوالے سے بات کی جائے تو اس کی جامع مانع تعریف کرنا نہایت مشکل کام ہے کیونکہ اصطلاح و عرف میں الحاد کا استعمال مختلف صدیوں میں بدلتا رہا ہے البتہ اگر ان تعریفات کو جمع کیا جائے تو ان کا ماحصل یہ بنے گا کہ الحاد نام ہے اس بات کا کہ اسلام کو اس کے مفہوم (جو صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام سے چلا آرہا ہے) سے نکال کر ایک دوسرے معنیٰ دے دیئے جائیں جس سے روحِ اسلام بالکل مسخ ہو کر رہ جائے جیسا کہ ابتدائے اسلام ہی سے کچھ لوگ قرآن و سنت سے ہٹ کر نئی راہ کی تلاش میں نکلے اور پھر یہی لوگ دعوئ اسلام کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کی نصوص میں مختلف قسم کی

---

1 ...... لسان العرب، 2/3546

تاویلاتِ فاسدہ کرتے۔ قرآنِ پاک کی سورۂ نساء میں انہی کو غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کے راستے پر چلنے والے بتایا گیا ہے۔

ان ملحدین کی ایک خطرناک قسم قرامطہ بھی گزری ہے جو مسلمانوں کو اسلام سے نکالنے کے درپے ہوئی۔ یہ لوگ مسلمانوں میں اپنے آپ کو حضرتِ امام جعفر صادق رحمۃُ اللہِ علیہ کے بیٹے اسماعیل کے پیروکار کہتے تھے۔

علّامہ خفاجی مصری ان کی تاریخ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ لوگ حضرت اسماعیل بن جعفر کی امامت کے داعی تھے اور اس سے ان کی غرض شریعتِ اسلامی کا ابطال تھا کیونکہ اصلاً یہ لوگ یہودی یا مجوسی گروہوں میں سے تھے۔ جب اسلام نے قوت پکڑی تو یہ بات ان پر بہت گراں گزری لیکن یہ لوگ اسلام کو روکنے کی طاقت نہ رکھتے تھے سو اب یہ ان تاویلات اور وجوہ کو لے کر سامنے آئے جن کے ذریعے وہ کمزور عقل والے مسلمانوں کو غلط فہمیوں میں ڈال سکیں، اس سے ان کا ارادہ اسلام کی بنیادوں کو گرانا رہا۔ ان کا رئیس حمدان بن اشعث تھا، قرامطہ واسط کی آبادیوں میں سے ایک آبادی تھی، یہ لوگ اپنے عقیدے کے داعی تیار کرتے تھے جو مسلمانوں کو دین کے بارے میں طرح طرح کی تاویلات میں مبتلا کرتے، اس فتنہ کا ظہور 270ھ میں کوفہ کے قریب ایک بستی سے ہوا۔ (1)

ملحدین کی اور بھی بہت سی تحریکیں ہیں جو مختلف تاویلات سے اُٹھتی رہیں جیسا کہ موجودہ دور میں دہریت، لبرل ازم، سیکولر ازم وغیرہ۔ ان کی الحاد کی راہیں اپنی اپنی ہیں لیکن عدمِ قواعدِ اسلام اور ابطالِ شریعت میں ملحدین کے یہ سارے گروہ ایک ہیں۔

عصرِ حاضر میں الحاد کا مفہوم

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ پاک نے جو آسمانی ہدایت اس دنیا کو عطا فرمائی وہ بنیادی طور پر تین عقائد (یعنی توحید، نبوت ورسالت اور آخرت) پر مشتمل ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات کو ایک خدا نے تخلیق کیا ہے اور تخلیق کرنے کے بعد وہ اس کائنات سے لاتعلق نہیں ہوا بلکہ وہی اس کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ اس نے انسانوں کو اچھے اور بُرے کی تمیز سکھائی ہے جسے اخلاقیات (ethics) یا دینِ فطرت کہتے ہیں۔ مزید یہ کہ اس نے انسانوں میں سے چند لوگوں کو منتخب کرکے ان سے براہِ راست اور فرشتے کے ذریعے خطاب کیا ہے اور انہیں مزید ہدایات دی ہیں جن کے مطابق انسانوں کو اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔ انسان کی زندگی موت پر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ اسے دوبارہ ایک نئی دنیا میں پیدا کیا جائے گا جہاں

1 ......حاشیہ شرح زرقانی، 207/7

اس سے موجودہ زندگی کے اعمال کا حساب و کتاب لیا جائے گا۔ جس نے اس دنیا میں دینِ فطرت اور دینِ وحی پر عمل کیا ہو گا وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے اس سے اعراض کیا ہو گا اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

مذکورہ بالا تینوں عقائد ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا انکار یا اس سے اِعراض باقی دو کو غیر مؤثر کر دیتا ہے یعنی اگر کوئی شخص مطلقاً وجودِ باری تعالیٰ یا وجودِ نبوت و رسالت اور آخرت میں سے کسی ایک یا تینوں کا انکار کرے وہ ملحد ہو گا، اسی وجہ سے عصرِ حاضر میں الحاد کا لفظ عموماً لادینیت اور وجودِ خدا کے عدمِ یقین کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔

بعض لوگ زمانۂ قدیم سے ہی الحاد کے کسی نہ کسی شکل میں قائل تھے لیکن خدا کے وجود کے انکار کے معنیٰ میں الحاد بہت کم پایا گیا ہے۔ بڑے بڑے مذاہب میں صرف بدھ مت ہی ایسا مذہب ہے جس میں کسی خدا کا تصور نہیں ملتا۔ اسی طرح ہندو مذہب کے بعض فرقے جیسے جین مت میں خدا کا تصور نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ دنیا بھر میں صرف چند ہی فلسفی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے خدا کا انکار کیا۔ عوام الناس کی اکثریت ایک یا کئی خداؤں کے وجود کی قائل رہی ہے۔ نبوت و رسالت کا اصولی حیثیت سے انکار کرنے والے بھی کم ہی رہے۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ جب کوئی نبی یا رسول ان کے پاس خدا کا پیغام لے کر آیا تو اپنے مفادات یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے انہوں نے اس مخصوص نبی یا رسول کا انکار کیا۔ حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور کے مشرکین کے بارے میں بھی یہی پتا چلتا ہے کہ وہ خدا کے منکر تو نہ تھے لیکن ان میں کے بہت سے لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے اور بتوں کو بھی اپنا خدا مانتے تھے۔

بہر حال تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص الحاد دنیا میں کبھی قوت نہ پکڑ سکا۔ دنیا بھر میں یا تو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والے غالب رہے یا پھر دینِ شرک کا غلبہ رہا۔ دینِ الحاد کو حقیقی فروغ موجودہ زمانے میں ہی حاصل ہوا کیونکہ دنیا کی غالب اقوام نے اسے اپنے نظامِ حیات کے لئے قبول کر لیا ہے اور اب اس کے اثرات پوری دنیا پر پڑ رہے ہیں۔ عصرِ حاضر میں الحاد کا مفہوم تو عموماً انکارِ مذہب یا وجودِ خدا کے عدمِ یقین پر بولا جاتا ہے لیکن وسیع مفہوم کے تناظر میں دیکھا جائے تو دورِ حاضر میں الحاد کی 3 بڑی قسمیں ہیں جنہیں مروّجہ اصطلاحات میں الحادِ مطلق (Gnosticism)، لاادریت (Agnosticism) اور ڈیزم (Deism) کہا جاتا ہے۔

الحادِ مطلق (Gnosticism)

Gnosticism سے مراد معرفت یا علم رکھنا ہے۔ یہ ملحدین خدا کے انکار کے معاملے میں شدّت کا رویہ رکھتے ہیں۔

یہ لوگ روح، فرشتے، جنت، دوزخ اور مذہب سے متعلقہ روحانی امور اور مابعد الطبیعات (metaphysical) امور کو کسی بھی صورت تسلیم نہیں کرتے۔ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس بات کا اچھی طرح علم رکھتے ہیں کہ انسان اور کائنات کی تخلیق میں کسی خالق کا کمال نہیں ہے بلکہ یہ خود بخود وجود میں آئے ہیں اور یہ فطری قوانین (laws of nature) کے تحت چل رہے ہیں۔اس نقطۂ نظر کے حامل لوگوں کو Gnostic Atheist کہا جاتا ہے۔عام طور پر جب ملحدین (یعنی ایتھسٹ) کا ذکر ہوتا ہے تو ملحدین سے مراد یہی طبقہ ہوتا ہے۔

لاادریت (Agnosticism)

اگر اختصار سے کہا جائے تو یہ نظریہ کہ خدا ہے یا نہیں؟ اس بحث میں اُلجھنے سے گریز کرنا بالفاظِ دیگر theism اور atheism کے جھگڑے سے ماورا یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے حامل لوگ خدا کے وجود کی بحث میں اُلجھنے سے گریز کرتے ہیں۔ اصل میں لاادریت کی اصطلاح انیسویں صدی کے اواخر میں ایک انگریز ماہرِ حیاتیات ٹی. ایچ. ہکسلے نے متعارف کروائی تھی۔اس اصطلاح کو متعارف کروانے کا مقصد ان لوگوں سے مخاطب ہونا تھا جن کی پسندیدگی اپنی ذات ہوتی ہے اور وہ مابعد الطبیعات اور دینیات کے تناظر میں اُلجھی بحثوں سے خود کو دُور رکھتے ہیں۔

ڈی ایزم (Deism)

اس کا بنیادی نظریہ تھا کہ اگرچہ خدا ہی نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے لیکن اس کے بعد وہ اس سے بے نیاز ہو گیا ہے اور اب یہ کائنات خود بخود چل رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس تحریک کا ہدف رسالت اور آخرت کا انکار تھا۔اس تحریک کو فروغ ڈیوڈ ہیوم اور مڈلٹن کے علاوہ مشہور ماہرِ معاشیات ایڈم سمتھ کی تحریروں سے بھی ملا۔بنیادی طور پر انہی تین نظریات کے حامل ملحدین دورِ حاضر میں موجود ہیں۔

موجودہ اِلحاد کی تاریخ

موجودہ الحاد کی تحریک کی تاریخ ہم سولہویں صدی کے اختتام سے شروع کر سکتے ہیں۔یورپ میں قرونِ وسطیٰ میں کلیسا کے مظالم کے خلاف تحریکیں اُٹھیں اور عیسائیت میں ایک نئے فرقے پروٹسٹنٹ کا ظہور ہوا۔ان دونوں فرقوں میں کئی بار باہمی خانہ جنگی ہوئی۔جب کوئی پروٹسٹنٹ حکمران ہوتا تو وہ کیتھولک پر مظالم کرتا اور جب کوئی کیتھولک حکمران ہوتا تو وہ پروٹسٹنٹ پر مظالم کرتا۔یہ صورتِ حال عوام کے لئے مذہب سے بیزاری کا ایک اہم سبب بنی۔

اس کے ساتھ ہی اس دور میں یورپ میں نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کا عمل شروع ہوا اور تعلیم تیزی سے پھیلنے لگی۔ اس وقت مذہبی راہ نماؤں کی جانب سے سائنس کی نئی دریافتوں بالخصوص کائنات سے متعلق سائنس دانوں کے پیش کردہ نظریات کے بارے میں متشددانہ رویّہ اختیار کیا گیا۔ اطالوی فلسفی اور ماہرِ طبیعات جیورڈانو برونو (CE:1600-1548) پر بھی الحاد کے الزام میں مذہبی عدالت کی طرف سے مقدمہ چلایا گیا۔ کچھ عرصے کی قیدِ بامشقت کے بعد معافی مانگنے سے انکار کیا تو زندہ جلا دیا گیا۔ اسی طرح دیگر ماہرینِ فلکیات اور طبیعات کو بائبل کے خلاف ان کے سائنسی نظریات کی بنا پر سزائے موت دی گئی جن میں نکولس کوپرنیکس (CE:1543-1473) اور جیورجیس اگریکولا (1555-1494) جیسے مشہور سائنسدان شامل تھے۔

سائنسی علوم کے علمبرداروں نے جب عیسائیت کو منطقی اور عقلی میزان پر جانچنا چاہا اور عیسائیت کے بعض عقائد پر تنقید کی تو یہ بات مذہبی طبقے کی جانب سے برداشت نہ کی گئی۔ اس معاملے میں عیسائیت سے وابستہ یہ دونوں فرقے شدت پسند تھے۔ مذہبی انتہا پسندی اس حد تک پہنچ گئی کہ کوئی بھی شخص جو مذہبی عقائد سے ذرا سا اختلاف کرتا اسے مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جاتا۔ پروٹسٹنٹ نے اگرچہ عیسائیت کو پوپ کی غلامی سے آزاد اور کئی مذہبی اصلاحات نافذ کر کے روشن خیالی کی طرف گامزن کیا تھا لیکن اس بات پر وہ بھی تحمل نہیں کر سکتے تھے کہ بائبل کے بیانات کو کوئی عالم عقلی طور پر غلط ثابت کرے۔ کئی سائنسدانوں کو بائبل کے خلاف ان کے علمی نظریات کی بنا پر سزائے موت دی گئی۔ ان سائنسدانوں پر مذہبی رہنماؤں کے تشدد اور عیسائیت میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی باہمی خون ریزی کے نتیجے میں ناگزیر طور پر مذہب اور خدا کے متعلق بھی بہت سے لوگوں کی فکر متأثر ہوئی۔

اس ساری صورتحال کی وجہ سے کئی لوگ مذہب سے بیزار ہو کر اس پر کھلی تنقید کر رہے تھے۔ اس تنقید میں سب سے زیادہ حصہ اس دور کے فلسفیوں نے لیا۔ ڈیکارٹ (1650-1596Decartes)[1] وہ پہلا شخص تھا جس نے فلسفہ اور مذہب میں تفریق پیدا کی۔ اگرچہ وہ خدا کا قائل تھا لیکن عقل پرستی کو فروغ دینے کا زبردست حامی تھا۔ اٹھارہویں صدی میں مشہور امریکی فلسفی ٹامس پائین (1809-1737ء) نے اپنی کتاب The Age of Reason شائع کی جس میں اس نے اپنے خیال کے مطابق عیسائیت کی خرابیوں اور بائبل کی غیر منطقی باتوں کو واضح کرتے ہوئے ان پر شدید تنقید کی۔ اس

[1] ......جو جدید فلسفہ کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

کے بعد ملحد فلسفیوں کی جانب سے مذہب پر تنقید کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

کانتے کا فلسفۂ پازیٹیوازم (Positivism)

اس ضمن میں مشہور فلسفی کانتے (1798-1857) نے ایک خاص فلسفہ پیش کیا جو پازیٹیوازم (Positivism) کہلاتا ہے۔ اس کی رو سے صرف ان چیزوں کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے جو قابلِ مشاہدہ اور قابلِ ثبوت ہیں اور بقیہ چیزوں کے وجود کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ اللہ پاک کی ذات قابلِ مشاہدہ نہیں اسی وجہ سے اس کا انکار کر دیا گیا۔ کانتے کا یہ فلسفہ دورِ جدید کے الحادی نظام کی اہم بنیاد بنی۔ مذہبی علما اور سائنسدانوں کی یہ خانہ جنگی مذہب اور سائنس کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج پیدا کر رہی تھی۔ اس تشدد کی وجہ سے عقل پسند طبقے کے لئے مذہب اور اس سے وابستہ تمام امور قابلِ نفرت ہو چکے تھے اور وہ مذہب کے غیر ضروری عقائد، نفس کشی، عبادات اور دیگر تمام حدود سے تنگ آکر باہر آنے لگے۔

ڈارون کا نظریۂ ارتقا

اب تک اہلِ مذہب یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ کائنات کا وجود ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا کوئی خالق موجود ہے لیکن چارلس ڈارون (1809-1882) نے نظریۂ ارتقا پیش کر کے اس دلیل کو رَد کرنے کی کوشش کی۔ نظریۂ ارتقا کا مطلب یہ تھا کہ بے جان مخلوق سے خود بخود ایک جاندار خلیہ پیدا ہوا جو لاکھوں سالوں میں ارتقا کے عمل سے گزر کر ابتدائی درجے کا جانور بنا اور پھر کروڑوں سالوں میں آہستہ آہستہ یہ مختلف جانوروں کی صورت اختیار کرتا ہوا انسان بن گیا۔ اس کے بعد ملحد لوگ بالاعلان مذہب سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے اور بہت سے سائنسدان و فلسفی خدا کی مختلف توجیہات پیش کرنے لگے۔

ڈی ایزم (Deism) کی تحریک کا آغاز

اسی دوران ڈی ایزم (Deism) کی تحریک پیدا ہوئی۔ اس کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ اگرچہ خدا نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے لیکن اس کے بعد وہ اس سے بے نیاز ہو گیا ہے اور اب کائنات خود بخود ہی چل رہی ہے۔ اس تحریک کو فروغ ڈیوڈ ہیوم اور مڈلٹن کے علاوہ مشہور ماہرِ معاشیات ایڈم سمتھ (1723-1790) کی تحریروں سے بھی ملا۔ ان لوگوں نے چرچ پر بھی اپنی تنقید جاری رکھی اور چرچ کا جبر و تشدد جاری رہا۔ تقریباً دو سو سال تک یہ تحریک مختلف شکلوں میں موجود رہی اور مذہب و سائنس کے درمیان جنگ جاری رہی۔

کارل مارکس کا نظامِ اشتراکیت

اٹھارہویں صدی میں کارل مارکس (1818-1883) نے اشتراکیت کا نظام پیش کیا۔ اگرچہ یہ نظام معاش سے متعلق تھا لیکن اس کی بنیاد اس تصور پر تھی کہ مذہب عوام کے استحصال کے لئے گھڑا گیا ہے۔ دیگر فلسفیوں کی طرح مارکس نے بھی مذہب پر کئی واضح تنقیدیں کیں لیکن ان کی تنقید کا محور بالخصوص یونانی فلسفی اور ان کا مذہب تھا۔ سائنس اور مذہب کے مابین اس جنگ میں سائنس کی جیت ہوئی اور علمی ترقی سے لوگوں پر واضح ہو گیا کہ زمین کی پیدائش، نظامِ شمسی اور زمین کی ہیئت کے بارے میں اہلِ مذہب کی آرا کس قدر غیر معقول ہیں۔ اس فکر کے ردِّ عمل میں کلیسا کی طرف سے جو انتہائی درجے کا جبر و تشدد اختیار کیا گیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اٹھارہویں صدی میں یورپ کے اہلِ علم میں بالعموم انکارِ خدا کی لہر چل نکلی جو انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل تک اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

بگ بینگ (Big Bang) تھیوری

انیسویں صدی کے آخر تک الحاد مغرب میں اپنی مضبوط جڑیں پکڑ چکا تھا لیکن بیسویں صدی کے نصف میں کئی ایسے علمی انکشافات ہوئے جنھوں نے وہ اکثر بنیادیں گرا دیں جن پر ملحدین کے افکار قائم تھے۔ ملحدین یہ خیال کرتے تھے کہ کائنات ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی لیکن اس صدی میں بگ بینگ (Big Bang) تھیوری نے اس نظریے کو غلط ثابت کر دیا۔ اس تھیوری کے مطابق کائنات توانائی کے ایک بہت بڑے گولے کی شکل میں موجود تھی جو ایک بہت عظیم دھماکے (Big Bang) کے نتیجے میں مادے کی صورت اختیار کر گئی۔ اس نظریے کو ماننے کا مطلب تھا کہ کائنات کا کوئی خالق ہے لہٰذا ابتدا میں ملحد سائنسدانوں اور مفکرین نے اس نظریے کو ماننے سے انکار کر دیا لیکن مزید سائنسی تحقیقات نے اس نظریے کو اس قدر تقویت دی کہ اسے ٹھکرانا ممکن نہیں رہا۔ وہ قدیم نظریات جو الحاد کی بنیاد بن چکے تھے، رفتہ رفتہ سائنسی ترقی اور کائنات کے متعلق نئے انکشافات کی وجہ سے رد ہو رہے تھے۔ تجربہ گاہوں میں ڈارون کے نظریے پر جب تنقیدی نگاہ ڈالی گئی تو وہ کسی بھی طرح ثابت نہ ہو سکا بلکہ کئی شواہد اس کو رد کرنے کے لئے کافی تھے۔ کمیونزم کا وہ معاشی نظام جو مذہب کے خلاف ایک بہت بڑی تحریک بن چکی تھی روس اور چین میں اس کے زوال کے ساتھ ہی الحاد کی بنیادیں کمزور ہونا شروع ہو گئیں۔ اس ساری صورتحال کی وجہ سے بالعموم عقل پسند سائنسدانوں میں خدا کو ماننے کی تحریک شروع ہوئی اور کئی بڑے سائنسدان اور فلسفیوں نے خدا کے وجود کو منطقی بنیادوں پر تسلیم کیا۔

لبرل اِزم

تعارف

لفظِ ”لبرل“ قدیم روم کی لاطینی زبان کے لفظ لائبر اور پھر لائبر الس سے ماخوذ ہے جس کا مطلب آزاد ہے۔ اٹھارویں صدی عیسویں تک اس لفظ کے معنی ایک آزاد آدمی ہی تھے، بعد میں یہ لفظ ایک ایسے شخص کے لئے بولا جانے لگا جو فکری طور پر آزاد اور تعلیم یافتہ ہو۔ اٹھارہویں صدی عیسوی اور اس کے بعد لبرل اِزم سے مراد ایسا شخص لیا جانے لگا جو انبیا ورُسل کے ذریعے بھیجی جانے والی الٰہی تعلیمات اور اپنی دینی اقدار کی پابندی سے خود کو آزاد سمجھتا ہو۔ لبرل ازم سے مراد اسی آزاد رَوش پر مبنی وہ فلسفہ و نظام اور اخلاق و سیاست ٹھہرا جس پر کوئی گروہ یا معاشرہ عمل کرے۔

تاریخ

برطانوی فلسفی جان لاک (1620 تا 1704ء) وہ پہلا شخص تھا جس نے لبرل اِزم کو باقاعدہ ایک فلسفہ اور طرزِ فکر کی شکل دی۔ عیسائیت کے عقائد سے آزادی اس کی ساری فکر پر غالب آگئی خُدا اور مذہب پیچھے رہ گئے۔ انقلابِ فرانس کے فکری راہ نما والٹیر (1694 تا 1778ء) اور روسو (1712 تا 1778ء) اگرچہ رسمی طور پر عیسائی تھے مگر فکری طور پر جان لاک سے متأثر تھے۔ انہی لوگوں کی فکر کی روشنی میں انقلابِ فرانس کے بعد فرانس کے قوانین میں مذہبی اقدار سے آزادی کے اختیار کو قانونی تحفظ دیا گیا۔ امریکہ کے اعلانِ آزادی میں بھی شخصی آزادی کی ضمانت جان لاک کی فکر سے متاثر ہو کر دی گئی ہے۔

عقائد و نظریات

لبرل نظریات دنیا پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ معاشرے میں ہر فرد آزاد ہے اور آزادانہ خیالات کا حامل ہو سکتا ہے اور نہ صرف حامل ہو سکتا ہے بلکہ ان آزادانہ خیالات کا اظہار دوسروں کے سامنے کھل کے کر سکتا ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب یا معاشرتی اقدار کے بر عکس اور بر خلاف ہو۔ آج کا آزادانہ میڈیا اس کی ایک بہترین مثال ہے جس کی آزادی کا نعرہ کلاسیکل لبرل اِزم لگاتی ہے اور کہتی ہے کہ میڈیا کو سب کچھ دکھانے اور سنانے کا اختیار ہونا چاہئے چاہے کوئی مذہب اس بات کی اجازت دے یا نہ دے۔ اسی طرح سوشل لبرل ازم کہتی ہے کہ معاشرے میں مرد و عورت کو برابر کے حقوق ملنے چاہئیں۔ یہ وہ نظریات ہیں جن کی بنیاد پر لبرل اِزم کو تخلیق کیا گیا ہے۔ جو لوگ ان نظریات کو مانتے ہیں انہیں لبرل کہتے ہیں۔ لبرل خواتین و حضرات دنیا میں پائے جانے والے ہر اُس نظریے کو مانتے ہیں جس کی بنیاد ان

دو اصولوں (Liberty اور Equality) پر مبنی ہو جیسا کہ اظہارِ رائے کی آزادی، میڈیا کی آزادی، مذہب کی آزادی، سیکولر حکومت، جنسی برابری اور جمہوری معاشرتی نظام وغیرہ وغیرہ۔

دنیا کے مختلف ممالک میں خدا، حیات بعد الموت اور دینِ اسلام کی دُنیوی اُمور سے متعلق تعلیمات کے بارے میں آج جو بے اطمینانی پائی جاتی ہے اس کا سرچشمہ یہی لادینیت پر مبنی فکر ہے جس کی ذرا سخت قسم لبرل اِزم اور کچھ نرم قسم سیکولر اِزم ہے۔ یہ لبرل اِزم اور سیکولر اِزم ہی ہے جس نے موجودہ دور کے عصری تعلیمی اداروں میں دین بیزاری کے جذبات کو فروغ دیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہر خاص و عام اخلاقی و روحانی بالیدگی سے آزاد ہو کر مادیت اور نفس کی آوارگی میں مبتلا ہوتا جارہا ہے۔

لبرل اِزم کے مطابق ریاستی نظام کے قوانین صرف انسانی عقل و فکر کی روشنی میں تشکیل دیئے جاتے ہیں۔ ریاست اگر عوام کو شراب پینے کی اجازت دیتی ہے تو کسی مذہب کو اجازت نہیں کہ اس قانون کو چیلنج کر سکے۔ لبرل ریاست میں زنا، سود، شراب نوشی جائز ہے اور مذہبی طور پر اس پر کوئی سزا نہیں۔ مذہب کے متعین کردہ جرائم کا اطلاق ریاستی نظام پر نہیں ہو گا۔ اگر کوئی شراب کی دکان کھولے تو یہ کاروبار کے زُمرے میں آئے گی ریاست میں یہ کوئی گناہ (یعنی جرم) تصور نہیں ہو گا۔

اقسام

لبرل اِزم بنیادی طور پر ایک سیاسی فلسفہ ہے جس کی بنیاد دو نظریات پر قائم ہے: ایک Liberty یعنی آزادی اور خود مختاری جبکہ دوسرا Equality جس کا مطلب برابری یا مساوات ہے۔ ان دونوں نظریات کی بنیاد پر لبرل اِزم کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ایک کلاسیکل لبرل اِزم جو کہ Liberty کے نظریے پر قائم ہے اور دوسرا سوشل لبرل اِزم جس میں Equality کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

نوٹ: لبرل اِزم کی ایک اور قسم ہے جسے دیسی لبرل کہا جا سکتا ہے۔ ان کے پاس مغرب کے سیکولر لوگوں کی طرح کوئی نقطۂ نظر نہیں ہے اور یہ لوگ پڑھے لکھے جاہل ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مغربی ثقافت کے دلدادہ ہیں۔ دیسی لبرلز میں مذہب کے بہت سے منکر دراصل الحاد میں داخل ہوتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو مذہب سے جوڑتے ہیں لیکن خود کو دین کے احکام سے آزاد سمجھتے ہیں۔ دیسی لبرلز مرنے کے بعد اسلام کے مطابق قبر میں دفن ہونا پسند کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے ساری زندگی اسلام کے خلاف بکواسات کرتے ہوئے گزاری ہوتی ہے، ان میں سے کئی تو شرعی احکام بالخصوص ناموسِ رسالت، شرعی پردے اور دینی علم کے خلاف زبان درازی کر کے دائرۂ اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہو چکے ہوتے ہیں۔

نتیجۂ کلام

مذکورہ بالا تمام مذاہب کا کام صرف اور صرف اسلام کا نام لے کر اسلام کو ڈَسنا، اُسے تحریفی نشتر لگانا، اس پر جرح و تنقید کی مشق کرنا اور محض مفروضات سے اُس کے قطعی مسائل کو پامال کرنا ہے اور یہ ہر دور کے ملاحدہ وزنادقہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔پہلی صدی کے خوارج ہوں یامابعد کے باطنیہ، تیسری صدی کے اصحاب العدل والتوحید ہوں یادورِ حاضر کے اربابِ فکر و نظر، اکبری دور کے ابوالفضل اور فیضی ہوں یا ہمارے دور کے نام نہاد مذہبی سکالرسب کا مشترک مقصد، مشترک نقطۂ نظر اور مشترک سرمایہ اسلام کی چار دیواری میں رخنہ اندازی کرنا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اسلام کی اصل روح پہلی صدی کے وسط یاتقریباً آخر میں دفن ہو کر رہ گئی اور اب جو مدون اسلام تیرہ یاچودہ صدیوں سے مسلمانوں کے پاس موجود ہے یہ وہ اسلام نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پیش کیا تھا بلکہ یہ اسلام زندگی کی حرارت سے محروم جسدِ بے روح ہے۔

یاد رہے! اللہ پاک نے حضور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی برکت سے اُمّتِ محمدیہ سے اجتماعی عذاب اُٹھالیا ہے یعنی اب اس اُمّت پر کوئی ایسا عذاب نہیں آئے گا کہ جس سے پوری اُمّت ہلاک وبرباد ہوجائے لیکن اہلِ ایمان کے امتحان اور آزمائش کے لئے فتنے برابر پیدا ہوتے رہیں گے چنانچہ نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:"كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُصُ إِلَّا الشَّرَّ فَإِنَّهُ يُزَادُ فِيهِ یعنی ہر چیز میں کمی ہوگی سوائے شر کے کہ اس میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔"(1)

حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق اُمّتِ محمدیہ مسلسل فتنوں کا شکار رہے گی۔ آج نقشۂ عالم پر نگاہ دوڑایئے! حرمین شریفین سے لے کر تمام عرب ممالک، ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ سبھی خطے شُرور و فتن کی لپیٹ میں ہیں۔ آفات ومصائب کا ایک عالمی طوفان ہے جو بڑھتا چلا جارہا ہے، فتنوں پر فتنے اُٹھ رہے ہیں، دینی و علمی فتنے، ملکی و قومی فتنے، تہذیب وتمدن کے فتنے، آرائش وآسائش کے فتنے، سرمایہ داری کے فتنے، غربت وافلاس کے فتنے، اخلاقی وسیاسی فتنے، عقل پرستی کے فتنے، داخلی وخارجی فتنے حتّٰی کہ نورانی اور روحانی فتنے۔ایک تسلسل کے ساتھ تمام فتنے دنیا میں پھیلتے چلے جارہے ہیں، دنیا کا کوئی بھی خطہ شاید ایسا نہیں جو فتنوں سے بالکلیہ محفوظ اور مامون ہو۔

اِنتہائی کرب ناک صورتِ حال یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام کی سازشوں کے نتیجے میں عالَمِ اسلام فتنوں کی آماجگاہ بن کررہ گیا ہے۔اسلام کے نام پر فتنے نیز اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال میں فتنوں کی ایک شورش برپا ہے۔ علم سے عاری مذہبی اسکالرز

---

1 ......مسند امام احمد، 10/416، حدیث:27553

www.dawateislami.net

مسلمانوں کے ایمان کو ختم یا کم از کم کمزور کرنے کے لئے آئے دن ”نئی تحقیق“اور ”جدید ریسرچ“ کے نعرے بلند کررہے ہیں۔ قلمی جولانیوں، زبان کی سلاست وروانی اور چرب لسانی کے ذریعے اَذہان وعقول کو متأثر کرکے احکامِ دین سے باغی کرنا اُن کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے۔ اُن سے اور کچھ نہ بن پڑے تو اچھے بھلے مسلمان کو اس کے عقائد وافکار کے حوالے سے شک میں ڈال دیتے ہیں اور یہ سب اِس وجہ سے ہے کہ ہم مسلمانوں نے اپنے خالق سے بے پرواہی اختیار کرلی ہے۔

فتنوں کی اِس بھرمار میں سب سے خطرناک ایمان سوز فتنے ہیں کیونکہ کسی بھی مسلمان کے لئے سب سے قیمتی چیز ایمان ہے، جب متاعِ ایمان ہی لُٹ جائے تو دنیا وآخرت کی سب خیریں گویا چھن گئیں چنانچہ احادیث میں فتنۂ دجال کو بڑا فتنہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ ایمان کے لئے خطرناک ہوگا۔ انہی ایمان سوز فتنوں میں سے ایک فتنۂ الحاد ہے۔ الحمد للہ! علمائے اسلام اپنی شرعی اور دینی ذمہ داری کی بدولت ان فتنوں کا تعاقب کرتے رہے اور کررہے ہیں۔

ملحدین کی علمی حالتِ زار

ملحدین کے پاس اپنے نظریات ثابت کرنے والا کوئی مستند ذریعہ نہیں، یہ لوگ محض اندازے اور تخمینے لگاتے رہتے ہیں۔ یہ جو بھی عقیدہ قائم کرتے ہیں اس کی ضد اور اس کا اُلٹ بھی ممکن ہوتا ہے۔ ان کے پاس ایسا کوئی ذریعۂ علم نہیں جس سے یہ اپنے نظریات کو حتمی طور پر ثابت کرسکیں اور دوسروں کو اپنی طرف دعوت دیتے وقت قائل کرسکیں۔ یہ لوگ جو اعتراض دوسرے لوگوں پر کرتے ہیں وہی اعتراض زیادہ طاقت کے ساتھ ان کے اوپر وارد ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں قرآنِ پاک کے الفاظ بظاہر سادہ اور گہرائی میں بحر ناپید اکنار کی حیثیت رکھتے ہیں:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةًؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ(۲۳) وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ(۲۴)

(پ ۲۵، الجاثیۃ: ۲۳-۲۴)

ترجمۂ کنز العرفان: بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا اور اللہ نے اُسے علم کے باوجود گمراہ کردیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے گا؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اور انہوں نے کہا: زندگی تو صرف ہماری دنیاوی زندگی ہی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ صرف گمان دوڑاتے ہیں۔

ان دو آیتوں میں قرآنِ کریم نے دو چیزوں کو ان کے علم کی بنیاد قرار دیا ہے: (1) نفس پرستی (اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ)۔ اسی نفس پرستی کی وجہ سے آج بھی یہ لوگ نکاح سے جان چھڑاتے اور یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ ہم اپنی مرضی سے جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔ (2) ظن یعنی اندازے بازی (اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ)۔ اسی اندازے بازی کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہمیں دہر (یعنی زمانہ) ہی ہلاک کرتا ہے۔ علمی طور پر یہ لوگ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ کائنات کیسے بنی؟ ہم نہیں جانتے کہ انسان کو کس نے پیدا کیا؟ ہم نہیں جانتے کہ انسان کس مقصد کے لئے پیدا ہوا؟ ہم نہیں جانتے کہ انسان کس طرح مرتا ہے؟ ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟

ان سوالات کے جوابات میں کئی امکانات اور احتمالات موجود ہیں لیکن یہ لوگ اپنی ذاتی پسند کو چُن کر اپنا عقیدہ بنالیتے ہیں اور پھر واضح اور نسبتاً عقلی طور پر صحیح باتوں کا انکار کردیتے ہیں جن کی تائید مسلمانوں کے پاس وحی کے ذریعے بھی موجود ہوتی ہے۔ اگر ان لوگوں نے اپنے اندازے ہی لگانے ہیں تو پھر اُن سے سوال ہے کہ آپ کے اندازوں کے بجائے دوسروں کے اندازوں کا کیا قصور ہے؟ دوسرے لوگوں کے اندازوں کو ترجیح دینے میں کیا حرج ہے؟ تمہیں اپنا اندازہ دوسرے لوگوں پر تھوپنے کا حق کس نے دیا؟ اور جب تم نے کسی نہ کسی کو مؤثر مان ہی لیا ہے تو پھر مسلمان اگر اللہ پاک کو مؤثر مان لیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

مذکورہ فتنوں کے فروغ کے اسباب

ان فتنوں کی تحریکوں نے اسلام سے زیادہ دیگر ادیان کے ماننے والوں کو اپنی لپیٹ میں لیا۔ درج ذیل میں اولاً اسلام کے علاوہ بقیہ ادیان میں فروغ کے اسباب کو بیان کیا جائے گا اور بعد میں ان سمیت اسلام میں بھی ان فتنوں کے فروغ کے اسباب کا جائزہ لیا جائے گا۔

وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق غیر واضح عقیدہ

دہریت سمیت سارے فتنے سب سے زیادہ عیسائیت، بدھ مت اور اس طرح کے ان ادیان میں پائے جاتے ہیں جن میں وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں کوئی واضح ثبوت موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بقیہ ادیان کی بانسبت انہیں سب سے کم فروغ اسلام میں ملا کیونکہ اسلام میں اللہ پاک، انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام اور تخلیقِ کائنات کے بارے میں ایسے واضح دلائل ہیں کہ ہر ذی شعور ان کو باآسانی سمجھ سکتا ہے۔

مذہبی کتب میں تحریف وتضاد

دینی کتب میں تحریف وتضاد ہونا بھی الحاد کو فروغ دیتا ہے، اگر ہم مختلف ادیان کی کتب کا مطالعہ کریں تو ان کی کئی باتوں میں تضاد نظر آتا ہے بالخصوص ان کے تحریف شدہ عقائد و نظریات میں۔ اس کے برعکس اسلام کی مذہبی کتاب (یعنی قرآنِ مجید) میں نہ تو کسی قسم کی تحریف ہے اور نہ ہی کوئی تضاد بلکہ قرآنِ مجید کے علاوہ اسلام کی دیگر اُمّہات الکتب میں موجود عقائد و نظریات میں کوئی تضاد نہیں۔ ہاں چند فروعی مسائل میں تعارض نظر آتا ہے۔ الحمدللہ! ان دو باتوں (یعنی تحریف وتضاد) کے رفعِ تعارض و تطبیق وترجیح کے قواعد وضوابط ائمہ و مجتہدین نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جبھی تو کوئی شخص ایک مسئلہ پر مختلف احادیث ہونے کے باوجود بھی ان فتنوں سے متاثر نہیں ہوتا کیونکہ اس کے ہر اضطراب کا ساماں کتبِ ائمہ میں موجود ہے۔

عقائد واَحکام کا غیر عقلی و غیر فطری ہونا

اسلام کے علاوہ دیگر ادیان میں کئی ایسے عقائد و احکام ہیں جو فطرت اور عقل سے ماوراء ہیں جیسے عیسائیت میں نظریۂ کفّارہ اور مسئلۂ تثلیث، ہندوؤں میں بت پرستی اور بدھ مت میں شادی نہ کرنے کا غیر فطرتی عمل۔ اسی طرح دیگر مذاہب کی غیر عقلی و غیر فطری باتوں کے باعث انسان اپنے مذہب سے بیزار ہو کر ملحد بن جاتا ہے اس کے برعکس اسلام ایک فطرتی اور عقل کے عین مطابق دین ہے جبھی تو اس حوالے سے ملحدین اسلام کے ماننے والوں کو اپنے فتنوں میں مبتلا نہیں کر پاتے۔

عقلِ بے مہار

الحاد کے پس پردہ عقل کا آزادانہ استعمال ہے۔ عقل خود مادے کی پیداوار ہے اور مادّی قوتوں کے ذریعے غیر مادی ہستی کو سمجھنے کی کوشش کا نتیجہ ہمیشہ ناکامی کی صورت میں نکلا ہے۔

حدود سے تجاوز کرنا

ایسی اُلجھنوں کے پیدا ہونے کا دوسرا ابنیادی سبب اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہوتا ہے۔ جب نفسی قوتوں کا غلبہ انسان کو تکبّر اور بڑائی میں مبتلا کرتا ہے تو ناپاک قطرے سے بنا انسان اپنی غلاظتوں کو بھول کر کبھی انفرادی حیثیت میں ”اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى“ کا نعرہ لگاتا نظر آتا ہے تو کبھی اجتماعی طور پر خود کو خدا کے درجے پر فائز کرتے ہوئے ”لَا اِلٰهَ اِلَّا الْاِنْسَان“ کا کلمہ پڑھتا دکھائی دیتا ہے۔

معاشی مجبوریاں

معاشی مجبوریاں بھی الحاد کا سبب بن رہی ہیں۔جب مسلمان اپنے غریب مسلمان بھائیوں کی اِمداد و نصرت سے غفلت برتیں گے اور اَربابِ حل و عقد نوجوان نسل کے لئے معاشی منصوبے شروع نہیں کریں گے تو پیٹ سے مجبور ہو کر وہ غیروں کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔

سوشل میڈیا

ٹیکنالوجی اور ذہن کا اشتراک ایک منفرد ذہن اور شخصیت کو پیدا کررہا ہے۔اوّل تو یہ تأثر عام ہوگیا ہے کہ سارا علم انٹرنیٹ پر موجود ہے اور علم کی اس بہتات اور تیزی نے تجزیے اور گہری فکر کے مواقع محدود کردیئے ہیں۔اب کسی بات کے سچ یا جھوٹ ہونے کو جاننے کے لئے وقت بہت محدود ہو گیا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو معلومات زیادہ میسر اور مقبول ہیں وہی ٹھیک ہیں۔یہ صورتحال مذہبی و الحادی فکر دونوں کے پھیلاؤ میں کار آمد ہورہی ہے۔اسی طرح سوشل میڈیا نے اجتماعی رائے سازی کو بہت آسان بنادیا ہے۔

عقائد و نظریات کا سائنس کے خلاف ہونا

عیسائیت اور دیگر مذاہب میں الحاد کو فروغ ملنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے عقائد و نظریات سائنس سے ٹکراتے ہیں جس کی وجہ سے پڑھا لکھا طبقہ دین سے دور ہوجاتا ہے۔تمام ادیان کی بانسبت مذہبِ اسلام میں کوئی بھی عقیدہ یا پیشین گوئی ایسی نہیں جو سائنس سے متصادم ہو بلکہ سائنس اسلام کی تائید کرتے ہوئے نظر آتی ہے جیساکہ شہد نوعِ انسانی کے لئے شفا ہے۔شہد کی مکھی کئی طرح کے پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی،اسے اپنے جسم کے اندر شہد میں تبدیل کرتی اور پھر اس شہد کو اپنے چھتے میں بنے خانوں میں جمع کرتی ہے۔آج سے صرف چند صدیوں قبل ہی انسان کو معلوم ہوا ہے کہ شہد اصل میں شہد کی مکھی کے پیٹ (Belly) سے نکلتا ہے مگر یہ حقیقت قرآنِ پاک نے 1400 سال قبل اس آیتِ مبارکہ میں بیان کردی تھی:

یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِؕ (پ۱۴،النحل:۶۹)

ترجَمۂ کنزالعرفان: اس کے پیٹ سے ایک پینے کی رنگ برنگی چیز نکلتی ہے اس میں لوگوں کیلئے شفا ہے۔

علاوہ ازیں حال ہی میں دریافت کیا گیا ہے کہ شہد میں زخم کو ٹھیک کرنے کی شفابخش خصوصیات پائی جاتی ہیں۔یہ نرم

(مرہم جیسی) جراثیم کُش دوا(Antiseptic) کا کام بھی کرتا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم میں روسیوں نے اپنے زخمی فوجیوں کے زخم ڈھانپنے کے لئے شہد کا استعمال کیا تھا۔ شہد کی یہ خاصیت ہے کہ یہ نمی کو برقرار رکھتا ہے اور بافتوں(tissues) پر زخموں کے بہت ہی کم نشان باقی رہنے دیتا ہے۔ شہد کی کثافت(Density) کے باعث پھپھوندی(fungus) یا جراثیم زخم میں پروان نہیں چڑھ سکتے۔

مغربی باطل نظریات کو خوب عام کرنا

مغربی باطل نظریات کو خوب عام کرنا اور ہر ممکن کوشش کرنا کہ ان باطل نظریات کے حاملین کو علم و تحقیق کے باب میں بلند ترین مقام دیا جائے نیز یہ کہنا کہ یہی لوگ حقیقت میں دنیائے علم و تحقیق کے درخشندہ (یعنی روشن) ستارے ہیں اور انہوں نے دنیا پر بڑا احسان کیا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ علم و تحقیق کے نام پر انہوں نے دنیا کو گمراہ کیا ہے۔ یاد رہے! ڈارون، فرائیڈ، مارگولیتھ، کارل مارکس، آدم اسمیتھ، دورکایم، جان پول وغیرہ جیسے محقق ائمۂ ضلال تو ہوسکتے ہیں مگر محسن نہیں ہوسکتے۔

تبادلۂ ثقافت

اسلام کے خلاف جاری فکری یلغار کو ثقافت اور تبادلۂ ثقافت کا نام دیا جارہا ہے تا کہ فکری یلغار کا احساس زندہ نہ ہو اور مسلمان مِن و عَن مغربی ثقافت کو دلجمعی کے ساتھ قبول کرلے۔

مذہبی طبقے کا کردار

نوجوان نسل کے ذہنوں میں طالبِ علمی کے زمانے میں تعلیم سے متعلق کئی طرح کے اشکالات پیدا ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی اُلجھنیں لے کر روایتی علما و مشائخ کے پاس نہیں جاتے اور اگر جاتے ہیں تو عموماً ان کا رویہ کچھ زیادہ ہمدردانہ نہیں ہوتا۔ اوّل تو ان کے اوپر ملحد ہونے کا الزام لگا کر انہیں بھگا دیا جاتا ہے یا کہا جاتا ہے کہ ایسے سوالوں پر غور نہ کرنا ہی بہتر ہے یا پھر اُنہیں پڑھنے کے لئے پُرانے علما کی اَدق اور مشکل کتابیں پکڑا دی جاتی ہیں جنہیں سمجھنے میں کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان روایتی علما و مشائخ کو پتا ہی نہیں ہوتا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ عوام کے اذہان کس قسم کے ہیں؟ ان کی کُل کائنات ان کے مقتدی اور مرید ہیں جو ان کے خطابات سنتے اور ہاتھ چومتے ہیں۔ یہ مقتدی و مرید جو بات ان سے کہہ دیں بغیر تحقیق کے مان لیتے ہیں بلکہ ممبر پر بیٹھ کر عوام کو علما و مشائخِ حقہ و دینی تحریکوں سے متنفر کرتے ہیں اور ان کا کام ہر

عالم پر تنقید کرنا ہوتا ہے۔ اپنے مقتدیوں و مریدوں کے سامنے ہر عالم و پیر کے خلاف باتیں کر کے ان سے بد ظن کر لیتے ہیں پھر جب ان کی بد عملی عوام میں کھلتی ہے تو دوسروں سے پہلے ہی عوام بد گمان ہو چکی ہوتی ہے اور اب ان حضرت سے بھی بد ظن ہو کر دین سے دور ہو جاتی ہے لہذا مذہبی طبقے کو یہ سوچنا چاہئے کہ اس پُر فتن دور میں ہمارا کردار کیسا ہونا چاہیے؟

نوٹ: ان فتنوں کے فروغ کے کئی اسباب اور بھی ہیں جو الحاد کے موضوع پر لکھی جانے والی تفصیلی کتب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

استشراق / تبشیر و تنصیر / استعمار

اہلِ مغرب جو اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں صدیوں سے مصروفِ عمل ہیں وہ تین منظّم تنظیموں میں منقسم ہیں۔ ان میں سے ایک استشراق، دوسری تنصیر یا تبشیر اور تیسری استعمار ہے جن کا مختصر تعارف و تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

(1) استشراق Orientalism

تعارف

استشراق عربی زبان کے مادہ (ش۔ر۔ق) سے مشتق ہے جس کے معنی شرق شناسی کے ہیں۔ یہ اصطلاح زیادہ قدیم نہیں اس لئے قدیم عربی، فارسی اور اُردو معاجم میں شرق تو موجود ہے لیکن زیرِ بحث لفظ یعنی باب استفعال میں اس کے معنٰی و مفہوم یا بطورِ فعل ان لغات سے بحث نہیں پائی جاتی البتہ جدید لغات میں استشراق کا ذکر موجود ہے۔

انگریزی لغت میں Orientalist استعمال ہوتا ہے جس کے لئے عربی میں استشراق کا لفظ وضع کیا گیا ہے۔ لفظِ orient بمعنٰی مشرق اور Orientalism کا معنٰی شرق شناسی یا مشرقی علوم و فنون اور ادب میں مہارت حاصل کرنے کے ہیں۔ مُستَشرِق سے مراد ایک ایسا شخص ہے جو باتکلّف مشرقی بنتا ہے۔

اصطلاحی تعریف

استشراق کا عام فہم اور سادہ مفہوم یہ ہے کہ جب بھی کوئی استشراق کا نام لیتا ہے تو اس سے مراد وہ یورپین علما و مفکرین ہوتے ہیں جن کو اہلِ یورپ Orientalist کہتے ہیں لہٰذا مستشرق وہ شخص ہے جو خود مشرقی نہ ہو بلکہ باتکلّف مشرقی بنے اور مشرقی علوم میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

ایک جامع تعریف یہ کی گئی ہے کہ مغربی اہلِ کتاب، مسیحی مغرب کی اسلام اور مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے زعم کی بنیاد پر مسلمانوں پر اہلِ مغرب کا تسلط قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہ اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے عقیدہ، شریعت، ثقافت، تاریخ، نظام اور وسائل و امکانات کا جو مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعوے کے ساتھ کرتے ہیں انہیں استشراق کہا جاتا ہے۔

یاد رہے! یہ کفار کا ایک ایسا گروہ ہے جو اسلام کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے پہلے اسلام کو اچھی طرح پڑھتا اور اس پر عبور حاصل کرتا ہے پھر ایک علمی انداز میں اسلام پر اعتراضات کرکے مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کی

کوشش کرتا ہے، یہ گروہ بہت پُرانا اور خطرناک ہے اور اسی کو مستشرقین کہتے ہیں۔ ان کا تعلق صرف ایک مذہب سے نہیں ہوتا بلکہ بعض کا یہودی، بعض کا عیسائی اور بعض کا دیگر مذاہب سے بھی ہوتا ہے اور نہ ہی یہ کسی خاص ملک یا علاقے سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں بلکہ پوری دنیا میں مستشرقین پائے جاتے ہیں۔

نوٹ: درج بالا تعریفات کا نچوڑ یہ ہے کہ مستشرقین (Orientalists) ان مغربی اور یورپی علماو فضلا اور محققین و باحثین کو کہتے ہیں جنہوں نے مشرقی اقوام خصوصاً مسلمانوں اور عربوں کے علوم و فنون اور مشرقی (اسلامی و عربی) ممالک کے دینی، تہذیبی، اقتصادی، سیاسی، سماجی اور جغرافیائی احوال کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا اور پھر لوگوں کے ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق شکوک و شبہات پیدا کئے اور اسلامی سرچشموں اور ماخذ کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔

استشراق کی تاریخ

تحریکِ استشراق کے آغاز کی تاریخ درحقیقت دینِ اسلام کے وجود کے ساتھ ہی وقوع پذیر ہو گئی تھی تاہم Orientalism کی اصطلاح یورپین زبانوں میں اٹھارویں اور انیسویں صدی میں رائج ہوئی (جیسا کہ روڈنسن کہتا ہے کہ Orientalism یعنی استشراق کا لفظ انگریزی زبان میں 1779ء میں داخل ہوا اور فرانس کی کلاسیکی لغت میں اس کا اندراج 1838ء میں ہوا)۔

تحریکِ استشراق، استشراق کی اصطلاح رائج ہونے سے کتنا عرصہ پہلے موجود تھی؟ اس کے متعلق متعدد آرا ملتی ہیں چنانچہ بعض کے نزدیک آنحضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے معاصر یہود و نصاریٰ کی مخالفت کے بعد سب سے پہلے جس نے اسلام کے خلاف اس تحریک کا آغاز کیا وہ ساتویں صدی عیسوی کا ایک پادری جان (John) تھا۔ اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے بارے میں طرح طرح کی جھوٹی باتیں گھڑیں اور لوگوں میں مشہور کر دیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی سیرت و شخصیت ایک دیومالائی (یعنی محض قصہ اور کہانی) کردار سے زیادہ دکھائی نہ دے۔ جان آف دمشق کی یہی خرافات مستقبل کے استشراقی علما کا ماخذ و مصدر بن گئیں۔

بعض محققین کی رائے میں اس کا آغاز نویں صدی عیسوی میں ہوا جب اہلِ عمالقہ نے اسلامی ثقافت کو داغ دار کرنے کے لئے کلام، ادب اور احکامی کتب کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور اس سلسلہ میں اچھا خاصا زرِ نقد صَرف کیا۔

بعض کے نزدیک اس کا آغاز دسویں صدی عیسوی میں ہوا جب فرانس کا ایک راہب جریردی اورلیاک حصولِ علم کی خاطر اندلس گیا جہاں اس نے اشبیلیہ اور قرطبہ کی جامعات میں علم حاصل کیا اور یورپ بھر میں عربی زبان و ادب کا سب

سے بڑا عالم شمار ہوا پھر بعد میں 999ء سے لے کر 1003ء تک سلفسترثانی کے لقب سے پاپائے روم کے منصب پر فائز رہا۔
کچھ علما اس کے آغاز کو بارہویں صدی عیسوی سے جوڑتے ہیں کہ جب 1143ء میں پطرس نامی شخص کے ایماء پر پہلی مرتبہ قرآنِ پاک کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسی صدی میں ایک پادری فیزایل نے پہلی عربی لاطینی لغت تیار کی۔
بعض محقق کہتے ہیں کہ اس کی ابتدا تیرہویں صدی عیسوی میں ہوئی کہ جب قشتالہ کے بادشاہ الفونس دہم نے 1269ء میں مرسیلیا میں تقابلِ ادیان کا ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے نے ابو بکر الرقوطی کی سربراہی میں اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان، مسیحی اور یہودی عالم مقرر کیے جنہوں نے قرآن، تلمود اور انجیل کے ہسپانوی زبان میں ترجمے کیے۔
کچھ اہلِ علم کہتے ہیں کہ تحریکِ استشراق کا آغاز 1312ء میں ہوا کہ جب فینا میں کلیسا کی کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ یورپ کی مختلف جامعات میں عربی زبان کی تدریس کے لئے باقاعدہ شعبے قائم کئے جائیں گے۔

مستشرقین کے مقاصد و اہداف

تمام یہود و نصاریٰ چونکہ اپنے آپ کو اللہ پاک کی مقرب ترین مخلوق سمجھتے تھے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے متعلق گمان رکھتے تھے کہ وہ ہم میں سے ہو گا مگر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بنو اسماعیل میں پیدا ہوئے تو یہود و نصاریٰ حسد اور بغض کی وجہ سے آپ کی نبوت کا انکار کر کے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسم اور اسلام کے دشمن ہو گئے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور اِسلام سے نفرت کا اظہار، مسلمانوں کو یہودی اور عیسائی بنانے کی کوشش، قرآنِ حکیم، اَحادیثِ مبارکہ، عقائد اور اَرکانِ اسلام کی نفی و تضحیک، مناظرانہ و مقابلانہ کتب لکھ کر مسلمانوں کے دین کو جھوٹا اور پیغمبرِ اسلام کو (نعوذ باللہ) نبیٔ کاذب ثابت کرنا، ابتدائی مسلم معاشرے کی غلط تصویر کشی کر کے مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنا اور اسلامی تہذیب کی تحقیر و تذلیل کرنا تاکہ اَقوامِ عالَم میں اسلام کے بارے میں بدگمانی پیدا کر کے اسلامی پھیلاؤ کو روکا جائے، یہ سب مستشرقین کے اہم مقاصد و اہداف ہیں۔

مستشرقین کے حدیث اور سیرۃ النبی سے متعلق اہم مقاصد

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی دینِ اسلام کے تنہا ماخذ ہیں اور ہمیں دینِ اسلام آپ ہی کے وسیلے سے قرآنِ پاک اور سنتِ ثابتہ کی صورت میں ملا ہے اس لئے مستشرقین نے سب سے زیادہ حملے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات پر کئے ہیں تاکہ دین کی اصل بنیاد پر شکوک و شبہات کے پردے ڈال دیئے جائیں۔ چونکہ عام طور پر لوگ کسی بھی مذہب کے پیشوا

کی شخصیت سے متاثر ہو کر اس کی اتباع کرتے ہیں اس لئے ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو اپنے گھٹیا حملوں کا شکار بنالیا تاکہ آپ سے اتباع اور محبت کا رشتہ کمزور کیا جائے۔ ساتھ ہی نعوذ باللہ حدیثِ رسول کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانا مستشرقین کا خصوصی ہدف رہا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حدیثِ نبوی قرآنِ حکیم کی تفسیر اور وضاحت ہے اگر قرآنِ حکیم کو وضاحتِ نبوی سے الگ کر دیا جائے تو وہ مسلمانوں کو ان کے اصل دین سے دور کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

تحقیق اور علمی اہداف و مقاصد

مستشرقین کے تمام علمی اور تحقیقی کاموں کے پیچھے علم کی خدمات کا جذبہ کار فرما نہیں ہوتا بلکہ ان کی اسلامی تحقیقات کا مقصد جو ان کی تحریروں سے بھی صاف ظاہر ہے وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ، استعمار کے لئے راستے کی ہمواری اور مسلمانوں میں تفریق پھیلانے کی جدوجہد کے سوا کچھ نہیں۔

اقتصادی و معاشی اہداف

استشراق کی اس تحریک کا آغاز اگرچہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لئے ہوا تھا لیکن بعد میں اس کے مقاصد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اہلِ مغرب نے مسلم ممالک کی تکنیکی مہارت حاصل کرنے اور اپنے معاشی مفادات اور تجارتی معاملات کو بہتر بنانے کے لئے بھی عربی زبان اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ کیا، پھر مسلم ممالک میں اپنے اثر و نفوذ کو بڑھایا اور مقامی طور پر ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کی کہ ان ممالک کے وسائل مکمل طور پر نہ سہی کسی حد تک اہلِ مغرب کے ہاتھوں میں چلے جائیں۔ اہلِ مغرب مشرق کو سونے کی چڑیا قرار دیتے تھے۔ مغرب جب صنعتی دور میں داخل ہوا تو اس کی نظر مشرق میں موجود خام مال کے ذخیروں پر تھی اسی لئے تمام ممالک نے مختلف مشرقی ممالک میں اپنے اثر و نفوذ کو بڑھانے اور ان کو اپنی کالونیاں بنانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں ہر قسم کے غیر اخلاقی حربے استعمال کئے گئے اور آزادی، انصاف اور رحم و مروت کے تمام اصولوں کو فراموش کر دیا گیا۔

ایک انگریز ادیب سڈنی لو نے مشرقی اقوام کے بارے میں اپنے ہم قوموں کے رویے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:
مغرب کی عیسائی حکومتیں کئی سالوں سے اُمَمِ شرقیہ کے ساتھ جو سلوک کر رہی ہیں اس سلوک کی وجہ سے یہ حکومتیں چوروں کے اُس گروہ کے ساتھ کتنی مشابہت رکھتی ہیں جو پُر سکون آبادیوں میں داخل ہوتے، ان آبادیوں کے کمزور مکینوں کو قتل کرتے اور ان کا مال و اسباب لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ یہ حکومتیں ان قوموں کے حقوق پامال کر

رہی ہیں جو آگے بڑھنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ اس ظلم کی وجہ کیا ہے جو ان کمزوروں کے خلاف رَوا رکھا جارہا ہے! کتوں جیسے اس لالچ کا جواز کیا ہے کہ ان قوموں کے پاس جو کچھ ہے وہ ان سے چھیننے کی کوششیں ہو رہی ہیں! یہ عیسائی قوتیں اپنے اس عمل سے اس دعویٰ کی تائید کر رہی ہیں کہ طاقتور کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کمزوروں کے حقوق غصب کرے۔

سیاسی و استعماری اہداف

اتفاق سے جب مسلمان یہود و نصاریٰ کی سازشوں اور اپنی اندرونی کمزوریوں کے نتیجے میں زوال کا شکار ہوئے تو اسی اثنا میں مغرب میں علمی و سائنسی ترقی کا آغاز ہوا۔ اہلِ مغرب مسلمانوں کو کچھ اسلام دشمن مفکرین، مصنفین اور کچھ صلیبی جنگوں کے اثرات کے تحت اپنا سب سے بدترین دشمن گردانتے تھے۔ ان کی ساری جدوجہد اسلام کے روشن چہرے کو مسخ کرنے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسی بلند مرتبہ شخصیات کو ان کے مرتبے سے گرانے اور قرآن وحدیث میں شکوک وشبہات پیدا کرنے میں صَرف ہو رہی تھی جیساکہ فلپ کے ہٹی (Philip Khuri Hitti) اپنے ہم مذہب لوگوں کے رویّوں پر کچھ اس طرح سے تبصرہ کرتا ہے: "قرونِ وسطیٰ کے عیسائیوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو غلط سمجھا اور انہیں ایک حقیر کردار خیال کیا۔ ان کے اس رویّے کے اسباب نظریاتی سے زیادہ معاشی اور سیاسی تھے۔ نویں صدی عیسوی کے ایک وقائع نگار نے ایک جھوٹے نبی اور مکّار کی حیثیت سے آپ کی جو تصویر کشی کی تھی بعد میں اُسے جنس پرستی، آوارگی اور قزاقی (یعنی غارت گری) کے شوخ رنگوں سے مزین کیا گیا۔ پادریوں کے حلقوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم دشمنِ مسیح کے نام سے مشہور ہوئے۔" (نعوذ باللہ)

اسلام سے دشمنی اور مسلمانوں کے دوبارہ عروج پانے کے خوف نے یہود و نصاریٰ کو ایک ایسے نہ ختم ہونے والے خبط میں مبتلا کر دیا جو اسلام کے خاتمے کے بغیر ختم ہونے والا نہیں تھا چنانچہ اس مقصد کے حصول کی خاطر انہوں نے ایک طرف تو مسلمانوں کو دینی اور اخلاقی لحاظ سے پست کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف ایسا منصوبہ بنایا کہ مسلمان دوبارہ کبھی اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکیں۔ اپنے سابقہ تجربات کی بنیاد پر ان لوگوں کو علم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو جنگ و جدل کے ذریعے سے ختم کرنا ممکن نہ سہی مشکل ضرور ہے اس لئے انہوں نے اندھا دھند جنگی اقدام کے بجائے متبادل طریقوں سے مسلمانوں کو کمزور کرنے اور ان کے وسائل پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ طویل منصوبہ بندی کے ذریعے مسلمانوں کی قوت اور طاقت کی بنیادوں کو جان کر ان کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ علماو محققین کے پردے میں مسلم ممالک میں اپنے

تربیت یافتہ لوگوں کو بھیج کر مسلمانوں کی دینی حمیت، اِتحاد و اخوت، جہاد اور پردہ وغیرہ جیسی امتیازی اَقدار کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ہی مختلف علاقائی، نسلی اور مسلکی تعصبات کو ہَوا دینے کی کوشش کی۔ پہلے مرحلے میں مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی اتحاد کو پارہ پارہ کیا، اس کے بعد اپنے اثر و نفوذ میں اضافہ کرکے کمزور ممالک کو اپنی طفیلی ریاستوں کی صورت دی، یوں ایک طرف تو مسلمان ہر لحاظ سے کمزور ہوگئے اور دوسری طرف ان کے تمام وسائل پر یہود و نصاریٰ کا قبضہ ہوگیا۔

جرمن مفکر پاؤل شمٹ (Paul Schmidt) نے اپنی کتاب میں تین چیزوں کو مسلمانوں کی شان و شوکت کا سبب قرار دیتے ہوئے ان پر قابو پانے اور ختم کرنے کی کوششوں پر زور دیا ہے: (1) دینِ اسلام اور اس کے عقائد، اس کا نظامِ اخلاق اور مختلف نسلوں، رنگوں اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں رشتۂ اخوت استوار کرنے کی صلاحیت (2) ممالکِ اسلامیہ کے طبعی وسائل (3) مسلمانوں کی روز افزوں عددی قوت۔

مسلمانوں کی قوت و طاقت کی اصل بنیادوں کو ذکر کرنے کے بعد پاؤل شمٹ لکھتا ہے: "اگر یہ تینوں قوتیں جمع ہوگئیں، مسلمان عقیدے کی بنا پر بھائی بھائی بن گئے اور انہوں نے اپنے طبعی وسائل کو صحیح طرح استعمال کرنا شروع کردیا تو اسلام ایک ایسی مہیب (یعنی خوفناک) قوت بن کر اُبھرے گا جس سے یورپ کی تباہی اور تمام دنیا کا اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلے جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔"

مستشرقین کا طریقۂ تحقیق

ابتدا میں مستشرقین کا طریقۂ کار یہ تھا کہ کھلم کھلا اسلام دشمنی کا اظہار کرتے تھے، ان کی کتب و رسائل اسلام، پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے عناد کا واضح مظہر تھے لیکن جلد ہی مستشرقین نے محسوس کیا کہ ان کا یہ اسلوب ان کے خلاف نفرت و عناد کا باعث بن گیا ہے تو یہ لوگ تحقیق کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں اُترے اور مطلوبہ اہداف و مقاصد کو اس ذریعے سے حاصل کرنے لگے۔

یہ لوگ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے محاسن کو بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں مگر جب تاریخی حقائق کی بات آتی ہے تو اُنہیں مسخ کرکے پیش کرتے ہیں اور قاری کو تذبذب کا شکار کر دیتے ہیں بالخصوص ایسے نوجوان جو اپنے علمی ورثہ سے بالکل ہی ناواقف ہیں وہ ان مستشرقین کی تحقیقات کو مِن و عَن تسلیم کرنے لگتے ہیں۔ یاد رہے!

مستشرقین کی تحقیقات پڑھ کر اُمّتِ مسلمہ کا تعلیم یافتہ طبقہ اور جدّت پسند اذہان بہت حد تک تشکیک کا شکار ہو چکے ہیں۔

مستشرقین کی تحقیقات کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ خود جو تحقیق کے لئے اصول پیش کرتے ہیں (یعنی غیر جانبداری اور حقائق کو بعینہٖ تسلیم کرنا) ان کی نفی خود اپنے رویّے سے کرتے اور دورانِ تحقیق بارہا اپنے مفاد کی خاطر اپنے ہی اصولوں کو توڑتے ہیں۔ ان کی تحقیق کا ایک مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام کو جھٹلانے کے لئے خود ہمارے علمی ورثہ سے مواد اِکٹھا کرتے ہیں اور جو مواد ان کے خیال کے مطابق ان کے حق میں جاتا ہے اسے استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور انہی کتب میں موجود جو مواد ان کی اپنی آرا یا مَن چاہے نتائج کے خلاف دلیلِ قطعی کی حیثیت رکھتا ہے اُسے یکلخت نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر اوقات مستشرقین کسی واقعہ کے متعلق اپنے ذہن میں پہلے سے ہی ایک منفی مفروضہ قائم کر لیتے ہیں اور بعد ازاں اپنے اس مذموم مفروضے کو ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، اس سلسلے میں انہیں موضوع روایت بھی مل جائے تو وہ اسے استشہاد کے لئے غنیمت جانتے ہیں۔

حدیث اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے موضوعات پر ان احادیث کا سہارا لیتے ہیں جو اکثر محدثین اور فقہا کے نزدیک موضوع اور ناقابلِ اعتبار ہیں جیسے قصۂ غرانیق اور فترتِ وحی کے حوالے سے ان کا کہنا ہے کہ معاذ اللہ ان ایام میں آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے خودکشی کی کوشش کی بلکہ William Muir نے "The Life of Muhammad" میں "Seeks to commit suicide" عنوان قائم کیا ہے۔ یہ مستشرقین بعض مرتبہ اپنے تعصب کی تسکین کے لئے تحقیق کے معیار سے اس قدر گراوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے قرآن و حدیث میں لفظی تبدیلیاں بھی کر دیتے ہیں۔

مستشرقین مسلمانوں میں مختلَف فیہ مسائل پر تحقیق نہیں کرتے جن کے حل ہونے سے مسلمانوں میں تفرقہ بازی کا خاتمہ ہو کیونکہ ایسا کرنا ان کے اصول لڑاؤ اور حکومت کرو کے خلاف ہے۔ مستشرقین ریاکاری سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی حمایت کرتے ہیں تاکہ وہ اس سے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کر کے ان کے نزدیک اپنی تحقیقات کو مستند ثابت کر سکیں۔ پیغمبرِ اسلام کے متعلق مغرب کی عیسائی دنیا (مستشرقین) کی بحث و تحقیق اور ان کی تحریروں کا نچوڑ سب و شتم کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس میں کلیسائی دینی اور مذہبی شخصیات کے ساتھ غیر دینی اور لامذہبی افراد بھی برابر حصہ لیتے رہے ہیں اور یہ سیلاب آج تک رواں دواں ہے۔

(2) تبشیر/تنصیر Gospel

تعارف

تبشیر یا تنصیر وہ گروہ ہے جو صلیبی جنگوں کی ناکامی کے بعد ظاہر ہوا اور اس نے عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔ یہ لوگ دیگر ادیان کے مقابلے میں بالعموم اور اسلام کے مقابلے میں بالخصوص عیسائیت کی فوقیت ثابت کرنے کے لئے کوششیں کرتے ہیں۔ یہ کھل کر اسلام کی تعلیمات اور تاریخِ اسلام کی مقتدر شخصیات کے کردار پر بحث کرتے ہیں۔ یہ لوگ مبشر اور منصر کہلاتے ہیں اور ان کی تحریک کو تبشیر یا تنصیر کہا جاتا ہے۔

اس کا انداز/طریقۂ کار

یہ تحریک جہالت، غربت اور بیماریوں سے فائدہ اُٹھاتی ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے میڈیا، ٹی وی، ریڈیو، تعلیم، طب اور قدرتی آفات اور جنگ زدہ لوگوں کی امداد کو بطورِ ہتھیار استعمال کرتی ہے۔

نوٹ: ریمن لول اس تحریک کا بانی ہے نیز صموئیل زویمر Zeimer اور اس جیسی دیگر شخصیات اس کے اہم راہ نماؤں میں شامل ہیں۔

چند اَہداف و مقاصد

(1) اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنا۔

(2) اسلام کے خلاف مختلف پروپیگنڈے کرنا اور مسلمانوں میں ایسی نسل تیار کرنا جو اگر عیسائی نہ بنے تو اسلام سے بھی ان کا کوئی تعلق نہ رہے۔

(3) اپنے مقاصد کے حصول کے لئے وقتاً فوقتاً کانفرنسیں منعقد کرنا۔ اس سلسلے میں قاہرہ، اسکاٹ لینڈ، لکھنو، القدس، استنبول، مصر، لبنان اور بغداد وغیرہ کی کانفرنسیں قابلِ ذکر ہیں۔

(4) حصولِ مقاصد کے لئے کتابیں تالیف کرنا یا کروانا۔

(5) یہ تحریک عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ہسپتال، سکول، کالج اور یونیورسٹیاں تعمیر کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف رفاہی کام کرواتی ہے۔

(6) مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے ان میں فرقہ وارانہ فسادات کروانا اور وطن پرستانہ تحریکات کی پشت پناہی کرنا

جیسا کہ مصر میں فرعونیت، فلسطین، شام اور لبنان میں فینیقیت، عراق میں بربریت اور سندھ میں راجہ داہر کے ساتھ اپنا تعلق جوڑنے والی تحریک کا آغاز اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

بہر حال اس تحریک کے پاس بے پناہ مالی وسائل ہیں جس کی بنا پر انڈونیشیا، بنگلہ دیش، کینیا، ملیشیا، خلیجی ممالک اور افریقہ میں سینکڑوں عیسائی تبلیغی جماعتیں اور کئی لاکھ عیسائی مبلغ مشن کے فروغ کے لئے کام کر رہے ہیں اور ان کے لئے مغربی حکومتیں اور مختلف عیسائی ادارے اپنے اقتصادی منصوبوں، وسیع زرعی زمینوں اور بینکوں میں موجود عیسائی اداروں کے ٹریلین ڈالرز سے فنڈز حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح تبلیغی منصوبہ بندی کے لئے ہزاروں مراکز مختلف ممالک میں اُمّتِ مسلمہ کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔

(3) استعمار

تعارف

مغربی سیاستدان، سفارت کار اور فوجی جو مشرقی ممالک پر استعماری غلبے کی کوششوں کا حصہ ہیں وہ مستمرین کہلاتے ہیں، جس تحریک سے ان لوگوں کا تعلق ہے اسے تحریکِ استعار کہا جاتا ہے اور جو لوگ علم کی خدمت کا لبادہ اوڑھ کر مصروفِ عمل ہیں وہ مستشرقین کہلاتے ہیں۔

عموماً یہ تأثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ تینوں تنظیمیں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں، ایک دوسرے پر انحصار نہیں کرتیں اور نہ ان کے کام کا میدان ایک ہے بلکہ یہ سب اپنے اپنے میدان میں کام کر رہی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے۔ یہ تینوں دراصل ایک ہیں اور ان کے کام میں بھی زبردست ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

استشراق، مشرق بالخصوص اسلام کے تفصیلی مطالعہ کا نام ہے اور جن لوگوں نے اس کام کا آغاز کیا ان میں اکثریت راہبوں اور پادریوں کی تھی۔ کلیسا صدیوں علم کا دشمن رہا، اس کے دورِ اقتدار میں کتابیں جلتی رہیں، علما، کلیسا کی جہالت کی بھینٹ چڑھتے رہے اور مدرسے بند ہوتے رہے لیکن جب مسلمانوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ قوموں کی ترقی کا راز علم میں مضمر ہے تو علومِ اسلامیہ کو مغرب میں منتقل کرنے کا بیڑا بھی اُنہی لوگوں نے اُٹھایا جن کے لئے مستشرقین سے زیادہ مبشرین کی اصطلاح موزوں ہے۔ راہبوں نے عربی کتابوں کے تراجم کئے، مدارس قائم کئے اور ممالکِ اسلامیہ سے قیمتی مخطوطے اِکٹھے کرنے کے لئے اپنی زندگی بھر کی کمائیاں صَرف کیں۔ مغربی یونیورسٹیوں میں عربی کی تدریس کا

فیصلہ سب سے پہلے کلیسا کی کانفرنس میں ہوا۔ یہ تمام حقائق اس بات کی خبر دیتے ہیں کہ استشراق اور تبشیر دو علیحدہ تحریکیں نہیں بلکہ یہ ایک ہی تحریک کے دو مختلف روپ ہیں۔

مبشرین اور مستشرقین کے بارے میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان کا استعماری طاقتوں سے کوئی تعلق نہیں وہ تو امن اور صلح پسند لوگ ہیں جو دین اور علم کی خدمت میں مگن رہتے ہیں لیکن یہ تاثر بھی بالکل غلط ہے۔ یاد رکھیے! جس طرح استشراق کی تحریک کو تبشیر سے علیحدہ کرنا ناممکن ہے اسی طرح استشراق اور تبشیر دونوں کو استعمار سے علیحدہ کرنا بھی ممکن نہیں۔ ان تحریکوں کی تاریخ اس حقیقت سے پردہ اُٹھاتی ہے کہ مبشرین اور مستشرقین استعماری طاقتوں کے لئے راستہ ہموار کرتے رہے، انہیں مشرق کے متعلق پالیسیاں وضع کرنے کے لئے ضروری معلومات مہیا کرتے رہے اور استعمار کے قیام کے لئے مستشرقین اپنی حکومتوں کے لئے مشیر کا کام کرتے رہے۔ ان خدمات کے بدلے میں مستمرین نے دل کھول کر ان کی مالی مدد کی، ان کے علمی منصوبوں کے لئے سرمایہ فراہم کیا اور ان کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے ماحول کو سازگار بنایا گویا مستشرقین، مستعمرین کے فکری راہ نما تھے اور مستعمرین، مستشرقین کے پشت پناہ اور محافظ۔ ان کے مقاصد ایک تھے اور ان مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کی مساعی میں ہم آہنگی بھی موجود تھی۔ استعماری طاقتوں نے مستشرقین کے علم کو اپنے استبدادی مقاصد کے لئے دل کھول کر استعمال کیا۔

سیکولرازم

تعارف

آکسفورڈ ڈکشنری میں لفظ سیکولر کے درج ذیل معنٰی بیان کئے گئے ہیں:

"Not connected with spiritual or religious matters" یعنی جو روحانی و مذہبی معاملات سے جڑا نہ ہو۔ "سیکولرِازم ایک ایسا طرزِ زندگی ہے جس میں دین کو ریاست سے الگ کر کے انفرادی عبادات (یعنی نماز و روزہ) اور شادی بیاہ کی رسموں تک محدود رکھا جائے نیز یہ اس طرح کی آزادی کا نام ہے کہ جس کو دین پر ترجیح دینے کے ساتھ ساتھ ہر فرد جو کرنا یا کہنا چاہے وہ کر اور کہہ سکتا ہے، اس حوالے سے اُسے مکمل آزادی حاصل ہے۔

یہ اصطلاح دراصل مذہب اور ریاست کو الگ کرنے کے لئے استعمال کی گئی تھی گویا سیکولرِازم دراصل سیاست اور مذہب کے مابین تفریق کا نام ہے۔

یاد رکھیے! الحاد کی بنیاد پر سیکولرِازم کا نظریہ وجود پذیر ہوا جو مذہب اور الحاد کے درمیان تطبیق (Reconciliation) کی حیثیت رکھتا تھا۔ فلسفیانہ اور ملحدانہ نظریات نے اہلِ یورپ کی اشرافیہ کو بُری طرح متاثر کر دیا تھا۔ ان کے ہاں تعلیم یافتہ ہونے کا مطلب ہی ملحد اور لادین ہونا تھا۔ دوسری طرف عوام الناس میں اہلِ مذہب کا اثر و رسوخ خاصی حد تک باقی تھا۔ اہلِ مذہب کا ایک اور مسئلہ یہ بھی تھا کہ وہ بہت سے فرقوں میں منقسم تھے اور ایک فرقے کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ دوسرے کی بالادستی قبول کر سکے۔ ان حالات میں انہوں نے یہ طے کر لیا کہ ہر فرد کو اپنی ذات میں تو اپنے عقیدے پر قائم رہنے کی آزادی دی جائے لیکن اجتماعی اور ریاستی سطح پر مذہب سے بالکل لاتعلق ہو کر خالص عقل و دانش اور جمہوریت کی بنیادوں پر نظامِ حیات کو مرتب کر لیا جائے۔ اگر حکومت کا کوئی سرکاری مذہب ہو بھی تو اس کی حیثیت محض نمائشی ہو، اسے معاملاتِ زندگی سے کوئی سروکار نہ ہو۔ سیکولرِازم کے اس نظریے کا فروغ دراصل مذہب کی بہت بڑی شکست اور الحاد کی بہت بڑی فتح تھی۔ اہلِ مغرب نے اپنے سیاسی اور معاشی نظاموں کو مذہب کی روشنی سے دور ہو کر خالصتاً ملحدانہ بنیادوں پر استوار کیا، مذہب کو چرچ تک محدود کر دیا گیا اور تمام قوانین جمہوری بنیادوں پر بنائے جانے لگے۔

عیسائیت میں بھی فری سیکس گناہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن جمہوری اصولوں کے مطابق اکثریت کی خواہش پر اسے قانونی طور پر جائز قرار دیا گیا اور ایک ہی جنس میں شادی کو بھی قانونی مقام دیا گیا۔ سود ہمیشہ سے آسمانی مذاہب میں ممنوع رہا ہے لیکن معیشت کا پورا نظام سود پر قائم کیا گیا۔ سیکولرِازم کے نتیجے میں الحاد اہلِ مغرب کے نظامِ حیات میں غالب قوت

بن چکا ہے وہ اس طرح کہ ان کی بہت بڑی تعداد اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مذہب کو اپنانے کے نظریہ کے خلاف ہے تو یوں وہ عملی اعتبار سے خدا، نبوت ورسالت اور آخرت کا انکار کر چکے ہیں۔ اب اس کے بعد صرف انسانی اخلاقیات یا دینِ فطرت ہی باقی رہ جاتا ہے جسے ملحدین بھی مانتے ہیں۔ اہلِ مغرب اگرچہ ان میں سے بہت سے اصولوں کو چھوڑ چکے ہیں لیکن اب بھی وہ ان اخلاقی اصولوں کے بڑے حصے کو اپنائے ہوئے ہیں۔

تاریخ

یہ تحریک مغربی اثر و نفوذ کی وجہ سے یورپ سے ہوتی ہوئی پوری دنیا میں پھیلی۔ ابتدا میں یورپ کے عیسائی پادریوں نے رہبانیت، تفتیشی عدالتوں اور مغفرت ناموں کی تجارت کے ذریعے لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جس کی وجہ سے ان کے خلاف بھرپور بغاوت ہوئی اور دین سے آزادی کی تحریکات زور پکڑ گئیں اور پھر 1789 کا فرانسیسی انقلاب سیکولرازم کا باعث بنا جس کے بعد کلیسا کو انفرادی دینی رسوم کے اندر محدود کیا گیا اور ریاست کو دین سے جدا کر دیا گیا۔

مصر میں بونا پارٹ کے حملے کے بعد سیکولر ازم کے اثرات پھیل گئے اور بعد میں مصری سربراہ اسماعیل خدیو نے 1883ء میں اسلامی قانون کے بجائے فرانسیسی قانون لاگو کیا۔

الجزائر میں 1830ء میں فرانسیسی قبضے کے بعد اسلامی شریعت کو منسوخ کر کے فرانسیسی قانون نافذ کر دیا گیا۔

تیونس میں 1906ء میں فرانسیسی قانون لاگو ہوا اور مراکش میں 1913ء میں فرانسیسی قانون لاگو ہوا۔

ترکی میں خلافتی نظام ٹوٹنے کے بعد مصطفیٰ کمال نے سیکولرازم رائج کیا۔

اسی طرح شام و عراق میں خلافتِ عثمانیہ ٹوٹنے کے بعد شریعتِ اسلامیہ کو منسوخ قرار دیا گیا اور یوں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی عملداری مضبوط کی گئی۔

عقائد و نظریات

کچھ سیکولر اَفراد سرے سے ہی اللہ کا وجود نہیں مانتے۔ بہت سے سیکولر دین کو انفرادی رُسوم و رواج تک محدود سمجھتے ہیں، ریاست سے اس کے تعلق کو نہیں مانتے، ذاتی فائدے کو ترجیح دیتے ہیں، اخلاق باختہ تہذیب کو رائج کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسلام میں شکوک پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں، عورت کو آزادی دلانے کی دعوت دیتے ہیں، قدیم تہذیبوں کو زندہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور مغرب کی مکمل تقلید کو لازم سمجھتے ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو مذہب کو صرف ایک ہتھیار سمجھ کر استعمال کرتے ہیں در حقیقت ان کو مکمل آزادی، بدکاری اور دیگر حرام اُمور ہر دلعزیز ہوتے ہیں، یہ لوگ

اور ملحد ہر جگہ یہ باور کراتے ہیں کہ وہ نیوٹرل ہیں، ان کے خیالات ہر قسم کے تعصبات سے ماوراہیں لیکن ان کی سوچ کا تصور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ جن علما کو متشدد اور انتہاپسند کہتے ہیں خود اُن سے بڑھ کر متشددانہ اور انتہاپسندانہ سوچ رکھتے ہیں، ان لوگوں کی اکثریت سامراجی جنگوں کی حمایت اور اپنے مخالفین کی قتل وغارت گری کو جائز سمجھتی ہے۔ یہ لوگ حکومتوں کو اُکساتے ہیں تاکہ وہ مذہبی لوگوں پر تشدد اور جنگیں مسلّط کرکے ان کو تباہی سے دوچار کردیں۔

سیکولر فکر رکھنے والوں کی اقسام

سیکولرازم سے متاثر افراد کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلی قسم: ان کافر اور بے دین لوگوں کی ہے جو صراحتاً اور اعلانیۃً صرف اسلام کا ہی نہیں کسی بھی دین کا انکار کرتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور ایسی بات کریں تو مرتد شمار ہوں گے۔

دوسری قسم: ان منافقوں کی ہے جو نام کے مسلمان ہیں یعنی بظاہر اسلام کو تسلیم کرتے ہیں مگر دل میں کفر کو چھپائے ہوتے ہیں اور ان کا پورا میلان اندر سے اسلام مخالف بلکہ اسلام دشمن نظریات کی جانب ہوتا ہے۔اس وقت مسلم معاشرے میں یہ لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں، چند نشانیوں سے ان کو پہچانا جاسکتا ہے اور وہ نشانیاں درج ذیل ہیں:

(الف) وہ اپنے آپ کو مصلحِ ملّت، مفکرِ اسلام یا مجدد ٹھہراتے ہیں حالانکہ اسلام اور اسلام کی بنیادوں کو ڈھانے کی کوشش کررہے ہوتے ہیں اور ان کی حالت اسلامی تعلیمات اور مطالبات کے بالکل برعکس ہوتی ہے، یہی لوگ اسلام اور مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

(ب) وہ یہ آواز لگاتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات عصرِ حاضر میں جاری کرنے کے قابل نہیں کیونکہ (العیاذ باللہ) وہ فرسودہ اور قابلِ اعتبار نہیں لہٰذا مسلمان عالمی قانون کو تسلیم کرلیں اس لئے کہ (العیاذ باللہ) وہی مسلمانوں کے لئے شریعتِ اسلامیہ کے مقابل زیادہ نفع بخش اور مفید ہے۔

(ج) دین پر عمل کرنے والوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور دینی شعائر مثلاً داڑھی، ٹوپی، کُرتہ وغیرہ کا مذاق اُڑاتے اور دین دار لوگوں کو کم عقل تصور کرتے ہیں۔

تیسری قسم: ان مسلمانوں کی ہے جو سیکولرازم، جمہوریت، حقوقِ انسانی، آزادیٔ نسواں، آزادیٔ رائے، دین اور سیاست میں تفریق جیسی اصطلاحات سے متاثر ہوتے ہیں انہیں آج کل مغرب زدہ مسلمان کہا جاتا ہے، یہ اسلام کو مانتے ضرور ہیں، اس کی حقیقت کے بھی قائل ہیں مگر دینی علم سے دوری یا کمی کی وجہ سے ان خوشنما اصطلاحات سے متاثر ہوجاتے ہیں۔

ملحدین و مستشرقین کے اعتراضات و جوابات

اعتراض

اگر خدا ہی کائنات اور اُس کی ہر شے کو پیدا کرنے والا ہے تو خدا کو پیدا کرنے والا کون ہے؟

جواب

پہلے تو یہ ذہن نشین کرلیجئے کہ ہم خدا کو اپنی جیسی مخلوق نہ سمجھیں کہ جس کو پیدا ہونے کی ضرورت ہو کیونکہ یہ بات قطعی ہے کہ ہم مخلوق ہیں اور اپنے آپ کے خود خالق نہیں۔ مخلوق کا تو خالق ہونا چاہیے لیکن اگر خالق کا بھی خالق ہو تو لامتناہی سلسلہ چل پڑے گا اور پھر یہ سوال ہر خالق کے بارے میں اُٹھایا جائے گا کہ اُس کا خالق کون ہے؟ اِس سوال کو کہیں رُکنا ہوگا اور جہاں رُکے گا وہی خدا کی ذات ہوگی کہ جس کو کسی خالق کی ضرورت نہ ہوگی اور وہ ہر شے کا خود خالق ہوگا۔ تو یہ ایک انتہائی مضحکہ خیز بات ہے کہ اگر خدا ہی کائنات اور اُس کی ہر شے کو پیدا کرنے والا ہے تو خدا کو پیدا کرنے والا کون ہے؟

مذکورہ بالا اعتراض ان لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے جو یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ کائنات کا نہ تو کوئی خالق ہے اور نہ ہی اس کی کوئی شروعات ہے یعنی یہ بغیر خالق کے ہمیشہ سے موجود ہے۔ حیرت ہے ایسے لوگوں پر جو کائنات کے لئے تو خالق نہ ہونا قبول کرتے ہیں مگر خدا کا بغیر خالق کے ہمیشہ سے ہونا قبول نہیں کرتے۔ یاد رہے! کائنات کے بغیر خالق کے وجود پذیر ہونے کے اس نظریے کو سائنس نے اس وقت اُٹھا کر پھینک دیا جب یہ دریافت ہوا کہ کائنات بگ بینگ سے وجود پذیر ہوئی اور اس کائنات کی عمر بھی بتادی جو کہ لگ بھگ 14 ارب سال کے قریب ہے یعنی اس کے بعد کائنات فنا ہو جائے گی۔ بہر حال اللہ پاک ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہی ساری کائنات کا خالق ہے اور وہ خود بغیر خالق کے ہے۔

اعتراض

ہم بغیر دیکھے کیسے یقین کرلیں کہ کائنات کا کوئی خالق ہے؟

جواب

یہ ایک غیر معقول بات ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا ہر وہ چیز جو اس کائنات میں ہو رہی ہے ہم اس کو دیکھ کر ہی مانتے ہیں؟ کششِ ثقل کو کس نے دیکھا ہے؟ مگر پھر بھی ہم اس کے اثرات کی وجہ سے یہ مانتے ہیں کہ وہ موجود ہے۔ اسی طرح کیا ہمیں ہر دفعہ آگ کے شعلے ہی دیکھنے ہوتے ہیں تب ہی ہم یہ جانتے ہیں کہ کہیں آگ لگ گئی

ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ہم دھواں دیکھ کر بھی جان جاتے ہیں کہ کہیں آگ لگ گئی ہے۔ اس کائنات میں بہت کچھ ایسا ہو رہا ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا اور نہ ہی نظر آنے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ہم اس کے اثرات اور نشانات کو پڑھ کر اور عقل کا استعمال کرکے پہنچ جاتے ہیں۔ یہ عقل کی استنباطی صلاحیت ہی ہے جس کو استعمال کرکے ہم بہت سارے انکشافات کر چکے ہیں اور اس نے ہماری دنیا تبدیل کر دی ہے۔ اسی طرح بلا تشبیہ وبلا تمثیل خدا کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کیونکہ ہم اُس کو دیکھ نہیں سکتے بلکہ استنباطی صلاحیت کو استعمال کرکے ہی اس کے وجود تک پہنچ سکتے ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کائنات ہر لحاظ سے بنی ہوئی ہے اور اس میں جو بغیر کسی خامی کے ریاضی اور اعلیٰ درجہ کا ڈیزائن پاتے ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ کسی خالق کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ ہر وہ شے جو بنی ہو اس کا خالق ہونا ضروری ہوتا ہے مثال کے طور پر اگر کہیں لکڑی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہو تو ہم اس کا خالق نہیں ڈھونڈتے مگر اسی لکڑی کے ٹکڑے کی کہیں کرسی بنی پاتے ہیں تو ہماری عقل فوراً اس بات کو قبول کر لیتی ہے کہ اس کا ایک لازمی خالق ہے اور ہم اس (کرسی کے) خالق کے خالق کو نہیں تلاش کرتے تاکہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ کیا اس کرسی کا خالق ہے؟

اور خود ہم انسان کیسے وجود میں آئے؟ ہم جانتے ہیں کہ ہم محض ایک گوشت کا لوتھڑا نہیں ہیں بلکہ ہمیں جسم عطا ہوا ہے اور ہم صرف جسم نہیں ہیں بلکہ اپنا الگ سے شعور رکھتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں اور ہم سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ یہ سب کیسے ہوا؟ کچھ ملحد حضرات نظریۂ ارتقاء کا حوالہ دیں گے تاکہ کچھ سمجھا سکیں کہ کیسے ہوا؟ حالانکہ نظریۂ ارتقاء پر ابھی بھی بہت سارے سوالات ہیں جو اس بحث کا موضوع نہیں ہیں اور اگر ارتقاء کے نظریے کو مان بھی لیا جائے تب بھی اس سے یہ تو جواب مل سکتا ہے کہ انسانی جسم کس طرح بنا مگر انسان صرف جسم نہیں ہے، جسم اس کے پاس ہے اور وہ اِس کو دنیا میں استعمال کرتا ہے تو پھر انسان کا وجود کیسے ہوا؟ اس کو کس نے پیدا کیا؟ اس کا جواب نہیں مل سکتا۔

کائنات اور انسان کا ہونا اس کے علاوہ اور کوئی توجیہ نہیں پاتے کہ ان کا ایک عظیم خالق ہے جس نے سب کو عدم سے پیدا کیا اور یہی واحد توجیہ ہے جو ہمیشہ سے ہے اور یہاں تک کہ اب کا جدید علمی انسانی ذہن بھی اس کے علاوہ کوئی مضبوط اور قابلِ قبول توجیہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اعتراض

اگر خدا کا کوئی وجود ہوتا تو مذہب میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب مذاہب آپس میں متفق ہوتے کیونکہ ان کا اُتارنے

والا بھی ایک مانا جاتا لیکن چونکہ اختلاف ہے اس لئے معلوم ہوا کہ الہام وغیرہ وہم ہے اور خدا کا کوئی وجود نہیں۔

جواب

مذاہب کے اختلاف سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا کا کوئی وجود نہیں بلکہ خالق نے خود مخلوق کو سزا و جزا کے لئے فرمانبرداری ونافرمانی کا اختیار دیا ہے، عقل عطا فرمائی ہے کہ صحیح وغلط کی پہچان کر سکے اور پھر صحیح و غلط میں امتیاز اور صحیح کی طرف راہ نمائی کرنے کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اسے بلا تمثیل یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ایک باپ کے کثیر بیٹے ہوں اور باپ سب کی تربیت سنہری اُصولوں پر کرے لیکن اس کے باوجود ان میں سے بعض فرمانبردار ہوں اور بعض سرکش تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان سب کا کوئی باپ نہیں بلکہ سرکشی اور فرمانبرداری کے اُصول مرتب کرکے واضح کرنا پڑے گا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ یونہی اصلِ مذہب اسلام تھا جس کی تمام انبیائے کرام علیہمُ الصّلوۃُ والسّلام نے تبلیغ کی لیکن بعضوں نے اس دین کی فرمانبرداری کی اور بعض نافرمان ہوئے، بعضوں نے آسمانی کتب میں تحریف کی اور بعضوں نے اپنا الگ سے دین ایجاد کرلیا۔

اللہ پاک نے جو صحائف نازل کئے اور ان میں جو احکامات اِرشاد فرمائے اُن میں بنیادی عقائد و نظریات کے اعتبار سے باہم ہرگز اختلاف نہ تھا ہاں فقہی معاملات میں موقع محل کے اعتبار سے کچھ فرق ضرور تھا جس طرح انبیائے کرام علیہمُ الصّلوۃُ والسّلام کے معجزات ان کی قوموں کی صورتحال کے اعتبار سے مختلف تھے۔

اعتراض

قرآنِ پاک میں ہے: ﴿مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍؕ﴾ (پ۲۹، الملک:۳) ”ترجمۂ کنز العرفان: (اے بندے!) تُو رحمٰن کے بنانے میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا۔“ اس آیتِ مبارکہ میں بیان کیا جارہا ہے کہ سب کی تخلیق ایک ہی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی آدمی کانا ہے تو کوئی لنگڑا اور کسی کے ہونٹ خراب ہیں وغیرہ وغیرہ۔

جواب

اعتراض میں آیت کا کچھ حصہ نقل کیا گیا ہے، اگر اس پوری آیت اور اس کے ساتھ دوسری آیت کا مطالعہ کریں تو ہر ذی شعور پر بغیر تفسیر کے واضح ہوگا کہ اس میں آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ سات آسمانوں کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں ہے اور اگر کوئی نقص ڈھونڈنا چاہے گا تو بغیر عیب ڈھونڈے نظر واپس آئے گی چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاؕ مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ(۳) ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ(۴) (پ۲۹،الملک:۳-۴)

ترجمۂ کنزالعرفان:وہ جس نے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان بنائے(اے بندے!)تُو رحمٰن کے بنانے میں کوئی فرق نہیں دیکھے گاپس تُو نگاہ اُٹھا کر دیکھ،کیا تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟پھر دوبارہ نگاہ اُٹھا کر دیکھ،نگاہ تیری طرف ناکام ہو کر تھکی ماندی پلٹ آئے گی۔

جہاں تک مخلوق کے مختلف رنگوں اور عیبوں سے متصف ہونے کی بات ہے تو قرآن و حدیث میں ہر گز یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ سب کو ایک جیسی شکل و صورت دی گئی ہے بلکہ اللہ پاک نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ جسے جس شکل میں اس نے پیدا کرنا چاہا اُسے وہ صورت عطا فرمائی چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِۙ(۶) الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَۙ(۷) فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَؕ(۸) كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِۙ(۹) (پ۳۰،الانفطار:۶تا۹)

ترجمۂ کنزالعرفان:اے انسان!تجھے کس چیز نے اپنے کرم والے رب کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا؟جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا پھر اعتدال والا کیا۔جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ہر گز نہیں بلکہ تم انصاف ہونے کو جھٹلاتے ہو۔

باقی یہ کہ اللہ پاک کے کسی کو اندھا،لنگڑا یا کانا وغیرہ بنانے میں کیا حکمت تھی تو اَحادیث سے ظاہر ہے کہ یہ بندوں کو آخرت میں بہتر اَجر دینے کے لئے ہے چنانچہ حضرتِ سَیِّدُنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنے ربّ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ پاک فرماتا ہے:اِذَا اَخَذْتُ كَرِیْمَتَیْ عَبْدٍ لَمْ اَرْضَ لَهٗ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ یعنی اگر میں اپنے کسی بندے سے اس کی آنکھیں لے لوں تو میں اس کے لئے جنت سے کم کسی ثواب پر راضی نہ ہوں گا۔[1]

اعتراض

جب مخلوق کا رزق اللہ پاک نے اپنے ذمّۂ کرم پر لیا ہے تو پھر دنیا میں لوگ بھوکے کیوں مر رہے ہیں؟

جواب

بے شک مخلوق کا رزق اللہ پاک نے اپنے ذمّۂ کرم پر لیا ہے اور اس کی واضح دلیل موجود ہے کہ کوئی بھی مخلوق ایسی

[1] ......مسند الشامیین،2/345،حدیث:1467

نہیں جس کو اللہ پاک نے پیدا کیا ہو اور اس کا رزق مقرر نہ کیا ہو۔ انسانوں کے لئے پھل، سبزی، گوشت وغیرہ اور جانوروں کے لئے گوشت، گھاس وغیرہ مقرر کیا اور دیگر مخلوق کے زندہ رہنے کے لئے کوئی نہ کوئی غذا مقرر کی اور اس غذا کو کھانے کے لئے اسباب بھی مقرر کئے۔ کسی انسان یا جانور کا بھوکا مر جانا رزق تک پہنچنے کے اسباب نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ دیکھیں! اگر کسی شخص کے سامنے کھانا موجود ہو لیکن جب تک وہ اپنے ہاتھ سے کھانا اُٹھا کر منہ میں نہیں ڈالے گا تب تک کھانا منہ میں نہیں جائے گا۔ جس طرح ہاتھ کھانے کو منہ میں لے جانے کا سبب ہے اسی طرح دیگر اسباب بھی ہیں۔ پرندے تلاشِ رزق کے لئے آشیانہ سے باہر ضرور جاتے ہیں، ہاں درختوں میں چلنے کی طاقت نہیں تو انہیں وہیں کھڑے کھڑے کھاد اور پانی ملتا ہے، انسان کو یہ کہا گیا کہ وہ اسباب کو ترک نہ کرنے کی کوشش کرے۔ عمومی طور پر اَسباب کے ذریعے ہم اپنے نصیب کا رزق کھالیتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو قسمت کا رزق ایسی جگہ سے آجاتا ہے جہاں سے اُمید بھی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات اسباب بروئے کار لانے کے باوجود رزق نہیں ملتا، اس رزق نہ ملنے کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک نہ دے کر بندے کو آزماتا ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَۙ(۱۵۵) (پ۲، البقرۃ:۱۵۵)

ترجَمۂ کنزالعرفان: اور ہم ضرور تمہیں کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنادو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات انسانوں پر ان کے گناہوں کی سزا کے طور پر قحط مسلط کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے لوگ بھوکے مرتے ہیں چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے:

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىٕنَّةً یَّاْتِیْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ(۱۱۲) (پ۱۴، النحل:۱۱۲)

ترجَمۂ کنزالعرفان: اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جو امن واطمینان والی تھی ہر طرف سے اس کے پاس اس کا رزق کثرت سے آتا تھا تو وہاں کے رہنے والے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگے تو اللہ نے ان کے اعمال کے بدلے میں انہیں بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا۔

بہرحال آج کل جو آئے دن زلزلے اور طوفان آرہے ہیں نیز کئی ممالک میں قحط سالی کے سبب لوگ بھوکے مر رہے ہیں تو یہ انسانوں کے بڑھتے ہوئے گناہوں اور ان دہریئے وملحدین کی نحوست بھری سوچ کا نتیجہ ہے۔ ہاں! یاد رکھیے! اس

www.dawateislami.net

کا یہ مطلب نہیں کہ قحط سالی یا دیگر آفات میں جو لوگ مرتے ہیں وہ سب گناہ گار ہوتے ہیں بلکہ بعضوں کے لئے آفات ان کی بخشش اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اعتراض

اگر خدا ہے تو اس نے اپنے نبیوں کو لوگوں کے ہاتھوں شہید کیوں کروایا؟ نیز نبیوں پر اتنی آزمائشیں کیوں آئیں؟

جواب

دہریوں کا یہ اعتراض تب درست ہوگا جب قرآن وحدیث میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ نبیوں پر کوئی آنچ نہیں آسکتی جبکہ حدیثِ پاک سے ثابت ہے کہ جو جتنا نیک ہوگا اسے اتنی آزمائشیں آئیں گی، تاکہ نبی کی ذات لوگوں کے لئے بہترین نمونہ ہو لہٰذا انبیوں کا شہید ہونا مجاہدین کے لئے نمونہ تھا کہ دینِ حق کے لئے صرف وہی جان نہیں دے رہے بلکہ انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃ والسّلام بھی اس سے سرفراز ہوئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر کسی نبی کو شہادت نہ ملی ہوتی تو یہ ایسی عبادت ہوتی جو کسی نبی سے ادا نہ ہوئی ہوتی۔ یاد رہے! دورانِ جنگ شہید نہ ہونے کے باوجود انبیائے کرام علیہم السّلام کا مرتبہ شہداء سے زیادہ ہے۔

اعتراض

انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃ والسّلام کی موجودہ دور میں زیادہ ضرورت تھی کیونکہ اب آبادی بہت زیادہ ہے اور بے عملیاں بھی عام ہیں لیکن اب نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔

جواب

موجودہ دور میں جدید نبی کی حاجت اس وجہ سے نہیں کہ نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ایک کامل دین مکمل کر چکے ہیں اب قیامت تک کوئی ایسا دور نہیں آسکتا کہ جس میں اس دین پر عمل ممکن نہ ہو یا یہ دین تحریف کا شکار ہو جائے۔ اب اس دین کی فقط تجدید کی حاجت ہے اور اس کے لئے نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی حدیثِ پاک موجود ہے کہ ہر سو سال بعد ایک مجدد آئے گا جو اس دین کی تجدید کرے گا چنانچہ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ پاک کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا یعنی بے شک اللہ پاک اس امّت کے لئے ہر صدی (یعنی سو سال) کے سرے پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو اس دین کی تجدید کرے گا۔"(1)

(1) ابوداؤد، 4/148، حدیث: 4291

مجدد کا کام زبردستی کافروں کو مسلمان اور وقت کے تمام مسلمانوں کو باعمل بنانا نہیں بلکہ دین میں کی گئی گمراہوں کی تحریفات کو ختم کرنا اور صحیح نظریات لوگوں کے سامنے پیش کرکے ان پر حجت قائم کرنا ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ جب مجدد صحیح نظریات پیش کرتا ہے تو ایک بڑی تعداد اس کے بتائے ہوئے راستے پر عمل پیرا ہوتی ہے اور مجدد کے وصال کے بعد بھی اُمّتِ مسلمہ اس کی تعلیمات سے مستفید ہوتی رہتی ہے۔

اعتراض

احادیث میں کئی وظائف بتائے گئے ہیں کہ فلاں کام نہ ہوتا ہو تو فلاں دعا مانگو اور فلاں مرض کے لئے فلاں چیز کھاؤ لیکن کئی مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

جواب

ایسا نہیں ہے کہ احادیث میں بیان کی گئی اکثر دعاؤں کا فائدہ ہی نہیں ہوتا بلکہ کئی مشاہدے ہیں کہ وظائف پڑھنے کے ساتھ شفامل گئی۔ بعض اوقات فائدہ نہ ہونے میں دعا کا نہیں بلکہ ہمارا اپنا قصور ہوتا ہے،اسے یوں سمجھیے کہ ڈاکٹر نے مریض سے کہا:اس دوائی کو دودھ کے ساتھ،فلاں وقت میں،فلاں طریقے سے کھانی ہے۔اب اگر مریض دوائی تو کھائے لیکن ڈاکٹر کی ہدایات کو نظر انداز کردے تو یقیناً دوائی اثر نہیں کرے گی۔یونہی ان دعاؤں اور وظائف کا معاملہ ہے کہ اگر پیٹ میں حرام کا لقمہ ہے یا ان دعاؤں اور وَظائف کے الفاظ کو ان کے مخارج کے ساتھ ادا نہیں کیا یا پھر کوئی ایسا گناہ کیا ہے جس کے سبب دعائیں قبول نہیں ہوتیں تو یہ ہمارا قصور ہے ارشادِ نبوی حق ہی رہے گا۔

اعتراض

اسلام میں مرتد کی سزا قتل رکھنا بدمعاشی ہے۔بہت سے لوگ اسلام سے تنگ آکر اسے چھوڑنا چاہتے ہیں مگر اس سزا کے خوف سے نہیں چھوڑ پاتے۔

جواب

اسلام ایک عالمگیر اور پوری دنیا کو راہ نمائی فراہم کرنے کی صلاحیت رکھنے والا مذہب ہے۔اس کے باوجود اسلام خود کو زبردستی قبول نہیں کرواتا لیکن جس نے اسلام میں داخل ہونا ہے وہ پہلے اپنے ضمیر کو مطمئن کرلے کیونکہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسے چھوڑنا فتنے اور شرارت کو ہوا دیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے ہی کفار کی سازشوں کو روکنے کے لئے یہ حکم نافذ کیا گیا جیسا کہ قرآنِ پاک کی آیتِ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ”اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ مسلمانوں پر جو کچھ نازل ہوا صبح اس پر ایمان لاؤ اور شام کو اس کا انکار کردو شاید یہ اس طرح اپنا دین چھوڑ دیں۔“[1] لہٰذا اِسلام میں مرتد کی سزا اسی سازش کا صحیح حل ہے۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کی سزا بدمعاشی نہیں بلکہ بدمعاشی کا حل ہے نیز اسلام میں ہر مرتد کو فوراً قتل کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ تین دن تک قید میں رکھ کر سوچ وبچار کرنے، دلائل سمجھنے اور سوال وجواب کا موقع دیا جاتا ہے لہٰذا اِسلام کی حکمتِ عملی کا نام بدمعاشی رکھنا بذاتِ خود بدمعاشی ہے۔

اعتراض

قرآن کے مقابلے میں کسی عربی عبارت کو آپ کیسے اور کس اصول پر غیر معیاری عربی یا غیرِ قرآن قرار دیں گے؟

جواب

قرآنِ پاک بہت ساری وجوہ سے آسمانی وغیرِ آسمانی کتب پر اپنی فوقیت ثابت کر چکا ہے۔ عرب کے لوگ فصاحت وبلاغت کے میدان میں قصائد، خطبے، رسائل اور محاورات پر قادر تھے اور آج بھی کتابوں کے مصنفین اپنی کتب کو ابواب وفصول یا موضوعات پر تقسیم کرتے ہیں لیکن قرآنِ پاک کا اُسلوب اُس وقت عرب کے مروّجہ تمام اسالیب سے مختلف تھا اور آج تک مختلف ہے۔ اُمّی ہونے کے باوجود نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا یکایک جدید اور زبردست اُسلوب پیش کرنا حیران کن معجزہ تھا۔ قرآنِ مجید سورتوں پر منقسم ہے اور سورتیں آیتوں پر مبنی ہیں، سورۂ فاتحہ دیباچے کے طور پر سب سے پہلے رکھی گئی ہے جو پورے قرآن کا خلاصہ ہے پھر بڑی اور پھر چھوٹی سورتیں رکھی گئی ہیں۔ مضامین کے اعتبار سے تقسیم نہیں رکھی گئی تاکہ تمام تر قرآنی تعلیمات پر عمل کا راستہ کھلے اور حذف وانتخاب مشکل ہو جائے۔ زمانۂ جاہلیت کی رسوم وعادات کو آہستہ آہستہ ختم کرنے اور اسلامی احکام کو آہستہ آہستہ نافذ کرنے کے لئے بھی ابواب بندی کے بجائے یہی اُسلوب مناسب ترین تھا۔ آنکھیں بند کرکے اپنے ضمیر کے سامنے حاضر ہو کر سوچا جائے تو اس بات کا یقینِ کامل ہو گا کہ قرآن واقعی اللہ پاک کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ قرآنِ پاک کے مقابل کو جن معیارات پر پرکھا جائے گا ان میں سے ایک الفاظ کی روانی، چاشنی

---

1 ...... پ٣، اٰلِ عمران:٧٢

اور معنیٰ خیزی ہے نیز قرآنِ پاک کو اس کے عہد وفا، غیب کی خبریں، تاریخِ اُمم اور اس کے صوتی اثرات کے ذریعے بھی پرکھا جاتا ہے۔ قرآنِ پاک کے مقابلے میں آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ جو تمام علوم کی جامع ہو اور جس میں معنوی وسعت وتنوع پایا جاتا ہو۔

اعتراض

قرآن اگر واقعی فائدہ مند کتاب ہے تو مسلمان اتنے عرصے سے دنیا میں ذلّت ورُسوائی کا شکار کیوں ہیں؟ اگر مسلمانوں کے ذلیل ہونے کا سبب قرآن سے دوری ہے تو قرآن کے منکروں نے قرآن کے بغیر کیسے ترقی کرلی؟

جواب

اولاً تو مسلمان ذلیل نہیں ہو رہے۔ پوری دنیا میں سب سے زیادہ مطمئن، صحت مند اور باضمیر صرف مسلمان ہیں حتّٰی کہ موت پر بھی مطمئن ہوتے ہیں جبکہ سب سے زیادہ پریشان یورپ، امریکہ اور ملحدین ہو رہے ہیں جن کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں، مکمل معلومات نہیں، معاش اور سیکس دو ہی ان کی زندگی کے مشن ہیں۔

دوسری بات یہ کہ مریض اگر دوا نہ کھائے تو ڈاکٹر یا دوا کا قصور نہیں ہوتا بلکہ مریض کا اپنا قصور ہوتا ہے لہٰذا مسلمان اگر کسی اعتبار سے نقصان میں ہوں تو اس میں قرآنِ پاک کا کیا قصور ہے؟

اعتراض

ہم نے نہ محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو دیکھا اور نہ ہی جبریل اور اللہ پاک کو تو پھر قرآنِ پاک کے واقعی خدا کا کلام ہونے کا ہمارے پاس کیا ثبوت ہے؟

جواب

چودہ سو سال سے مسلمانوں کا مسلسل قرآن سے تعلق اور اپنے نبی پر ایمان اس صداقت کا زندہ ثبوت ہے۔ یاد رہے! دین کی بقا کا اصل دار و مدار تواتر و اِجماع پر ہے عقلاً بھی اور نقلاً بھی اور جو اسے اہمیت نہیں دیتا وہ ملحد اور ملحدین کا ایجنٹ ہے خواہ اپنے آپ کو ملحد مانے یا نہ مانے۔

اعتراض

مسلمانوں کے نزدیک عورت ناقص العقل ہے۔

www.dawateislami.net

جواب

ایک صحیح حدیث کو لے کر سیکولر، لبرل اور ملحدین کی طرف سے یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کو ناقص العقل والدین سمجھا جاتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے: حضرتِ سَیِّدُنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عید گاہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ عورتوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا: ”اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو کیونکہ میں نے جہنم میں زیادہ تم ہی کو دیکھا ہے۔“ انہوں نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! ایسا کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ”تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو، باوجودِ عقل اور دین میں ناقص ہونے کے میں نے تم سے زیادہ کسی کو بھی ایک عقلمند اور تجربہ کار آدمی کو دیوانہ بنادینے والا نہیں دیکھا۔“ عورتوں نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! ہمارے دین اور ہماری عقل میں نقصان کیا ہے؟ اِرشاد فرمایا: ”کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے نصف نہیں ہے؟“ انہوں نے کہا: جی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ”یہی اس کی عقل کا نقصان ہے۔“ پھر آپ نے پوچھا: ”کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہو تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے؟“ عورتوں نے کہا: ایسا ہی ہے۔ آپ نے اِرشاد فرمایا: ”یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔“ [1]

بہر حال اس حدیث کو سمجھنے میں بنیادی غلطی یہ کی جاتی ہے کہ اس میں ”ناقص“ سے اُردو والا ”ناقص“ مراد لیا جاتا ہے جس کا مطلب ”نقص اور عیب دار ہونا“ ہے جبکہ یہاں عربی والا ناقص مراد ہے جس کا مطلب ”مقدار میں کم ہونا“ ہے۔ دونوں کے مطالب میں فرق کیفیت اور کمیت (یعنی مقدار) کا ہے۔ یونہی حدیث کے مطابق ناقصات الدین سے مراد یہ ہے کہ عورت کے بعض ایام ایسے آتے ہیں کہ جن میں وہ دین پر عمل نہیں کر سکتی، نماز اور روزے نہیں رکھ سکتی تو اس طرح اس کے دینی عمل میں کمی رہ جاتی ہے۔

یعنی نقص کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں ان کے اختیار کو کوئی دخل ہے بلکہ یہ ایسے ہے جیسے ہم کہیں کہ فلاں کا قد چھوٹا ہے اس لیے اس کا ہاتھ شاخ تک نہیں پہنچ سکتا حالانکہ وہ اپنی جگہ ایک کامل مرد ہے اسی طرح عورت کے ناقص العقل ہونے کی وضاحت میں فرمایا کہ ”خدا نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دیا ہے۔“ اس سے بھی کمیت مراد ہے نہ کہ کیفیت۔

---

(1) بخاری، 1/123، حدیث: 304

سیکولر، لبرل اور ملحدین اس حدیث کو لے کر مذہبی لوگوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ عورت کو ناقص العقل سمجھتے ہیں۔ خود یہ "ایجوکیٹڈ سیکولرز اور لبرلز" عورت کی کتنی قدر کرتے ہیں اور ان کی محافل میں عورت کو کیسے کیسے ناموں سے پکارا اور کیسی کیسی نظروں سے دیکھا بلکہ گھورا جاتا ہے یہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ مذہبی لوگوں کے ہاں عورت کا تقدس ہے، اہمیت ہے اور اس کو اپنی عزت سمجھا جاتا ہے، اس کی نیلامی نہیں کی جاتی، بھرے ہالوں میں نچوا نچوا کے پامال نہیں کیا جاتا اور نوچ نوچ کھانے والی گدھ بن کر شب و روز تاڑا نہیں جاتا۔

اعتراض

ملحدین کہتے ہیں کہ ذرا قرآن کھول کے سورۂ نساء پڑھو صاف لکھا ہے کہ عورت کو وراثت میں سے آدھا (یعنی بھائی کو دو تو بہن کو ایک) حصّہ ملے گا۔

جواب

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے مگر کیوں؟ کیا مرد اور عورت کا حصہ برابر نہیں ہو سکتا تھا؟ اگر آپ اس معاملے کو گہرائی میں جا کر پرکھیں تو محسوس ہو گا کہ عورت کا حصہ آدھا ہونے کے باوجود مرد سے زیادہ ہے اور مرد کا حصہ دُگنا ہونے کے باوجود عورت سے کم ہے۔ سورۂ نساء کی آیت نمبر 33 کو پڑھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ حقوق و فرائض کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے مثلاً اگر دو میں سے ایک شخص کو سو روپے اور دوسرے کو پچاس روپے دیے جائیں تو اس کا واضح مطلب ہے کہ دوسرے کو آدھا دے کر اس کا حق مارا گیا لیکن اگر سو روپے والے شخص کو پابند کر دیا جائے کہ پچاس روپے والے شخص کی پوری زندگی کا خرچہ تم نے اُٹھانا ہے تو اب زیادہ حصہ کسے ملا؟ سوچئے! پچاس روپے والے شخص کے پاس تو پچاس روپے باقی رہیں گے کہ اس کا کوئی خرچہ نہیں ہے اور اس کا اپنا خرچہ بھی دوسرا اُٹھا رہا ہے جبکہ سو روپے والا شخص کچھ ہی عرصے میں سارے پیسے خرچ کر بیٹھے گا مگر فرض ساقط نہیں ہو گا پھر وہ اپنی کمائی بھی اسی پر خرچ کرے گا۔ یہی معاملہ اسلام میں عورت اور مرد کا ہے۔ اللہ پاک نے عورت کو معاش کی فکر سے آزاد رکھا ہے۔ جب ایک عورت پیدا ہوتی ہے تو مکمل طور پر باپ کی ذمہ داری میں ہوتی ہے، باپ اس کے کھانے پینے، کپڑوں اور رہائش کے بندوبست کا پابند ہوتا ہے۔ باپ مر جائے تو وہ شادی ہونے تک بھائی یا کسی اور قریبی محرم کی ذمہ داری میں ہوتی ہے۔ شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کی ذمہ داری میں ہوتی ہے، شوہر مر جائے تو

بیٹوں یا اگلے شوہر کی ذمہ داری میں آجاتی ہے یعنی عورت کے پیدا ہونے سے مرنے تک نہ تو اس پر کمانا فرض ہے اور نہ ہی کسی کی کفالت کرنا۔ اس سے یہ مطالبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ جو رقم اُسے باپ کی جائیداد میں سے ورثے میں مل رہی ہے وہ اُسے گھر کا خرچہ چلانے میں صَرف کر دے۔ ہاں! اگر اپنی مرضی سے کرنا چاہے تو پابندی نہیں، وہ اس کا مال ہے جس طرح چاہے خرچ کرے مگر مرد کا معاملہ اس سے قطعاً مختلف ہے، اس پر معاش کی تنگی ڈالی گئی ہے، اس کے سکون کا زمانہ صرف اس کے بچپن کا زمانہ ہے جیسے ہی بالغ ہو گا اسے اپنے باپ کے ساتھ مل کر معاشی جدوجہد شروع کرنی ہے، اپنے ماں باپ کا سہارا بننا ہے، اپنی بہنوں کی کفالت کرنی ہے اور پھر شادی کے بعد تاحیات اپنی بیوی اور بچوں کا ہر قسم کا خرچہ اُٹھانا ہے۔ وہ ان سب ذمہ داریوں سے نہ تو بھاگ سکتا ہے نہ انکار کر سکتا ہے ورنہ گناہ گار ہو گا اور یقیناً یہ سب ذمہ داریاں وراثت سے حاصل کردہ رقم سے پوری نہیں کی جاسکتیں۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم عورت کے وراثتی حقوق اسلامی معاشرے سے دیکھتے ہیں اور عورت کے فرائض اہلِ مغرب سے اُٹھالاتے ہیں۔ یقیناً مغرب میں عورت مرد کے ساتھ ہر معاملے میں پچاس فیصد کی شریک ہوتی ہے۔ اس کا حق ہے کہ باپ کی جائیداد میں سے اُسے پچاس فیصد حصہ ملے مگر اس کا فرض ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ مل کر گھر کا آدھا بوجھ بھی اُٹھائے۔ اگر گھر کا کرایہ ہزار ڈالر ہے تو اس میں سے پانچ سو ڈالر عورت ادا کرے گی ورنہ وہ شوہر کے ساتھ زیادتی کی مرتکب ہو گی اور شوہر کو یہ حق حاصل ہو گا کہ اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ گھر کے باقی ماندہ اَخراجات جن میں کھانا پینا، کپڑے، بچوں کے ہر قسم کے اخراجات غرض جو بھی گھر کے اخراجات ہوں گے اس میں بیوی اپنا پچاس فیصد حصہ ڈالے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ اتنا پیسہ کہاں سے لائے گی؟ اسے باپ کی جائیداد میں سے کتنا حصہ ملا ہو گا؟ جہاں سے مرضی لائے، جاب کرے، سڑکیں کھودے، لوگوں کا مال ڈھوئے یہ مرد کا مسئلہ نہیں۔ اسلام عورت کو ایسی مشقت بھری زندگی نہیں دیتا۔ اللہ پاک نے عورت کو فطرتاً کمزور بنایا ہے اور مرد کو طاقتور اور اسی فرق کی بنا پر فرائض لاگو کئے اور حقوق بھی دیئے ہیں۔

اعتراض

اگر پتھر کی مُورتی کی پوجا پاٹ کرنا بے وقوفی ہے تو اسی پتھر کے بنے شیطان کو کنکریاں مارنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

جواب

پتھر کی مُورتی کی پوجا کرنے میں دو احتمالات ہیں جس کی وجہ سے یہ غلط ہے:

1۔ کوئی پتھر کو خدا سمجھ کر اس کی پوجا کرتا ہے، اس کی شناعت تو واضح ہے۔

2۔ کوئی خدا کو پوجنے کے لئے پتھر کو بطورِ علامت استعمال کرتا ہے۔ ربُّ العالمین جو کہ پاکیزگی اور تقدس کے کمال پر ہے اس کے لئے انسانوں کے تراشے ہوئے پتھر کو علامت بنانا اس کی توہین ہے۔

اب اسی بات کو مسلمانوں کے نکتۂ نظر سے دیکھیں:

1۔ کوئی مسلمان پتھر کو شیطان سمجھ کر مارتا ہے ایسا ہرگز نہیں اس لئے یہ بات سِرے سے بے معنیٰ ہوئی۔ (1)

2۔ کوئی مسلمان پتھر کو علامتی طور پر استعمال کرکے شیطان سے اپنی نفرت اور لاتعلقی کا اظہار کرتا ہے، اگر اس میں شیطان کی توہین ہے تو پھر ہمیں اس میں کوئی عار نہیں ہے اور اگر اس سے ملحدوں کو شدید قسم کی ذہنی پریشانی کا سامنا ہے تو پھر اس میں خیر ہی خیر ہے۔ خدائے رب العالمین اچھائی اور تقدیس کی علامت ہے اور اس سے ہمارا تعلق ستائش، محبت، عبادت، خشیت اور حد درجہ احترام کا ہے۔ اس لئے رب العالمین کے لئے ایک پتھر کی علامت بنانا جو کہ مخلوق ہو اور ایک مخلوق کی شکل میں تراشی گئی ہو اس میں نہ صرف رب العالمین کی تقصیر و ناقدری ہے بلکہ انسان کے اندر پائے جانے والے جذبۂ عبادت و محبت کی بھی توہین ہے۔

شیطان جو کہ شر، نفس پرستی اور تکبّر کی علامت ہے اگر اس کے لئے پتھر کو علامت قرار دے کر اس کو دُھتکارنے کے لئے سنگ باری کی جائے تو اس میں وہ اعتراض نہیں ہو سکتا جو کہ پتھر کو رب العالمین کی علامت بنانے میں ہو سکتا ہے۔ ملحدوں کے نزدیک اگر عبادت اور دھتکار ایک ہی قسم کا جذبہ ہے تو یہ جذبہ انہیں ہی مبارک ہو، ہم مسلمان محبت، تقدس اور ستائش کے لوازمات کچھ اور رکھتے ہیں اور نفرت کے لوازمات کچھ اور۔

---

(1) ...... مسلمانوں کا منیٰ میں رمی کرنے کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جب حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بیٹے سَیِّدُنا اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے جارہے تھے تو تین مقامات پر شیطان آپ کے سامنے ظاہر ہوا اور آپ نے ان تینوں مقامات پر اس کو سات سات پتھر مارے یہاں تک کے ہر بار وہ زمین میں دھنس گیا۔ (مسند امام احمد، 4 437، حدیث:2707) مسلمان سَیِّدُنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں ان تینوں مقامات پر رمی کرتے (یعنی شیطان کو پتھر مارتے) ہیں۔

قادیانیت

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں مرزا غلام احمد قادیانی نے بالترتیب مجدد، مہدی اور مسیح موعود کا دعویٰ کرتے کرتے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

غلط فہمی کا ازالہ

قادیانیت کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے صدہا دینی و علمی اختلافات اور مکاتبِ فکر میں سے ایک دینی و علمی اختلافِ رائے رکھنے والا ایک خاص مکتبۂ فکر ہے اور اس کے پیروکار اُمتِ اسلامیہ کے مذہبی فرقوں اور جماعتوں میں سے ایک مذہبی فرقہ اور جماعت ہیں اور یہ اسلام کی کلامی و فقہی تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔

لیکن قادیانیت کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کرنے سے یہ غلط فہمی اور خوش گمانی دور ہو جاتی ہے اور ایک منصف مزاج آدمی اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ قادیانیت ایک مستقل مذہب اور قادیانی ایک مستقل اُمت ہیں جو دینِ اسلام اور اُمتِ اسلامیہ کے بالکل متوازی چلتے ہیں جیسا کہ مرزا بشیر الدین محمود کے اس بیان میں کوئی مبالغہ اور غلط بیانی نہیں کہ حضرتِ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا چند اور مسائل میں ہے بلکہ اللہ پاک کی ذات، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض یہ کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک جز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے اور یہ کہ حضرتِ خلیفۂ اول نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور ہے۔"

اسلام کی تاریخ میں اس سے پہلے بھی ایک ایسی تحریک کی نظیر ملتی ہے جس نے اسلام کا نام لیتے ہوئے اور اپنے دائرۂ عمل کو مسلمانوں کے اندر محدود رکھتے ہوئے اسلام کے نظامِ عقائد و افکار اور نظامِ زندگی کے بالکل متوازی ایک نظامِ اعتقاد و فکر اور ایک نظامِ زندگی کی بنیاد ڈالی اور اسلام کے دائرہ میں ریاست اندرونِ ریاست تعمیر کرنے کی کوشش کی۔ یہ تحریکِ باطنیت یا اسماعیلیت ہے جس سے قادیانیت کو حیرت انگیز مماثلت ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی پیدائش

قادیانیت کا بانی مرزا غلام احمد لاہور کے شمال مشرق میں 50 یا 55 میل کی مسافت پر واقع ہندوستان کے ضلع گورداسپور کے ایک چھوٹے سے قصبے قادیان میں 13 فروری 1839ء یا 1840ء میں پیدا ہوا کہ جب سکھ حکومت دم توڑ رہی تھی

اور ہندوستان میں برطانوی اقتدار کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا نسب نامہ

مرزا کا نام غلام احمد، ماں کا نام چراغ بی بی، باپ کا نام غلام مرتضٰی، دادا کا نام عطا محمد اور پردادا کا نام گل محمد تھا۔ مرزا کے شجرۂ نسب سے اس کی اور اس کے آباء واجداد کی نسل کو متعین کرنا مشکل نہیں ناممکن نظر آتا ہے کیونکہ مرزائے قادیان کو خود معلوم نہیں کہ اس کی نسل اور خاندان کیا ہے؟ وہ اس حوالے سے تشکیک وابہام کا شکار نظر آتا ہے جیسا کہ اس کی کتب (البریہ، ایک غلطی کا ازالہ اور تحفۂ گولڑویہ) سے عیاں ہے کہ کسی میں وہ خود کو مغل برلاس و فارسی الاصل بیان کرتا ہے اور کسی میں وہ اسرائیلی اور فاطمی ہونے کا دعویدار ہے تو کسی میں خود کو چینی النسل و بنی فاطمہ کہتا ہے۔ یاد رہے! مرزا قادیانی اپنی خاندانی اصل کے بارے میں مندرجہ بالا متضاد دعووں کے بعد خود ہی لکھتا ہے: میں اپنے خاندان کی نسبت کئی بار لکھ چکا ہوں کہ وہ ایک شاہی خاندان ہے جو بنی فارس اور بنی فاطمہ کے خون سے ایک معجونِ مرکب ہے۔ آخر میں اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ پاک بہتر جانتا ہے کہ مرزا قادیانی کس نسل سے تھا؟

مرزا قادیانی کا بچپن

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جیسے جوانی پاک وصاف اور قابلِ اتباع ہوتی ہے ایسے ہی بچپن بھی عام بچوں سے جُدا، نہایت پُر وقار اور ہر قسم کے لہو ولعب سے پاک ہوتا ہے لیکن قادیان کے اس بناوٹی نبی کے بچپن کے حالات گلی محلے کے عام آوارہ بچوں سے بھی گئے گزرے تھے چنانچہ

مرزا قادیانی کو چڑیوں کے شکار کا شوق تھا، اگر چڑیاں ذبح کرنے کے لیے اُسے چاقو نہ ملتا تو وہ انہیں سرکنڈوں سے ذبح کر لیتا نیز مرزا کو قادیان کے چھپڑ میں تیراکی کا بھی شوق تھا۔ مرزا اکثر طور پر جوتا اُلٹا سیدھا پہنا کرتا تھا، چابیاں ریشمی اِزار بند کے ساتھ باندھا کرتا تھا، اوپر والے کاج میں نیچے والا بٹن اور نیچے والے کاج میں اوپر والا بٹن لگاتا تھا، جرابیں بھی اُلٹی پہنتا یعنی ایڑھی والا حصہ اوپر ہوتا، اس کی پسندیدہ بیٹھنے کی جگہ پاخانہ کے لئے استعمال ہونے والا کمرہ تھا جہاں کنڈی لگا کر دو، تین گھنٹے بیٹھا رہتا تھا اور کبھی کبھار روٹی پر راکھ کو بطورِ سالن رکھ لیتا الغرض مرزا قادیانی کی طبیعت میں بیوقوفی، آوارگی اور فضول خرچی کا شوق غالب تھا۔

نوٹ: مرزا قادیانی کا ابتدائی نام دسوندی تھا لیکن اُسے سندھی کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔

مرزا کا دماغی خلل / چوری

مرزا بشیر احمد اپنے باپ مرزا غلام احمد قادیانی کے دماغی خلل کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو کسی چٹکلے سے کم نہیں چنانچہ کہتا ہے کہ ”مجھ سے والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مرزا قادیانی نے ایک واقعہ سنایا کہ جب میں بچہ تھا تو ایک دفعہ بعض بچوں نے مجھے کہا کہ گھر سے میٹھالاؤ، میں گھر آیا اور بغیر کسی سے پوچھے ایک جگہ سے سفید بُورا اپنی جیبوں میں بھر کر باہر نکل گیا اور ایک مٹھی بھر کر منہ میں ڈال لی۔ بس پھر کیا تھا؟ میرا دم رُک گیا اور بڑی تکلیف ہوئی کیونکہ معلوم ہوا کہ جسے میں نے سفید بُورا سمجھ کر جیبوں میں بھرا تھا وہ بُورا نہ تھا بلکہ پسا ہوا نمک تھا۔“ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مرزا قادیانی کو چوری کی عادت بچپن سے ہی تھی جو بڑھتے بڑھتے ختمِ نبوت کی عمارت میں نقب زنی پر منتج ہوئی۔

ابتدائی تعلیم

مرزا قادیانی نے قادیان ہی میں رہ کر متعدد اساتذہ سے تعلیم حاصل کی جس کی تفصیل خود اس کی زبانی حسبِ ذیل ہے:

”بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا جنہوں نے مجھے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر تقریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدائے پاک کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی اس لئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ ”فضل“ ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور میں نے ان سے صَرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعدِ نحو پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا، ان کا نام گل علی شاہ تھا ان کو بھی میرے والد نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا اور ان سے میں نے نحو، منطق اور حکمت وغیرہ عُلُومِ مروّجہ کو جہاں تک خدا نے چاہا حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور وہ فنِ طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے۔“

دورانِ ملازمت مرزا قادیانی نے دو انگریزی کتابیں بھی پڑھیں۔ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے: ”مولوی الٰہی بخش کی سعی سے جو محرر مدرس قائم کرتے تھے، کچہری کے ملازم منشیوں کے لئے ایک مدرسہ قائم ہوا کہ رات کو کچہری کے ملازم منشی

انگریزی پڑھا کرتے۔ڈاکٹر امیر شاہ صاحب جو اس وقت سرجن پنشنر ہیں، استاد مقرر ہوئے۔مرزا قادیانی نے بھی انگریزی شروع کی اور ایک دو کتابیں انگریزی پڑھیں۔

نوٹ: یہ ایک مسلمہ حقیقت اور طے شدہ امر ہے کہ نبی کا اس دنیا میں کوئی استاد نہیں ہوتا بلکہ وہ براہِ راست اللہ رَبُّ العزت سے فیض حاصل کرتا ہے۔ نبی کی تعلیم و تربیت کا انتظام و انصرام اللہ پاک خود فرماتا ہے۔ انبیا کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ کسی نبی نے دنیوی مکتب میں استاد کے آگے زانوئے تلمُّذ طے نہیں کئے اور نبوت کی یہ ایک ایسی تسلیم شدہ علامت ہے کہ مرزا قادیانی کو یہ مضحکہ خیز اعلان کرنا پڑا کہ "اس کا کوئی استاد نہیں" یہ الگ بات ہے کہ وہ اسے ثابت نہیں کرسکا بلکہ اس بات میں اپنے جھوٹے ہونے کی ایک اور شہادت رقم کرگیا۔

شباب

مرزا قادیانی کی جوانی کا اوائل دور بھی کسی عام نوجوان سے کم نہیں۔ اس نے عمر کے اس سنہری دور میں خوب مزے کئے۔درج ذیل واقعہ میں جس کی راوی یہ مرزا قادیانی کی اپنی اہلیہ اور ناقل بیٹے ہیں اس بات کا واضح ثبوت ہے چنانچہ

مرزا قادیانی کا بیٹا نقل کرتا ہے: مجھ سے والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ اپنی جوانی کے زمانے میں حضرت مسیح موعود تمہارے دادا کی پنشن مبلغ 700روپے وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین بھی چلا گیا۔ جب آپ نے پنشن وصول کرلی تو آپ کو بہلا پھسلا کر اور دھوکا دے کر بجائے قادیان لانے کے باہر لے گیا اور اِدھر اُدھر پھراتا رہا۔ پھر جب اس نے سارا روپیہ اُڑا کر ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ چلا گیا۔ حضرت مسیح موعود اس شرم سے گھر واپس نہیں آئے۔

شادی

مرزا قادیانی کی پہلی شادی حرمت بی بی سے ہوئی جس کو لوگ "پھجے دی ماں" کہا کرتے تھے اس سے دو لڑکے مرزا سلطان اور مرزا افضل پیدا ہوئے۔اس کے بعد کافی عرصہ تک مرزا نے پہلی بیوی سے مباشرت ترک کئے رکھی اور پھر پچاس سال کی عمر میں دوسری شادی کرلی۔ مرزا قادیانی کی دوسری بیوی کا نام "نصرت جہاں بیگم" تھا جو ایک ماڈرن خاتون تھی اور وہ مرزا قادیانی کے مریدوں کے ساتھ قادیان سے لاہور سینکڑوں میل کی مسافت طے کرکے کئی دن خریداری کے لئے لاہور میں گزارا کرتی تھی۔ اگرچہ مرزا قادیانی دائمی مریض تھا اور نامردی کا اقرار بھی کرتا تھا تاہم اولاد کثرت

سے ہوئی جس کی تعداد دس تھی: (1) مرزا بشیر الدین محمود احمد (2) مرزا بشیر احمد (3) مرزا شریف احمد (4) نواب مبارکہ بیگم (5) امتہ الحفیظ بیگم (6) عصمت (7) بشیر اول (8) شوکت (9) مرزا مبارک احمد (10) امتہ النصیر [1]

محمدی بیگم سے نکاح کی خواہش

مرزا قادیانی کی زندگی کا سب سے دلچسپ واقعہ محمدی بیگم سے نکاح کے متعلق ہے جس پر وہ دل ہار بیٹھا تھا اور اسے حاصل کرنے کے لئے عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال کئے، جن میں سب سے زیادہ دلچسپ یہ اعلان تھا کہ ”خدا نے آسمان پر محمدی بیگم سے میرا نکاح کر دیا ہے اور وہ ضرور میری ہوگی۔“ مرزا قادیانی نے اخباروں، اشتہاروں اور اپنے بیاناتِ دھواں داروں میں اس اعلان کو اپنے کذب و صداقت کا معیار قرار دیا تھا لیکن یہ پورا نہ ہو سکا اور 8 اپریل 1892ء کو محمدی بیگم کا عقد مرزا سلطان محمد سے ہو گیا اور حق و باطل کا فیصلہ تمام ہندوؤں و مسلمانوں نے سن لیا مگر مرزا قادیانی نے ایک اور دھمکی دی کہ مرزا سلطان محمد جس نے محمدی بیگم سے عقد کیا ہے اڑھائی سال کے اندر اندر مر جائے گا مگر اس سلسلہ میں بھی کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ [2]

ملازمت

مرزا قادیانی نے نہ صرف دنیاوی تعلیم حاصل کی بلکہ اس سے فائدہ بھی اُٹھایا چنانچہ 1864ء سے 1868ء تک چار سال ڈپٹی کمشنر آفس سیالکوٹ میں ملازمت کرتا رہا۔ مرزا محمود احمد اپنے باپ کے بارے میں کہتا ہے: ”اور ایسا ہوا کہ ان دنوں میں آپ (یعنی مرزا قادیانی) گھر والوں کے طعنوں کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے قادیان سے باہر سیالکوٹ جا کر رہائش پذیر ہوئے اور اس دوران گزارے کے لئے ضلع کچہری میں ملازمت اختیار کی۔“ [3]

ملازمت کے دوران مرزا صاحب ترقی کے لئے کوشاں رہے مگر ترقی کے ضروری امتحان میں فیل ہو گئے چنانچہ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے: ”چونکہ مرزا صاحب ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے اس واسطے آپ نے مختاری کے امتحان کی تیاری کے لئے قانونی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا لیکن اس امتحان میں کامیاب نہ ہوئے۔“ [4]

---

1 ...... روحانی خزائن، 14/197 تا 203۔ کشف الغطاء، ص 16 تا 20۔ سیرت المھدی، 1 104

2 ...... آئینۂ کمالات اسلام، ص 280

3 ...... سیرت المہدی، 1 443

4 ...... سیرت المہدی، 1 142

مرزا قادیانی کا مجددیت سے نبوت و افضلیت تک کا سفر

مجدد ہونے کا دعویٰ

مرزا قادیانی اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے کہتا ہے: جب تیرھویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدد ہے۔(1)

محدث ہونے کا دعویٰ

میں نبی نہیں ہوں بلکہ اللہ کی طرف سے محدث اور اللہ کا کلیم ہوں تاکہ دینِ مصطفیٰ کی تجدید کروں۔(2)

مثلِ مسیح ہونے کا دعویٰ (1891ء)

اللہ پاک کی وحی اور الہام سے میں نے مثلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ میرے بارے میں پہلے سے قرآن شریف اور احادیثِ نبویہ میں خبر دی گئی ہے اور وعدہ کیا گیا ہے۔(3)

مہدی ہونے کا دعویٰ (1898ء)

بَشَّرَنِیْ وَ قَالَ اِنَّ الْمَسِیْحَ الْمَوْعُوْدَ الَّذِیْ یَرْقُبُوْنَهٗ وَالْمَهْدِیَ الْمَسْعُوْدَ الَّذِیْ یَنْتَظِرُوْنَهٗ هُوَ اَنْتَ یعنی خدا نے مجھے بشارت دی اور کہا کہ وہ مسیح موعود اور مہدی مسعود جس کا لوگ انتظار کرتے ہیں تُو ہے۔(4)

عینِ مسیح ہونے کا دعویٰ

الہام ہوا: جَعَلْنَاكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ یعنی ہم نے تجھ کو مسیح ابنِ مریم بنایا ان کو کہہ دے کہ میں عیسیٰ کے قدم پر آیا ہوں۔(5)

مسیح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر فضیلت

”ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے۔“(6)

1 ...... کتاب البریہ، ص168، بحوالہ روحانی خزائن، 13 201

2 ...... تریاق القلوب، ص3، بحوالہ روحانی خزائن، 15/134

3 ...... مجموعہ اشتہارات، 1 207

4 ...... اتمام الحجۃ، ص3، بحوالہ روحانی خزائن، 8/275

5 ...... ازالہ اوہام، حصہ دوم، ص634، بحوالہ روحانی خزائن، 3 442

6 ...... دافع البلاء، ص20، بحوالہ روحانی خزائن، 18/240

صریح دعویٰ نبوت

مرزا صاحب خود تحریر کرتے ہیں: ”میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔“[1]

ظلی نبوت کا دعویٰ

ظل کا معنیٰ ”سایہ“ ہے۔ نبوت کی اس قسم سے مرزا قادیانی کی مراد یہ تھی کہ کوئی حقیقی نبی تو نہیں آسکتا مگر فیضانِ نبوت سے فریضۂ نبوت پر فائز ہو سکتا ہے۔ مرزا قادیانی کتنا شاطر شخص تھا کہ سادہ لوح مسلمانوں کو خوش کرنے اور اپنے مکر وفریب میں گرفتار کرنے کے لئے کہتا تھا: (مَعاذَ اللہ) باقی نبی تو صرف نبی ہیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نبی گر ہیں۔ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سیّد و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، آپ کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے لیکن خدا نے ابتدا سے ارادہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے کمالاتِ معتدیہ کے اظہار و اثبات کے لئے کسی شخص کو آپ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبۂ کثرتِ مکالمات اور مخاطباتِ الٰہیہ بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے۔ سو اس طرح سے خدا نے میرا نام نبی رکھا یعنی نبوتِ محمدیہ میرے آئینۂ نفس میں منعکس ہو گئی اور ظلی طور پر نہ کہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا۔ تاکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے فیوض کا کامل نمونہ ٹھہروں۔[2]

بروزی نبوت کا دعویٰ

بروز کا معنیٰ ”اخفاء سے ظاہر ہونا“ یا ”اخفاء سے ظہور میں آنا“ ہے۔ مرزا قادیانی کے نزدیک اس کا مطلب یہ تھا کہ مَعاذَ اللہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی نبوت کئی صدیاں گزر جانے کے بعد پردۂ اخفاء میں چلی گئی اسی وجہ سے نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کا ظہور اپنے فیوض و اثرات سے عام نہ رہا۔ سو اللہ پاک نے چاہا کہ نبوتِ محمدی کو دوبارہ ظاہر کیا جائے تو اس وجہ سے مرزا قادیانی کا آنا گویا نبوتِ محمدی کا ظہورِ ثانی ہے جیسا کہ اس کی تحریرات سے عیاں ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”مجھے بروزی صورت میں نبی اور رسول بنایا گیا ہے اور اسی بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اور رسول رکھا مگر بروزی صورت

1 ...... ایک غلطی کا ازالہ، ص4، بحوالہ روحانی خزائن، 18/211

2 ...... ایک غلطی کا ازالہ، ص5، بحوالہ روحانی خزائن، 18/212

میں میرا نفس درمیان میں نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہے اس لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہے۔پس نبوت اور رسالت کسی کے پاس نہیں گئی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی چیز محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پاس ہی رہی۔ (1)

حقیقی و تشریعی نبوت کا دعویٰ

مرزا قادیانی اپنی شاطرانہ چال چلتے ہوئے نعوذ باللہ اپنے دعویٰ نبوت کے ارتقائی سفر میں یہاں تک بڑھا کہ صاحبِ شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کرنے کی غرض سے صاحبِ شریعت نبی کی تعریف میں چند تبدیلیاں کر دیں جیسا کہ درج ذیل عبارات سے واضح ہے:

”یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے؟ جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی اُمّت کے لئے ایک اور قانون مقرر کیا وہی صاحبِ شریعت ہوگیا اور میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی مثلاً یہ الہام ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ﴾ (2) یہ ”براہینِ احمدیہ“ میں درج ہے، اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی، اس پر 23 برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسے ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی، اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے، اللہ پاک فرماتا ہے:﴿اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ۝﴾ (پ۳۰، الاعلیٰ:۱۸-۱۹) ترجمۂ کنز العرفان: ”بیشک یہ بات ضرور اگلے صحیفوں میں ہے، ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔“یعنی قرآنی تعلیم تورات میں بھی موجود ہے۔ (3)

عینِ محمد ہونے کا دعویٰ

اس بات میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قادیان میں اللہ پاک نے پھر محمد کو اُتارا تا کہ وہ اپنے وعدے کو پورا کرے۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ پاک کا وعدہ تھا کہ وہ ایک مرتبہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت ”وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ“ سے ظاہر ہے کہ پس مسیحِ موعود خود محمد رسولُ اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ہیں جو اشاعتِ اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ (4)

---

1 ...... ایک غلطی کا ازالہ، ص6، بحوالہ روحانی خزائن، 18/216

2 ...... ترجمۂ کنز العرفان: مسلمان مردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے۔ (پ۱۸، النور:۳۰)

3 ...... اربعین نمبر4، ص6، بحوالہ روحانی خزائن، 17 435

4 ...... کلمۃ الفصل، ص105-158

حضور نبیِّ اکرم پر فضیلت کا دعویٰ

مرزا صاحب کے بارے میں قادیانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے حتّٰی کہ محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے بھی بڑھ سکتا ہے۔ (1)

اپنی نسبت آخری نبی ہونے کا دعویٰ

آخر میں مرزا قادیانی نے نبوت میں اپنی خاتمیت کا اعلان کر دیا جیسا کہ اس کی کتاب روحانی خزائن میں ہے: ہلاک ہو گئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا اور مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں، بد قسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔ (2)

موت

مرزا قادیانی اپنی تمام تر خباثتوں اور باطل دعووں سمیت ہیضہ کے مرض (جسے مرزا قادیانی قہرِ الٰہی کا نشان اور ہیضہ سے مرنے والے کو لعنتی قرار دیتا تھا) میں مبتلا ہو کر 26 مئی 1908ء کو اپنے ایک مرید کے گھر برانڈرتھ روڈ لاہور میں مرا۔ مرزا قادیانی کی زندگی کا آخری فقرہ یہ تھا: "میر صاحب! مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔" (3)

بوقتِ موت مرزا کے اوپر اور نیچے سے غلاظت بہہ رہی تھی، اپنی ہی غلاظت کے اوپر گر کر مر جانے سے زیادہ عبرتناک موت اور کیا ہو سکتی ہے؟ لاش مال گاڑی (جسے مرزا دجال کا گدھا کہا کرتا تھا) پر لاد کر قادیان پہنچائی گئی۔ 27 مئی کو اس کے خلیفہ حکیم نور الدین نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قادیان ہی میں واقع قبرستان "بہشتی مقبرہ" میں واصلِ جہنم ہوا۔ (4)

مرزا قادیانی اور قادیانیوں کے کفریہ عقائد

عقیدہ: مرزا لکھتا ہے: میں نے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا پھر میں نے آسمانِ دنیا کو پیدا کیا۔ (5)

---

1 ...... روحانی خزائن، 16-19-20/272-153-183

2 ...... کشتیٔ نوح، ص56، بحوالہ روحانی خزائن، 19/61

3 ...... حیاتِ ناصر، ص14

4 ...... سیرت المہدی، 1/11

5 ...... کتاب البریہ، ص78-80، بحوالہ روحانی خزائن، 13/103، 105 ملخصاً

www.dawateislami.net

عقیدہ: خدا نے مجھ سے کہا: (اے مرزا!) ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں گویا آسمان سے خدا اُترے گا۔ [(1)]

عقیدہ: قرآن مجید خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ [(2)]

عقیدہ: مجھ سے خدا نے کہا: (اے مرزا!) اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ [(3)]

عقیدہ: مجھے اللہ نے وحی کی کہ (اے مرزا!) ہم نے تجھ کو تمام دنیا پر رحمت کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ [(4)]

عقیدہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پر ابنِ مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی اور نہ دجال کے ستر باع کے گدھے کی اصل کیفیت کھلی ہو اور نہ یاجوج وماجوج کی عمیق تہ تک وحیِ الٰہی نے اطلاع دی ہو اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کماھی ظاہر فرمائی گئی۔ [(5)]

عقیدہ: خدا نے مجھ سے کہا کہ آسمان سے (نبوت کے) کئی تخت اُترے پَر تیرا تخت سب سے اُوپر بچھایا گیا۔ [(6)]

عقیدہ: حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پرندوں کے زندہ ہو جانے کا معجزہ بھی درست نہیں بلکہ وہ بھی مسمریزم کا عمل تھا۔ [(7)]

عقیدہ: مرزا لکھتا ہے کہ ابنِ مریم کا ذکر چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ [(8)]

عقیدہ: جو شخص مجھ پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں کافر ہے۔ [(9)]

عقیدہ: جو ہماری فتح کا قائل نہ ہوگا، سوسمجھا جائے گا اس کو ولد الحرام (یعنی زنا کی اولاد) بننے کا شوق ہے اور وہ حلال زادہ نہیں۔ [(10)]

---

1 ...... حقیقۃ الوحی، ص95، بحوالہ روحانی خزائن، 22/98

2 ...... حقیقۃ الوحی، ص84، بحوالہ روحانی خزائن، 22 87

3 ...... حقیقۃ الوحی، ص99، بحوالہ روحانی خزائن، 22 102

4 ...... حقیقۃ الوحی، ص82، بحوالہ روحانی خزائن، 22 85

5 ...... ازالۂ اوہام، حصہ دوم، ص691، بحوالہ روحانی خزائن، 3/473

6 ...... حقیقۃ الوحی، ص89، بحوالہ روحانی خزائن، 22 92

7 ...... ازالۂ اوہام، ص753، بحوالہ روحانی خزائن، 3/506 ملخصاً

8 ...... دافع البلاء، ص20، بحوالہ روحانی خزائن، 18/240

9 ...... حقیقۃ الوحی، ص163، بحوالہ روحانی خزائن، 22/167

10 ...... انوار الاسلام، ص30، بحوالہ روحانی خزائن، 9 31

www.dawateislami.net

فرقے

قادیانیوں کے کل آٹھ فرقے ہیں جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں:

(1) قادیانی فرقہ: قادیانیوں کا وہ فرقہ جس کا خلیفہ و پیشوا اس وقت مرزا مسرور احمد ہے جو کہ مرزائی چینل ایم، ٹی، اے (M.T.A) پر تمام مرزائیوں سے خطاب کرتا ہے۔ یاد رہے! باقی فرقوں کی بہ نسبت یہ مشہور اور بڑا فرقہ ہے اور اس سے تعلق رکھنے والے افراد ہی دنیا میں قادیانیت کی پہچان سمجھے جاتے ہیں۔

(2) لاہوری گروپ: غلام احمد اور اس کے جانشین نور الدین کے زمانے میں قادیانی مذہب میں صرف ایک فرقہ تھا لیکن نور الدین کی آخری زندگی میں قادیانیوں میں کچھ اختلافات پیدا ہوئے اور پھر نور الدین کے مرنے کے بعد یہ لوگ دو جماعتوں میں منقسم ہوگئے: (1) قادیانی جماعت جس کا صدر محمود غلام احمد ہے (2) لاہوری جماعت جس کا صدر اور لیڈر محمد علی ہے جس نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔

قادیانی جماعت کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ غلام احمد نبی اور رسول تھا جبکہ لاہوری جماعت بظاہر غلام احمد کی نبوت کا اقرار نہیں کرتی لیکن اسے مجدد مانتی ہے۔ لاہوری جماعت کے اپنے مخصوص عقائد ہیں جن کی وہ اپنی کتابوں کے ذریعے تبلیغ کرتی ہے۔ لاہوری گروپ سے تعلق رکھنے والے اس پر ایمان نہیں رکھتے کہ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ محمد علی جو اس جماعت کا لیڈر رہا ہے اس کے مطابق عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یوسف نجار کے بیٹے تھے۔ محمد علی نے اپنے عقیدہ کی موافقت میں آیات میں تحریف بھی کی ہے۔[1]

(3) عبد الغفار جنبہ: یہ "جماعتِ احمدیہ اصلاح پسند" کے نام کا فرقہ چلا رہا ہے۔

(4) ظفر اللہ دیمن قادیانی: یہ شخص بھی مرزائیوں میں سے ایک ہے اور اس نے اپنا ایک نیا فرقہ بنایا ہے جس کے فرقے کا نام "جماعتِ احمدیہ المعصومین" ہے۔

(5) مرزا رفیع احمد قادیانی: یہ مرزائیت کے نئے فرقے "سرسبزِ احمدیت" کا بانی ہے اور یہ دیگر فرقوں کو گالیاں دیتا ہے۔

(6) منیر احمد عظیم: یہ شخص قادیانیت کا نیا فرقہ بنا کر لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور اس کے فرقے کا نام "جماعتِ صحیح الاسلام" ہے۔

---

1 ...... تحریک احمدیت، حصہ اول، ص 32

(7) ناصر احمد سلطانی قادیانی: یہ ”جماعتِ احمدیہ حقیقی“ نامی قادیانی فرقے کا بانی ہے جو سرِ عام موجودہ قادیانی خلیفہ مرزا مسرور کو گالی دیتا ہے۔

(8) طاہر نسیم: مرزائیوں کے ایک نئے فرقے کا بانی طاہر نسیم ہے جو خود کو مثیلِ مسیح کہتا اور اپنے نبی ورسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ مرزا قادیانی کو نبی بھی مانتا ہے اور اس کو جھوٹا بھی کہتا ہے۔

مذہبی کتابیں

قادیانی اگرچہ خاتم النبیین کے معنیٰ میں تحریف کرتے ہیں اور اپنے عقیدے کے خلاف جو آیت وحدیث ملے اس کی باطل تاویل کر دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود قادیانی اپنے مذہب کی بنیادی کتب قرآن وحدیث ہی قرار دیتے ہیں۔ مرزا غلام احمد کو نبی ثابت کرنے کے لئے قادیانیوں کے پاس قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ مرزا غلام احمد اور دیگر قادیانیوں کی کتب کو ہی دلیل بنا کر اپنے عقائد و نظریات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مرزا قادیانی کے فرشتے

ابو البشر سَیِّدُنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سَیِّدُ البشر نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم تک سبھی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی لانے کا فریضہ انجام دینے والے ”فرشتے“ ہیں اسی لئے نبوت کے جتنے جھوٹے دعویدار ہوئے ہیں ان سب نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے کہ ہماری طرف فرشتے وحی لاتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی یہی دعویٰ کیا کہ مجھ پر فرشتوں کے ذریعے وحی آتی ہے لیکن متنبیِٔ قادیان پر وحی لانے والے فرشتے سب سے جدا ہیں۔ مرزا قادیانی پر وحی لانے والے فرشتوں میں سے چند کی فہرست مندرجہ ذیل ہے پڑھئے اور سر دھنئے:

ٹیچی ٹیچی فرشتہ

”5 مارچ 1905ء کو خواب میں ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنا نام ٹیچی ٹیچی بتایا۔“(1)

درشنی فرشتہ

”ایک فرشتہ میں نے بیس برس کے نوجوان کی شکل میں دیکھا جس کی صورت انگریزوں کی مثل تھی اور وہ میز کرسی لگائے ہوئے بیٹھا تھا، میں نے اس سے کہا: آپ بہت ہی خوب صورت ہیں، اس نے کہا: ہاں میں درشنی ہوں۔“(2)

1 ..... حقیقۃ الوحی، ص 333، بحوالہ روحانی خزائن، 22/ 346 ملخصا

2 ..... ازالۂ اوہام، ص 214، بحوالہ روحانی خزائن، 3/ 206 ملخصا

مٹھن لال فرشتہ

”ایک شخص خواب میں مٹھن لال نامی دیکھا گیا ہے مٹھن لال سے مراد ایک فرشتہ ہے۔“ (1)

شیر علی فرشتہ

”میں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ ایک شخص جو مجھے فرشتہ معلوم ہوتا ہے مگر خواب میں محسوس ہوا کہ اس کا نام شیر علی ہے۔“ (2)

حفیظ فرشتہ

”ایک فرشتہ مجھے خواب میں ملا جو چھوٹے لڑکے کی شکل میں تھا، میں نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: میرا نام حفیظ ہے۔“ (3)

کسی نے صحیح کہا ہے: جیسی روح ویسے فرشتے یعنی جیسا نبی ویسے فرشتے۔

مرزا قادیانی کے کشوف والہامات

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کلام فصاحت وبلاغت کا مرقع ہوتا ہے جس سے حکمت ودانائی اور معرفتِ الٰہی کے چشمے پھوٹتے ہیں نیز حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جس قوم میں تشریف لاتے ہیں اُن پر اسی قوم کی زبان میں وحی نازل ہوتی ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے: ﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ﴾ (پ۱۳، ابراھیم:۴) ”ترجمۂ کنز العرفان: اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان کے ساتھ ہی بھیجا تا کہ وہ انہیں واضح کرکے بتادے۔“ مرزا قادیانی بھی یہی بات لکھتا ہے کہ ”یہ بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اور الہام کسی اور زبان میں ہو۔“ (4) لیکن اس کے برعکس مرزا قادیانی کو کئی زبانوں میں وحی ہوتی تھی اور پھر اس انگلستانی نبی کے الہامات وکشوف ایسے ہیں جنہیں پڑھ کر کبھی متلی آنے لگتی ہے اور کبھی اس کی فاتر العقلی وبے ہودگی پر ہنسی کیونکہ وہ اس قدر مہمل، بے ربط اور بے سروپا ہیں کہ ان سے موصوف کے مافی الضمیر کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا بلکہ اس طرح کے

1 ...... تذکرہ، ص474

2 ...... تذکرہ، ص24

3 ...... تذکرہ، ص643

4 ...... چشمۂ معرفت، ص210، بحوالہ روحانی خزائن، 23/218

بے ربط جملے کسی عام پڑھے لکھے انسان کے شایانِ شان نہیں چہ جائیکہ ان بے معنٰی باتوں کو قدرت کا الہام کہا جائے اور ایسے کہنے والے کم عقل شخص کو نبی مان لیا جائے۔ بہر حال یوں تو مرزا قادیانی کے الہامات کو بیان کرنے کے لئے کئی دفتر درکار ہیں بطورِ نمونہ چند مختلف زبانوں کے الہامات پیشِ خدمت ہیں:

انگریزی الہام

ایک دفعہ کی حالت یاد آئی ہے کہ انگریزی میں اول یہ الہام ہوا: "I love you" یعنی میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔" پھر یہ الہام ہوا: "I am with you" یعنی میں تمہارے ساتھ ہوں۔" پھر الہام ہوا: "I shall help you" یعنی میں تمہاری مدد کروں گا۔" پھر الہام ہوا: "I can do what i will" یعنی میں کر سکتا ہوں جو چاہوں گا۔" پھر اس کے بعد بہت ہی زور سے جس سے بدن کانپ گیا یہ الہام ہوا: "We can do what we will" یعنی ہم کر سکتے ہیں جو چاہیں گے" اور اس وقت ایک ایسا لہجہ اور تلفظ معلوم ہوا کہ گویا ایک انگریز ہے جو سر پہ کھڑا بول رہا ہے۔[1]

عربی، انگلش، اُردو مکسچر الہام

"اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، يُلْقِي الرُّوْحَ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ، كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم، فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔ خدا کی Feeling اور خدا کی مہر نے کتنا بڑا کام کیا۔ اِنِّيْ مَعَكَ وَمَعَ اَهْلِكَ وَمَعَ كُلِّ مَنْ اَحَبَّكَ۔" کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ایمان کی جان وحی ڈالتا ہے۔ سب برکتیں محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دم سے ہیں۔ بڑی برکت والا ہے وہ جس نے سکھایا اور سیکھا۔ بے شک میں تیرے اور تیرے اہل و عیال بلکہ ہر اس شخص کے ساتھ ہوں جو تجھ سے محبت رکھتا ہے۔[2]

عربی الہام

شَانُكَ عَجِيْبٌ وَاَجْرُكَ قَرِيْبٌ یعنی تیری شان عجیب ہے اور تیرا اجر قریب ہے۔[3] اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِيْ یعنی تو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے۔[4]

---

1. ......براہین احمدیہ، ص 471، بحوالہ روحانی خزائن، 21/ 571
2. ......حقیقۃ الوحی، ص 96، بحوالہ روحانی خزائن، 22/ 99
3. ......حقیقۃ الوحی، ص 75، بحوالہ روحانی خزائن، 22/ 78
4. ......حقیقۃ الوحی، ص 86، بحوالہ روحانی خزائن، 22/ 89

عبرانی الہام

ایلی لما سبقتنی ایلی اوس۔[1]

پنجابی الہام

پٹی پُٹی گئی واللہ واللہ! سیدھا ہو یا اولّا۔

فارسی الہام

سلامت بر تو اے مرد سلامت۔[2]

ہندی الہام

کرشن جی رودر گوپال۔[3]

نوٹ: اس کے علاوہ مرزا قادیانی کو بے معنیٰ الہامات بھی ہوئے جن کی سمجھ نہ مرزا قادیانی کو ہو سکی اور نہ آج تک اس کے خلفا وعقیدت مندوں کو۔ لہٰذا بسببِ طوالت ان بے معنی اور عجیب وغریب الہامات کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں۔

اسلام اور قادیانیت کا تقابلی جائزہ

عقیدۂ ختمِ نبوت

مرزا قادیانی اور مرزائیوں کا ایمان ہے کہ مرزا قادیانی من جانبِ اللہ منصبِ نبوت پر فائز تھا اور اُس پر وحیِ نبوت نازل ہوتی تھی، جو شخص یہ عقیدہ نہ رکھے وہ جہنمی اور کافر ہے اور ختمِ نبوت کا عقیدہ لعنتی اور مردود ہے چنانچہ ان کی کتابوں میں ہے: ”وہ دین، دین نہیں اور نہ وہ نبی، نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالماتِ الٰہیہ سے مشرف ہو سکے، وہ دین لعنتی اور قابلِ نفرت ہے، سوا ایک اُمتی کو اس طرح کا نبی بنانا سچے دین کی ایک لازمی نشانی ہے۔“[4] مرزا قادیانی خاتم النبیین کی من گھڑت اور بالکل غلط تاویل کرتے ہوئے لکھتا ہے: خاتم النبیین کے معنیٰ بھی یہی ہیں کہ کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی غلامی نہ اختیار کرے ورنہ نبوت

---

1 ...... تذکرہ، ص 71

2 ...... تذکرہ، ص 247

3 ...... ملفوظات احمدیہ، 4/142

4 ...... براہین احمدیہ، 5/139، بحوالہ روحانی خزائن، 21/306 ملخصاً

کا دروازہ بند نہیں اور جبکہ بابِ نبوت کھلا ہوا ہے تو مسیحِ موعود (مرزا قادیانی) بھی ضرور نبی ہے۔ (1)

اس کے بر عکس مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعد مطلقاً مدعیٔ منصبِ نبوت یا مدعیٔ وحیٔ نبوت دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر و مرتد ہے کیونکہ یہ کھلم کھلا نصِ قرآنی اور اَحادیثِ متواترہ کی نہ صرف مخالفت بلکہ انکار ہے جیسا کہ اللہ پاک اِرشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَؕ-وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۠ (پ۲۲، الاحزاب:۴۰)

ترجَمۂ کنز العرفان: محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخر میں تشریف لانے والے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

یاد رہے! حضرتِ سَیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و دیگر مفسرین اور لسانیات کو جاننے والے علمائے کرام نے واضح طور پر فرمایا ہے: ”خاتم النبیین“ کا معنٰی یہی ہے کہ آپ کے بعد کسی قسم کا اور کسی درجے کا کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔

عقیدۂ افضلیت

مرزائیوں کے عقیدے کے مطابق مرزا قادیانی حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے برابر ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے تمام کمالات مع نبوت مرزا قادیانی کو حاصل ہیں بلکہ مرزا قادیانی حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے بڑھ کر شان رکھتا ہے (معاذَ اللہ) جیسا کہ مرزا قادیانی خود اپنی تحریرات میں لکھتا ہے: مسیحِ موعود (یعنی مرزا قادیانی) کہتا ہے کہ کمالاتِ متفرقہ جو دیگر تمام انبیا میں پائے جاتے تھے وہ سب حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے ظلی طور پر ہم (یعنی مرزا) کو عطا کئے گئے اس لئے ہمارا نام آدم، ابراہیم، موسیٰ، نوح، داؤد، یوسف، سلیمان، یحییٰ اور عیسیٰ وغیرہ ہے۔ پہلے تمام انبیا ظل تھے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خاص خاص صفات میں اور اب ہم ان تمام صفات میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ظل ہیں۔ (2)

اس کے بر عکس مسلمانوں کا عقیدہ رسالتِ مآب، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بابت یہ ہے کہ مخلوق میں کوئی بھی آپ کے برابر نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ آپ سے افضل ہو اور آپ ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ کے مصداق ہیں۔

---

1 ...حقیقۃ الوحی، ص27-28، بحوالہ روحانی خزائن، 22/29-30۔ توضیح مرام، ص19، بحوالہ روحانی خزائن، 3/60

2 ...ملفوظاتِ حضرت مسیح موعود، 3/270

نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تمام رسولوں کے پیش رُو اور خاتم النبیین ہیں چنانچہ حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ:اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ یعنی حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمام رسولوں کا پیش رُو ہوں بلا فخر کے۔“(1)

نیز اللہ پاک اِرشاد فرماتا ہے:﴿ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَؕ ﴾(پ۲۲، الاحزاب:۴۰)”ترجَمۂ کنزُ العرفان: لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخر میں تشریف لانے والے ہیں۔“

نوٹ: خاتم النبیین عام ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم باعتبارِ زمانہ بھی تمام نبیوں کے خاتم ہیں اور باعتبارِ مرتبہ بھی یعنی حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر نبوت کے مراتب اور درجات ختم ہیں اور آپ کے اوپر نبوت کا کوئی درجہ نہیں۔ آپ نبی الانبیاء ہیں۔ تمام نبیوں سے عہد لیا گیا کہ اگر تم حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا زمانہ پاؤ تو اُن پر ایمان لاؤ اور ان کی نصرت واجب جانو جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:﴿ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗؕ ﴾(پ۳، اٰلِ عمرٰن:۸۱)”ترجَمۂ کنزُ العرفان: تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔“

عقیدۂ جہاد

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والے جہاد کے منکر ہیں کیونکہ شریعتِ قادیانیت میں یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے جیسا کہ مرزا اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ”جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے۔ حضرتِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے بچا نہیں سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کئے جاتے تھے۔ پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے وقت میں بچوں اور بڈھوں اور عورتوں کا قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لئے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دے کر مواخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔“(2) ایک اور کتاب میں لکھتا ہے: ”کافروں کے ساتھ لڑنا مجھ پر حرام کیا گیا ہے۔“(3)

اس کے برعکس مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جہاد علیٰ وجود الشرائط قیامت تک فرض رہے گا جیسا کہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ ﴾(پ۲، البقرۃ:۲۱۶)”ترجَمۂ کنزُ العرفان: تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے۔“

1 ...... دارمی، 1/40، حدیث:49
2 ...... اربعین نمبر4، ص13، بحوالہ روحانی خزائن، 17/443
3 ...... خطبۂ الہامیہ، ص25، بحوالہ روحانی خزائن، 16 58

مدارِ نجات

مرزائی اور مرزا غلام احمد قادیانی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد مرزا قادیانی کی وحیٔ نبوت اور تعلیم کو تمام انسانوں کے لئے مدارِ نجات قرار دیتے ہیں چنانچہ مرزا قادیانی اپنی کتاب میں لکھتا ہے: چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید بھی ہے اس لئے خدا نے میری تعلیم اور اس وحی کو جو میرے اوپر ہوتی ہے فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا، اب دیکھو! خدا نے میری وحی، میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدارِ نجات ٹھہرایا جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔(1)

جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی کی وحیٔ نبوت تمام انسانوں کے لئے تا قیامت مدارِ نجات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد کسی کی وحی مدارِ نجات نہیں ہو سکتی چنانچہ اللہ پاک اِرشاد فرماتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙ (پ۱۸، الفرقان:۱) ترجمۂ کنزالعرفان: وہ (اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کو ڈر سنانے والا ہو۔

ایک اور مقام پر فرماتا ہے: ﴿وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ۠﴾ (پ۲۹، القلم:۵۲) "ترجمۂ کنزالعرفان: حالانکہ وہ تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہی ہیں۔"

یہ دونوں آیتیں صاف اعلان فرما رہی ہیں کہ قیامت تک تمام انسانوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی کی شریعت ہے نیز سب کے لئے یہی قرآن حجت ہے اور یہی وحی مدارِ نجات ہے۔

قیامِ قیامت

مرزائی اور مرزا قادیانی اس عقیدے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ مردے قبروں سے نکل کر میدانِ محشر میں جمع نہیں ہوں گے بلکہ مرنے کے بعد جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر قیامت کے دن کسی کو جنت و دوزخ سے نہ نکالا جائے گا۔ ہاں ہر کوئی ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں ترقی کرتا ہے یہی حشرِ اجساد ہے یعنی حشرِ اجساد بھی روحی طور پر ہو گا۔ قادیانیوں کے یہاں لفظوں میں حشرِ اجساد و حساب و یومِ آخرت سب کا اقرار ہے لیکن حقیقت میں ان کا نظریہ عقائدِ اسلامیہ کے بالکل خلاف ہے کیونکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن مردے قبروں سے نکل کر

(1)...... اربعین نمبر4، ص6، بحوالہ روحانی خزائن، 17/ 435

حساب و کتاب کے لئے میدانِ محشر میں جمع ہوں گے، صور پھونکا جائے گا اور زمین و آسمان بدلے جائیں گے۔ تمام مخلوق حشر برپا ہونے سے پریشان ہوگی، اعمال کا وزن ہوگا، پل صراط قائم ہوگا جس سے ہر شخص گزرے گا جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:﴿وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ (پ١٦، مریم:٧١) "ترجمۂ کنز العرفان: اور تم میں سے ہر ایک دوزخ پر سے گزرنے والا ہے۔" تمام انبیائے کرام علیہمُ الصّلوٰۃ والسّلام شفاعت سے انکار کریں گے لیکن سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اس منصب کو قبول فرمائیں گے۔ بعض جہنمی شفاعت سے اور بعض بلا شفاعت جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

قادیانیت کا تنقیدی جائزہ

ہر وہ شخص قادیانی ہے جس کی نسبت مرزا غلام احمد قادیانی کی جانب ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی وہ شخص ہے کہ جو تقریباً 1840ء میں سکھوں کی حکومت کے خاتمے اور ہندوستان میں برطانوی راج کی آمد کے وقت گرداسپور کے علاقے قادیان میں پیدا ہوا۔

مرزا غلام احمد قادیانی ایک مشکوک النسب اور مشکوک الجنس شخص تھا جیسا کہ اس کی اپنی تحریروں اور کتابوں سے عیاں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بچپن سے ہی چوری کا عادی تھا جس کا اثر ختمِ نبوت پر ڈاکہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مرزا نے جوانی بھی عیاشی میں گزاری۔ اس نے مجدد، محدث، مہدی، مثلِ مسیح، عینِ مسیح اور مسیح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر فضیلت کے ساتھ ساتھ نبوت کا بھی جھوٹا دعویٰ کیا، یہ خود کو رسول بتاتا اور دعویٰ کرتا کہ میری طرف وحی آتی ہے اور خود پر ایمان نہ لانے والے کو کافر اور بعض روایات کے مطابق ولد الزنا سمجھتا تھا اور نعوذ باللہ کبھی خود کو خدا بھی کہتا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی جہاد اور بعث بعد الموت کا منکر تھا۔ الغرض مرزا خدا سے لے کر انبیاء و رُسُل اور ان سے صحابہ و اہلِ بیت و تابعین کی توہین کرنے والا بدبخت انسان تھا۔

قادیانی قرآن و حدیث کو ہی اپنی اصل قرار دیتے ہیں مگر خاتم النبیین کے معنیٰ میں تحریف کرنے کے ساتھ ساتھ جو آیت و حدیث اپنے عقیدے کے خلاف پاتے ہیں اس کی باطل تاویل کر دیتے ہیں۔ مرزائیوں کے باطل عقائد و نظریات میں سے یہ بھی ہے کہ یہ حضرتِ سَیِّدُنا عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بغیر باپ کے نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ وہ یوسف نجار کے بیٹے تھے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ

اگر مرزا غلام احمد کی پوری زندگی کا تنقیدی جائزہ لیں تو ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ مرزا "مالیخولیا" مرض کا شکار تھا لیکن

اتنا پاگل نہ تھا کہ اسے کفر وایمان کا پتہ نہ ہو۔اس نے یہ سب انگریزوں کے کہنے اور دولت وشہرت کمانے کے لئے کیا کیونکہ اسے دولت کی ہَوس تھی۔یاد رکھیے!کورٹ کی نوکری کے دوران زمینداروں سے پیسے لینا،پچاس جلدوں پر مشتمل کتاب چھاپنے کا کہنا اور اشاعت کے نام پر لوگوں سے کثیر رقم جمع کرکے فقط پانچ جلدیں چھاپنا اور بقیہ پیسے ہڑپ کر جانا، مہدی، مسیحِ موعود وغیرہ جیسی اصطلاحات کا علم ہونا اور تاویلاتِ باطلہ کے ساتھ ان کو اپنے اوپر منطبق کرلینا پاگل ومجنون کا کام نہیں بلکہ تیز وچالاک آدمی کا کام ہے جیساکہ پچھلے اَدوار میں جھوٹے نبوت کے دعویدار یہ سب کچھ کرتے آئے ہیں۔قادیانی مذہب کے پیروکار اسلام کی مقدس ومخصوص اصطلاحات کا ناجائز استعمال کرتے ہیں مثلاً مرزا قادیانی کی بیوی کو اُمُّ المؤمنین اور اس کی بیٹی کو سَیِّدَۃُ النِّساء کہتے ہیں حالانکہ یہ القابات حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اَزواجِ مطہرات اور آپ کی لختِ جگر خاتونِ جنت حضرتِ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن کے لئے خاص ہیں۔

وحدۃُ الادیان

تعارف

فی زمانہ فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ (جسے ایک مذہب بھی کہا جاسکتا ہے) وَحدۃُ الْادیان ہے۔ وحدۃ کا مطلب ہے ایک اور ادیان جمع ہے دین کی تو اس کا مطلب ہوا تمام دینوں کا ایک ہونا۔ اس نظریے کو مذہب کے طور پر سب سے پہلے بہائی مت نے پیش کیا۔ اس مذہب والوں کا نظریہ ہے کہ تمام مذاہب نجات والے ہیں۔ اس مذہب کو عام کرنے میں یہودیوں کا بہت زیادہ ہاتھ ہے اور اس میں زیادہ تر مفاد پرست لوگ شامل ہیں جو دولت و شہرت پانے کے لئے نہ صرف اس کا پرچار کرتے بلکہ بعض مذہبی حلیے والے لوگوں کو یہ باور کرواتے ہیں کہ مذہبِ اسلام میں بھی اس نظریہ کی اجازت ہے۔

اس مقصد کے لئے بین الاقوامی اجتماع میں تمام مذاہب کے ماننے والوں کو جمع کیا جاتا ہے، مشترکہ طور پر اس اجتماع کا پیغام ہوتا ہے کہ تمام مذاہب یکساں اور برحق ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی پیروی سے کائنات کے خالق اللہ رَبُّ الْعَالَمِین کی رِضا اور خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے لہٰذا کسی ایک مذہب والوں (خصوصاً مسلمانوں) کا اس بات پر اِصرار کہ اب تاقیامت نجات کی سبیل صرف ہمارا دین ومذہب ہے یہ ایک بے جا سختی، تشدد یا انتہاپسندی ہے جس کا خاتمہ از حد ضروری ہے۔ نظریۂ وحدتِ اَدیان کی تفصیل کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ جب منزل ایک ہو تو راستوں کے جدا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا یعنی ہر مذہب والا ایک بزرگ وبرتر ذات کی بات کرتا ہے جسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے، کبھی اللہ تو کبھی بھگوان اور کبھی God جبکہ حقیقتاً تمام مذاہب اللہ پاک کی بندگی اور خوشنودی حاصل کرنے کے ذرائع ہیں اس لئے ہر مذہب میں حق وانصاف، انسان دوستی اور انسانی بھائی چارے کی تعلیم دی گئی ہے لہٰذا تمام انسانوں کو تمام مذاہب کا برابر اِحترام کرنا چاہیے، کسی ایک مذہب یا دین کی پیروی پر اِصرار تشدد اور بے جا سختی ہے وغیرہ وغیرہ۔

وہ نام نہاد مولوی جنہوں نے فقط چند نوٹوں اور دنیاوی منصب کے لئے نہ صرف اپنا ایمان برباد کیا بلکہ اپنے پیروکاروں کو بھی وَرغلاتے ہیں اور وہ غیر مسلموں کے ساتھ اتحاد صحیح ہونے اور کافروں کو جنتی ثابت کرنے کے لئے قرآنِ پاک کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِـٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ	ترجمۂ کنزالعرفان: بیشک ایمان والوں نیز یہودیوں اور عیسائیوں اور ستاروں کی پوجا کرنے والوں میں سے جو بھی سچے دل سے اللہ

وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ (پ ۱، البقرۃ: ۶۲)

پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں تو ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت کی غلط تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار چونکہ اللہ پاک کو مانتے ہیں اس لئے قیامت والے دن بخش دیئے جائیں گے جبکہ یہ ان لوگوں کی خام خیالی ہے۔ اس آیت کا مطلب ہے کہ جو کسی بھی مذہب میں ہو، اگر اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرے گا تو آخرت میں کامیاب ہو جائے گا۔ ابنِ جریر و ابنِ ابی حاتم نے سدی سے روایت کی کہ یہ آیت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اصحاب کے حق میں نازل ہوئی۔ (1)

اگر اس آیت کا مطلب یہ ہوتا کہ اپنے مذاہب میں اپنے عقائد کے مطابق شرکیہ زندگی گزارو تب بھی کامیاب ہو جاؤ گے تو یہ کثیر آیات کے خلاف ہوتا کیونکہ اللہ پاک نے واضح طور پر مشرکین کی معافی نہ ہونے کو بیان فرمایا ہے چنانچہ اللہ پاک اِرشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾ (پ ۵، النساء: ۴۸)

ترجَمۂ کنز العرفان: بیشک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا تو بیشک اس نے بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا۔

یونہی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقصد اسلام کی دعوت دینا بھی بے فائدہ ٹھہرے گا۔ جہاں تک یہود و نصاریٰ کے اللہ پاک پر ایمان لانے کی بات ہے تو ہرگز اہلِ کتاب اور دیگر کفار اللہ پاک پر ویسا ایمان نہیں رکھتے جیسا رکھنے کا حکم ہے۔ یہود و نصاریٰ اللہ پاک کا بیٹا ثابت کرتے ہیں حالانکہ اللہ اس سے پاک ہے۔ اگر اللہ کی وحدانیت کا اقرار بھی ہو تو یہ ضرور ہے کہ عیسائی حضرتِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جبکہ یہودی حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو نہیں مانتے اور کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے۔

متعدد علمائے کرام نے وحدۃُ الادیان کا مدلل اور مسکت جواب دیا ہے اور ان نام نہاد مسلمان سیاستدانوں، اینکرز،

---

(1) ...... تفسیر طبری، پ 1، البقرۃ، تحت الآیۃ: 62، 1/ 362۔ تفسیر ابن ابی حاتم، پ 1، البقرۃ، تحت الآیۃ: 62، 1/ 127

ایکٹرز اور بظاہر مذہبی لوگوں کا روپ دھارنے والوں کا پردہ فاش کیا ہے جو حُبِّ جاہ اور دنیاوی منصب پانے کے لئے غیروں سے پیار محبت کی پینگیں ڈالتے اور اسلامی بھائی چارے کے اصول کو تمام ادیان پر لاگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسی بھی مسلمان کو دیگر مذاہب سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔

فلمی دنیا میں جہاں یہ ذہن دیا جاتا ہے کہ ایک مسلمان کو کسی کافرہ عورت سے نکاح کرنے میں حرج نہیں وہاں یہ ذہن بھی دیا جاتا ہے کہ ایک مسلمان عورت کو کسی کافر مرد سے نکاح کرنے میں بھی حرج نہیں جبکہ یہ واضح طور پر قرآنِ پاک کی مخالفت ہے۔ فلموں کے علاوہ حقیقت میں اس "وَحدۃُ الاُدیان" کے فتنے میں سب سے زیادہ مبتلا انڈیا کے وہ فلمی ایکٹرز ہیں جنہوں نے مسلمان ہونے کے باوجود ہندو عورتوں سے شادیاں کی ہیں۔ ایسی شادیوں کی جہاں اور نحوستیں ہیں وہاں ایک نحوست یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے ہندومت اور اسلام کو ایک کرنے کی فضول کوشش کی جاتی ہے۔ بعض ہندو فلم اسٹارز بَرمَلا خود کو مسلمان اور ہندو کہتے ہیں۔ اس طرح کے بیانات دینے کی ایک وجہ ہندو متعصب قوم کے شر سے بچتے ہوئے فلم انڈسٹری میں نام کمانا اور خود کو موڈریٹ ظاہر کرنا ہوتا ہے بلکہ ان میں سے اکثر کے ذہن ہی اس بات کو قبول کر چکے ہیں اور وہ انہی نظریات کے حامل ہیں۔ نیز یہ خباثت فقط ہندوستان تک محدود نہیں بلکہ پاکستان کی انڈسٹری بھی اس سلسلے میں کسی سے پیچھے نہیں مگر درست نظریات والے مذہبی طبقہ کی وجہ سے ایسے لوگ کھل کر سامنے نہیں آتے البتہ کبھی کبھار اس طرح کے شوشے چھوڑتے اور دینی حلقوں اور غیور مسلمانوں کی طرف سے ردِّ عمل آنے کے بعد دم دبا کر مغرب کی گود میں جا بیٹھتے ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے وحدۃُ الادیان کا رَدّ

اللہ پاک نے واضح طور پر قرآنِ پاک میں دیگر اَدیان کو باطل قرار دیتے ہوئے اسلام کو حق مذہب قرار دیا ہے چنانچہ اللہ پاک اِرشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۫﴾ (پ۳، اٰلِ عمرٰن:۱۹) "ترجَمۂ کنز العرفان: بیشک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔"

دینِ اسلام ایک مکمل دین ہے جس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو ایک کامل دین میں ہونی چاہئیں، اب دیگر ادیان کو نہ اچھا سمجھنے کی اجازت ہے اور نہ ہی ان میں کوئی ایسی اچھائی ہے جو اسلام میں نہیں۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ ترجَمۂ کنز العرفان: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل

Go to Index

نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔ (پ٦، المآئدۃ:٣)

اب خود کو مسلمان کہلوانے والا کسی دوسرے دین کی طرف جھکے گا تو دوزخ میں جائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۸۵﴾ ترجمۂ کنز العرفان: اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ (پ٣، اٰلِ عمرٰن:٨٥)

کثیر احادیث میں مشرکین سے مشابہت اِختیار کرنے اور شرک سے منع کیا گیا ہے نیز دیگر مذاہب کے بارے میں یہ عقیدہ دیا گیا ہے کہ مسلمان اُن میں جانے کو ایسا ناپسند کرے جیسے آگ میں جانے کو ناپسند کرتا ہے چنانچہ بخاری و مسلم کی حدیثِ پاک میں ہے: "حَدِیۡثُ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ قَالَ، قَالَ رَسُوۡلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: "ثَلَاثٌ مَّنۡ کُنَّ فِیۡہِ وَجَدَ بِھِنَّ حَلَاوَۃَ الۡاِیۡمَانِ: اَنۡ یَّکُوۡنَ اللہُ وَرَسُوۡلُہٗ اَحَبَّ اِلَیۡہِ مِمَّا سِوَاھُمَا، وَاَنۡ یُّحِبَّ الۡمَرۡءَ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ، وَاَنۡ یَّکۡرَہَ اَنۡ یَّعُوۡدَ فِی الۡکُفۡرِ بَعۡدَ اَنۡ اَنۡقَذَہُ اللہُ مِنۡہُ کَمَا یَکۡرَہُ اَنۡ یُّقۡذَفَ فِی النَّارِ یعنی حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا: جس میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی لذت پائے گا: (1) اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم تمام چیزوں سے زیادہ پیارے ہوں (2) جو بندے سے صرف اللہ پاک کے لئے محبت کرے اور (3) جو کفر میں لوٹ جانا جبکہ رب نے اسے بچالیا ہو ایسا بُرا جانے جیسے آگ میں ڈالا جانا۔"[1]

یہ بات یاد رہے کہ عقائد میں انسان کو انتخاب (Choice) نہیں دیا گیا کہ جو مرضی عقیدہ اپنالے بلکہ ہر انسان پر لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ مذہبِ اسلام کو اپنائے اور ہر مسلمان کو ہدایت دی گئی ہے کہ دیگر گمراہ فرقوں سے بچتے ہوئے قرآن و سنت کے موافق عقائد کو اَپنائے۔

بعض صلح کلی قسم کے مذہبی حلیے والے جو خود کو جدید تعلیم سے آراستہ ثابت کرنے کے لئے فرقہ واریت کے خلاف بولتے اور دیگر مذہب والوں کے ساتھ ان کے دینی تہوار مناتے نظر آتے ہیں جیسا کہ کرسمس کے موقع پر کئی مسلم سیاستدانوں اور سوشل ورکرز کے ساتھ ساتھ کچھ مذہبی حلیے والے حضرات بھی کرسمس کا کیک کاٹتے دکھائی دیتے ہیں۔

1 ......بخاری، 1/17، حدیث:16۔ مسلم، ص47، حدیث:165

www.dawateislami.net

جب ان حضرات کو شریعت کا حکم سنایا جائے کہ اسلام کفار کے دینی تہوار میں شرکت کو جائز نہیں بتاتا تو زبردستی یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام بھائی چارے کا مذہب ہے، دوسرے مذاہب کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے منع نہیں کرتا اور بعض کہتے ہیں کہ ہم بطورِ تبلیغ ان کے تہوار میں شرکت کرتے ہیں تاکہ کل کو یہ بھی ہمارے دینی تہواروں میں شرکت کریں اور اسلام کے قریب آئیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ ایسی تبلیغ حرام ہے جس کے باعث کفار کے رنگ میں رَنگنا پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے بڑھ کر کوئی مبلغ نہیں لیکن کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں کہ آپ نے کفار کے مذہبی تہواروں میں شرکت کی ہو، اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اَولیائے کرام رحمۃ اللہِ علیہم کی تبلیغ سے بھی ثابت نہیں کہ انہوں نے تبلیغ کے نام پر بُت پرستی کی ہو یا کفار کے کسی دینی شعار کو اپنایا ہو۔

دوسروں کے عقائد اور مذہبی شعائر کا اِحترام نہ کرنا اور ان کے مذہبی تہواروں میں شرکت سے اِجتناب ضروری ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے کفار کے مذہبی تہواروں میں شرکت جائز نہیں چنانچہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے: ”مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَ سَكَنَ مَعَهٗ فَاِنَّهٗ مِثْلُهٗ یعنی جو مشرک سے یکجا ہو اور اس کے ساتھ رہے وہ اسی مشرک کی مانند ہے۔“(1)

یاد رکھیے! اگر یہ شرکت بطورِ تعظیم ہو تو کفر ہے چنانچہ فتاویٰ ہندیہ کی ایک عبارت کا ترجمہ کچھ یوں ہے: ”جو مجوسیوں کے نیروز میں کہ جس دن وہ خرافات کرتے ہیں ان کی موافقت کرنے کے لئے جائے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ جو اپنے کھانے پینے کے علاوہ کوئی چیز اس دن کی تعظیم میں خریدے اور کسی مشرک کو اس دن کی تعظیم میں تحفہ دے اگرچہ ایک انڈہ ہی ہو تو اس نے کفر کیا۔“(2)

اگر شرکت نہ کی جائے ویسے ہی کفار کی خرافات کو اچھا سمجھے تو کفر ہے چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے: ”وَاتَّفَقَ مَشَایِخُنَا اَنَّ مَنْ رَاٰی اَمْرَ الْكُفَّارِ حَسَنًا فَهُوَ كَافِرٌ یعنی مشائخِ عظام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو کافر کے کسی (دینی) امر کو اچھا جانے وہ کافر ہے۔“(3)

1 ......ابوداؤد، 3/122، حدیث:2787

2 ......فتاویٰ ہندیہ، 2/276-277

3 ......غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر، 1/295

فہرست

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
یاد داشت	1	لغوی تعارف	15
اجمالی فہرست	3	اصطلاحی تعارف	15
اس کتاب کو پڑھنے کی 18 نیتیں	4	وجہ تسمیہ	16
المدینۃ العلمیہ کا تعارف	5	پسندیدہ دین	16
پیشِ لفظ	7	تاریخ اسلام	16
مقدمہ	9	بانیٔ اِسلام	17
مذہب کی تعریف	9	بیٹوں کے نام	19
دین کی تعریف	9	بیٹیوں کے نام	19
دین اور مذہب میں کیا فرق ہے؟	9	خلفائے راشدین	19
اسلام مذہب ہے یا دین؟	9	خلیفۂ اوّل سیِّدُنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	19
مذہب کی ضرورت	10	خلیفۂ دوم سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ	21
مذہب کے بنیادی عناصر	11	خلیفۂ سوم سیِّدُنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	22
عقیدہ	11	خلیفۂ چہارم سیِّدُنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	24
رسوم	11	سیِّدُنا امام حسن مجتبیٰ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	25
اخلاق	11	خلافتِ بنو اُمیہ (661ء تا 750ء)	25
مذاہب کی تقسیم	12	خلافتِ بنو عباس (750ء تا 1258ء)	26
(1) سامی اور غیر سامی مذاہب	12	دورِ اوّل (132ھ-247ھ / 750-861ء)	27
سامی مذاہب	12	دورِ ثانی (247ھ-422ھ / 861-1031ء)	27
آریائی مذاہب	13	دورِ ثالث (422ھ-656ھ 1031-1258ء)	27
منگولی مذاہب	13	سلطنتِ عثمانیہ (1299-1922ء)	28
(2) الہامی اور غیر الہامی مذاہب	13	اہم اسلامی شخصیات	28
الہامی مذاہب	13	علمِ تفسیر میں اہم شخصیات	28
غیر الہامی مذاہب	13	علمِ حدیث میں اہم شخصیات	28
تقابلِ ادیان سے کیا مراد ہے؟	14	علمِ الکلام میں اہم شخصیات	29
موضوع کی ضرورت و فوائد	14	فقہ میں اہم شخصیات	29
اسلام	15	ماہرینِ فلکیات	29

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
ماہرینِ کیمیا	29	چند اسلامی رسومات	43
ماہرینِ فزکس	30	شادی بیاہ کی رسومات	44
ریاضی دان	30	فوتگی کی رسومات	44
ماہرینِ طب	30	دینی تہوار	44
اسلامی تعلیمات	30	عید الفطر	44
(1)عقائد	30	عید الاضحیٰ	45
(2)عبادات	31	عید میلاد النبی	45
(3)معاملات	32	مبارک ایام وشب	46
(4)معاشرت	32	جمعہ	46
(5)اخلاقیات	33	پیر	46
فرقے	33	یوم عاشورا	47
میری اُمّت میں تہتر فرقے ہوں گے	34	عرفہ کا دن	47
جنتی فرقے کی نشانیاں	34	ستائیس رجب	47
(1)اہلِ سنت وجماعت	34	شبِ براءت	47
فرقہ واریت کی مذمت	35	لیلۃ القدر	48
(2)اہلِ تشیع	36	دینِ اسلام کی خصوصیات	49
اہلِ تشیع کی شاخیں	37	(1)ذاتِ خدا کے بارے میں واضح عقیدہ	49
عقائد	37	(2)مکمل دین/ضابطۂ حیات	50
(3)خوارج	39	(3)دینِ فطرت	50
خارجی فرقے کا ظہور	39	(4)مہذب دین	51
خوارج کے مختلف نام	39	(5)دینِ یُسر (آسان دین)	52
خوارج کی شاخیں	40	(6)دینِ اعتدال	53
خوارج کے عقائد	40	(7)اسلام اور نجات	53
مذہبی کتب	42	عقیدۂ ختمِ نبوت	54
مشہور کتبِ تفاسیر	42	ختمِ نبوت کا مطلب	54
مشہور کتبِ حدیث	43	عقیدۂ ختمِ نبوت کی اہمیت	54
رسم ورواج	43	عقیدۂ ختمِ نبوت آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں	55

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
75	ریفارمسٹ(Reformist)	57	عقیدۂ ختمِ نبوت اَحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں
75	مذہبی کتابیں	58	میں آخری نبی اور تم آخری اُمّت
76	(1)مکتوب شریعت	59	ختمِ نبوت پر تواتر
76	سلسلہ نمبر1:تورات	59	ختمِ نبوت پر اجماعِ اُمّت
76	سلسلہ نمبر2:نویم(Neviim)	61	**یہودیت**
76	سلسلہ نمبر3:کتویم(Ketuvim)	61	تعارف
77	موجودہ عہد نامہ قدیم کی تدوین وتالیف	61	وجہِ تسمیہ
77	(2)زبانی شریعت	61	تاریخ
77	تالمود یا تلمود(Talmud)	63	1۔دورِ اکابرین
78	مشناہ(Mishnah)	63	سیّدُنا ابراہیم و سیّدُنا یوسف علیہما الصلوۃ والسّلام کے مختصر احوال
78	جمارہ(Gemara)	64	2۔حضرت سیّدُنا موسیٰ کی آمد
78	رسم ورواج تہوار	66	3۔دورِ قضاۃ
78	یوم السبت	66	4۔دورِ سلاطینِ انبیا
79	عید الفصح	67	5-6۔منقسم سلطنتِ بنی اسرائیل اور دورِ جلاوطنی اوّل
79	پینٹی کوسٹ(Pentecost)	68	7-8۔بنی اسرائیل اہلِ فارس/یونانیوں کے زیرِ اقتدار
79	رُوش ہَاشَناہ(Rosh Hashanah)	69	9-10۔دورِ آزادی/بنی اسرائیل رومیوں کے زیرِ اقتدار
79	یہودیوں کا سب سے اہم تہوار(یوم کپور یا یوم کفارہ)	69	11۔یہود عیسائیوں کے زیرِ اقتدار
80	یومِ سکوت	69	12۔یہود مسلمانوں کے زیرِ اقتدار
80	یہودی ٹوپ(Jewish hat)	71	اسرائیل کا قیام اور بیت المقدس پر یہود کا قبضہ
80	عبادات کے طریقے	72	عقائد و نظریات
80	تِفِیلاہ(Tefillah)	73	فرقے
80	مُوسَاف(Musaf)	73	فریسی/آرتھوڈوکس(Pharisee/Orthodox)
80	یہودیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ	74	صدوقی(Sadducee)
80	توحید	74	متعقبین
81	انبیا	74	قرائین
82	عورت اور نبوت	74	سامری(Samaritan)
83	قرآن اور تورات	75	سبائیہ(Sabian)

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
ذاتِ باری تعالیٰ اور نظریۂ آرام	83	انجیلِ یوحنا	99
وراثت	84	انجیلِ برناباس کا تعارف	99
تکبّر و خود پسندی	85	عبادات و رسومات	100
یہودیت کا تنقیدی جائزہ	85	کلیسا میں عبادت	100
عیسائیت	88	رہبانیت (Asceticism)	100
تعارف	88	بپتسمہ (Baptisma)	101
وجہ تسمیہ	88	بپتسمہ کی اہمیت	101
تاریخ	88	بپتسمہ کا طریقہ کار	101
پہلا دور	89	عشائے ربانی (Eucharist)	101
دوسرا دور	90	عشائے ربانی کا طریقہ کار	102
تیسرا دور	91	اعتراف، توبہ اور کفارہ	102
عقائد و نظریات	93	بیماروں کا مسح (Anointing of the Sick)	102
عقیدۂ تثلیث (Trinity)	93	شادی	103
صلیب	93	تہوار	103
حیاتِ ثانیہ	93	اتوار کا دن	103
کفّارہ	94	کرسمس	103
فرقے	94	ایسٹر	103
کیتھولک (Catholic)	95	عیسائیت اور اِسلام کا تقابلی جائزہ	104
پروٹسٹنٹ (Protestant)	95	عقیدۂ تثلیث	104
آرتھوڈوکس	96	ذریعۂ نجات کفارہ	106
مذہبی کتابیں	96	صلیب کا عقیدہ	107
عہد نامہ قدیم و عتیق (Old Testament)	97	حیاتِ ثانیہ	108
عہد نامہ جدید (New Testament)	97	تحریفِ کتاب	108
اناجیلِ اربعہ (Gospels)	97	نکاح وطلاق	109
انجیلِ متّی	98	رہبانیت	110
انجیلِ مرقس	99	عیسائیت کا تنقیدی جائزہ	111
انجیلِ لوقا	99	**صابئہ / مندائیہ**	113

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تعارف	113	(10)کتاب ترسسر الف شیالہ	118
وجہ تسمیہ	113	(11)دیوان طقوس التطہیر	118
(1)مندائیہ	114	(12)کتاب کداوا کدفیانا	118
(2)مینڈین(Mandacan)	114	عبادات	118
تاریخ	114	مندی	118
عقائد ونظریات	115	نماز	118
خدا کا تصور	115	روزہ	119
رسالت کا تصور	115	طہارت	119
کواکب پرستی	115	تہوار	119
فرقے	116	عیدِ کبیر ملک الانوار	119
علما کے مراتب اور ان کے فرائض	116	عیدِ صغیر	120
(1)حلالی	116	عیدِ یحییٰ علیہ السلام	120
(2)الترمیدہ	116	رسومات	120
(3)الا بیسق	116	دوشیزگی کی تحقیق وتفتیش	120
(4)الکنزبرا	117	طلاق	120
(5)ریش آمۃ	117	دوا کی حرمت	120
(6)الربانی	117	ذبیحہ اور اس کا طریقہ	120
مذہبی کتابیں	117	اصطباغ اور اس کی قسمیں	120
(1)کنزا ربا	117	بپتسمہ کی قسمیں	121
(2)دراشہ ادیہیا	117	(1)پیدائش	121
(3)غلستا	117	(2)نکاح	121
(4)سدرۃ اِدنشماثا	117	(3)اجتماعی بپتسمہ	121
(5)کتاب الدیونان	118	میت اور اس کے احکام	121
(6)کتاب اِسفر ملواشتہ	118	صابئہ/مندائیہ کا تنقیدی جائزہ	122
(7)کتاب النیانی	118	**ہندو مذہب Hinduism**	123
(8)کتاب قماھاذ ہیقل زیوا	118	تعارف	123
(9)تفسیر بغرہ	118	وجہ تسمیہ	123

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تاریخ	123	رسمِ ستی سے متعلق ہندوؤں کا نظریہ	131
ہندو مذہب کی تاریخ مدون نہ ہونے کے اسباب	124	موجودہ دور میں رسمِ ستی کی صورت حال	131
پہلا سبب	124	تہوار	131
دوسرا سبب	124	ہولی(Holi)	131
تیسرا سبب	124	دیوالی(Diwali)	132
ہندوؤں کے معبود	125	بیساکھی	132
ہندوؤں کے چار گاف	126	رکشابندھن	132
عقائد و نظریات	126	نوراتری(Navaratri)	132
تصورِ خدا	126	دسہرہ(Dussehra)	133
بت پرستی	126	شیوراتری(Shivratri)	133
تصوّرِ پیغمبر	127	ہندو مت میں ذات پات کی تقسیم	133
عقیدۂ اوتار	127	ہندو مت اور اسلام کا تقابلی جائزہ	134
کرم	127	توحید	134
تناسُخ/آواگون	127	رسالت	135
نیوگ(Niyoga)	128	عقیدۂ اوتار	136
عبادات	128	عالمگیریت	136
یگیہ(Yagya)(قربانی)	128	تناسُخ/آواگون	136
ورت	129	نیوگ	137
کڑوا چوتھ	129	ذات پات کی تقسیم	138
ہندو مت میں نجات کے طریقے	129	عورت	139
مذہبی کتابیں	130	ہندو اِزم کا تنقیدی جائزہ	140
سرتی	130	**زرتشتیت Zoroastrianism**	142
سمرتی	130	تعارف	142
رسم و رواج	130	تاریخ	142
شادی	130	زرتشتیت کا ارتقا	143
میت کو جلانا	130	زرتشت کے بعد زرتشتیت کے احوال	144
رسمِ ستی	131	زرتشت کا زوال	145

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
فائدہ	145	مذہبی کتاب	154
عقائد و نظریات	145	محارم سے نکاح	154
زرتشتیت میں خدا کا تصور	146	موت کی رسومات	154
سات غیرِ فانی ہستیاں	146	زرتشتیت / مجوسیت / پارسیت کا تنقیدی جائزہ	154
دساتیر کے مطابق خدا کی صفات	146	**تاؤمت**	156
خدا کی صفات آوستا کے مطابق	147	تعارف	156
حیات بعد الموت / پل صراط	147	وجہ تسمیہ	156
آگ کے متعلق عقیدہ	147	تاریخ	156
آخرت کے متعلق عقیدہ	148	عقائد و اخلاق	157
مذہبی کتابیں	148	فرقے	157
دساتیر	148	مذہبی کتابیں	157
آوستا زند آوستا	149	تاؤمت کا تنقیدی جائزہ	158
رسم و رواج	150	**بدھ مذہب Buddhism**	159
ملاقات کی رسم	150	تعارف	159
قربانی کی رسم	150	وجہ تسمیہ	159
محارم سے نکاح	150	گوتم بدھ کا تعارف	159
موت کی رسومات	150	گوتم بدھ کی وفات	160
تہوار	150	بدھ مت کی تاریخ	160
خورداد سال	150	بدھ مت کی ترویج و اشاعت	161
نودِسو	151	عقائد و نظریات	162
نوروز	151	نِروان Nirvana	162
طبقاتِ علما	151	اینتیہ	162
زرتشت اور اسلام کا تقابل	151	کرم یا کرما	162
عقیدۂ توحید	151	تصورِ خدا	163
حیات بعد الممات	152	فرشتے	163
آخرت	153	روح	163
آگ	153	قیامت	163

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
بدھ مت کی چار عظیم سچائیاں	163	3۔اسہلا پوجا	170
پہلی عظیم سچائی (دُکھ)	164	بدھ مذہب کا اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ	170
دُکھ کی اقسام	164	1۔ تصورِ خدا	170
دوسری عظیم سچائی (دکھ کی علت)	164	2۔ تصورِ ملائکہ	171
تیسری عظیم سچائی (دکھ کی انسداد)	164	3۔رہبانیت	171
چوتھی عظیم سچائی (دکھ سے نجات کا راستہ)	165	4۔تصورِ نجات	172
کامیابی کے آٹھ اصول	165	5۔بھیک مانگنا	173
(1) صحیح نقطۂ نظر	165	بدھ مت کا تنقیدی جائزہ	173
(2) صحیح نیت اور خیالات	165	**کنفیوشس اِزم Confucianism**	175
(3) صحیح گفتگو	165	کنفیوشس اِزم کا تعارف	175
(4) صحیح عمل	166	تاریخ	175
(5)کسبِ حلال	166	انتقال	176
(6) صحیح کوشش	166	کنفیوشس اِزم کا ارتقاوزوال	176
(7) صحیح فکر	166	کنفیوشس کی تعلیمات	177
(8)مراقبہ	167	معاشرتی تعلیمات	177
فرقے	167	فرقے	177
تھیرواد (Theravada)	168	مذہبی کتابیں	178
مہایان (Mahayana)	168	لون یو (Lunyu)	178
مذہبی کتب	168	1۔ شوچنگ (Shujing)	178
تری پٹک (Tripitaka) کا تعارف	169	2۔ شی چنگ (Shijing)	178
(1) وِنائے پٹک (Vinaya pitaka)	169	3۔ی چنگ (Yijing)	178
(2)۔ستاپٹک (Sutta pitaka)	169	4۔لی چی (Liji)	178
(3)ابھیدم پٹک (Abhidhamma pitaka)	169	5۔چُوں چِن (Daxue)	178
دَھما پد (Dhammapada)	169	علمِ عظیم (The Great Learning)	179
تہوار	169	ووچنگ (Wu-Ching)	179
1۔ویساکھ (Visakha)	170	نظریۂ اعتدال (The Book of Mencius)	179
2۔گھاپوجا	170	رسومات	179

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
186	مقدس مقامات	179	کنفیوشس اِزم اور اسلام کا تقابل
186	اسلام اور جین مت کا تقابلی جائزہ	179	تصورِ الٰہ
186	خدا کا تصور	180	الہام
186	احکام کا فطرت کے مطابق ہونا	180	کتب میں تغیر و تبدل
187	تزکیۂ نفس	180	جامعیت
187	اہنسہ	180	کنفیوشس اِزم کا تنقیدی جائزہ
187	حیا	181	**جین مت Jainism**
188	ازدواجی زندگی	181	جین مت کا تعارف
188	جین مت کا تنقیدی جائزہ	181	وجہ تسمیہ
189	**سکھ مذہب**	181	تاریخ
189	تعارف	182	اس مذہب کی تشکیل
189	سکھ مذہب کی اصل	182	عقائد و نظریات
189	سکھ مذہب کا ابتدائی گرو/پیدائش	182	انکارِ خدا
190	ملازمت	183	جین مت کے عقائد اور سات کلیے
190	گرونانک کی تبلیغ کی ابتدا	183	آواگون
190	گرونانک کا دورِ سیاحت	183	عقائد کے اعتبار سے پابندیاں
190	پہلا سفر	184	فرقے
191	دوسرا سفر	184	دگمبر
191	تیسرا سفر	184	شویت امبر
191	چوتھا سفر	184	مذہبی کتابیں
191	ذریعۂ معاش	185	عبادات اور رسم و رواج
192	بقیہ زندگی	185	روزے
192	انتقال و آخری رسومات	185	سانتھرا
192	سکھ مت کے گرو	185	نروان حاصل کرنے کے طریقے
193	عقائد و نظریات	185	سلبی طریقہ
193	تصورِ الٰہ	185	ایجابی طریقہ
193	گرو کا تصور	185	بعض اہم رسومات

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
آواگون کا تصور	193	(1) بنیادی دہریہ فرقہ	201
عقیدۂ حلول واتحاد	193	(2) طبیعیہ فرقہ	201
سکھوں کے فرقے	194	(3) الٰہیہ فرقہ	202
مذہبی کتب	194	(4) ثنویہ فرقہ	202
عبادات و رسومات	194	**الحاد Atheism**	203
انفرادی عبادت	194	الحاد کا لغوی معنیٰ	203
اجتماعی عبادت	194	اصطلاحی معنیٰ	203
لنگر	195	عصرِ حاضر میں الحاد کا مفہوم	204
ذبح کرنا	195	الحادِ مطلق (Gnosticism)	205
تہوار	195	لاادریت (Agnosticism)	206
بیساکھی	195	ڈی ایزم (Deism)	206
ماگھی	195	موجودہ الحاد کی تاریخ	206
گرونانک گرپورب	196	کانٹے کا فلسفہ یا پازیٹیوازم (Positivism)	208
سکھ مذہب اور اسلام کا تقابلی جائزہ	196	ڈارون کا نظریہ ارتقا	208
کامل دین	196	ڈی ایزم (Deism) کی تحریک کا آغاز	208
توحید	196	کارل مارکس کا نظامِ اشتراکیت	209
نبوت و رسالت	197	بگ بینگ (Big Bang) تھیوری	209
اخوت اور مساوات کا تصور	198	**لبرل ازم**	210
تحریفِ کتاب	198	تعارف	210
خلافِ فطرت اُمور	199	تاریخ	210
موسیقی	199	عقائد و نظریات	210
سکھ مت کا تنقیدی جائزہ	199	اقسام	211
دہریت	201	نتیجۂ کلام	212
دہریت کی تعریف	201	ملحدین کی علمی حالتِ زار	213
وجہ تسمیہ	201	مذکورہ فتنوں کے فروغ کے اسباب	214
دہریت کے فرقے	201	وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق غیر واضح عقیدہ	214
فلسفی فرقہ	201	مذہبی کتب میں تحریف و تضاد	215

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
عقائد واَحکام کا غیر عقلی و غیر فطری ہونا	215	تعارف	229
عقلِ بے مہار	215	تاریخ	230
حدود سے تجاوز کرنا	215	عقائد و نظریات	230
معاشی مجبوریاں	216	سیکولر فکر رکھنے والوں کی اقسام	231
سوشل میڈیا	216	ملحدین و مستشرقین کے اعتراضات وجوابات	232
عقائد و نظریات کا سائنس کے خلاف ہونا	216	**قادیانیت**	245
مغربی باطل نظریات کو خوب عام کرنا	217	غلط فہمی کا ازالہ	245
تبادلۂ ثقافت	217	مرزا غلام احمد قادیانی کی پیدائش	245
مذہبی طبقے کا کردار	217	مرزا غلام احمد قادیانی کا نسب نامہ	246
استشراق/تبشیر و تنصیر/استعمار	219	مرزا قادیانی کا بچپن	246
(1)استشراق Orientalism	219	مرزا کا دماغی خلل/چوری	247
تعارف	219	ابتدائی تعلیم	247
اصطلاحی تعریف	219	شباب	248
استشراق کی تاریخ	220	شادی	248
مستشرقین کے مقاصد واہداف	221	محمدی بیگم سے نکاح کی خواہش	249
مستشرقین کے حدیث اور سیرۃ النبی سے متعلق اہم مقاصد	221	ملازمت	249
تحقیقی اور علمی اہداف ومقاصد	222	مرزا قادیانی کا مجددیت سے نبوت وافضلیت تک کا سفر	250
اقتصادی ومعاشی اہداف	222	مجدد ہونے کا دعویٰ	250
سیاسی واستعماری اہداف	223	محدث ہونے کا دعویٰ	250
مستشرقین کا طریقۂ تحقیق	224	مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ (1891ء)	250
(2)تبشیر/تنصیر Gospel	226	مہدی ہونے کا دعویٰ (1898ء)	250
تعارف	226	عینِ مسیح ہونے کا دعویٰ	250
اس کا انداز/طریقۂ کار	226	مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت	250
چند اَہداف ومقاصد	226	صریح دعویٔ نبوت	251
(3)استعمار	227	ظلی نبوت کا دعویٰ	251
تعارف	227	بروزی نبوت کا دعویٰ	251
سیکولرازم	229	حقیقی و تشریعی نبوت کا دعویٰ	252

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
عینِ محمد ہونے کا دعویٰ	252	عبرانی الہام	259
حضور نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر فضیلت کا دعویٰ	253	پنجابی الہام	259
اپنی نسبت آخری نبی ہونے کا دعویٰ	253	فارسی الہام	259
موت	253	ہندی الہام	259
مرزا قادیانی اور قادیانیوں کے کفریہ عقائد	253	اسلام اور قادیانیت کا تقابلی جائزہ	259
فرقے	255	عقیدۂ ختمِ نبوت	259
مذہبی کتابیں	256	عقیدۂ افضلیت	260
مرزا قادیانی کے فرشتے	256	عقیدۂ جہاد	261
ٹیچی ٹیچی فرشتہ	256	مدارِ نجات	262
درشنی فرشتہ	256	قیامِ قیامت	262
مٹھن لال فرشتہ	257	قادیانیت کا تنقیدی جائزہ	263
شیر علی فرشتہ	257	**وحدۃُ الادیان**	265
حفیظ فرشتہ	257	تعارف	265
مرزا قادیانی کے کشوف والہامات	257	اسلامی نقطۂ نظر سے وحدۃُ الادیان کا رَدّ	267
انگریزی الہام	258	تفصیلی فہرست	270
عربی، انگلش، اُردو مکسچر الہام	258	ماخذ و مراجع	282
عربی الہام	258	✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲	✲✲✲

ماخذ ومَراجع

کتاب کا نام	مصنف / مؤلف / متوفی	مطبوعات
قرآنِ مجید	کلامِ الٰہی	********
کتب التفسیر		
تفسیر بغوی	امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی، متوفی ۵۱۶ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
تفسیر جمل	علامہ شیخ سلیمان جمل، متوفی ۱۲۰۴ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی
تفسیر خازن	علامہ علاء الدین علی بن محمد بغدادی، متوفی ۷۴۱ھ	المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۱۷ھ
تفسیر عزیزی	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ	کوئٹہ پاکستان
تفسیر ابنِ کثیر	ابو فداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی، متوفی ۷۷۴ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
المفردات فی غریب القرآن	ابو القاسم حسین بن محمد المعروف امام راغب اصفہانی، متوفی ۵۰۲ھ	نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین	احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی، متوفی ۱۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ
روح المعانی	ابو الفضل شہاب الدین آلوسی، متوفی ۱۲۷۰ھ	دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۰ھ
تفسیر خزائن العرفان	صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی
تفسیر صراط الجنان	مفتی ابو صالح محمد قاسم قادری	مکتبۃ المدینہ کراچی
کتب الحدیث		
بخاری	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
مسلم	امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ	دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۲۷ھ
ابنِ ماجہ	امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابنِ ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ	دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۰ھ
ابو داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ	دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۱ھ
ترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
نسائی	امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۶ھ
مسندِ امام احمد	امام احمد بن محمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
مسند الشامیین	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ	مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۵ھ
سنن کبریٰ للبیہقی	ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
سنن دارمی	امام حافظ عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی سمرقندی، متوفی ۲۵۵ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی

مصنف عبد الرزاق	امام حافظ ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام، متوفی ۲۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
مستدرک للحاکم	امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۷ھ
شعب الایمان	امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
کتب شروح الحدیث		
عمدۃ القاری	امام بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ	دار الفکر بیروت
فتح الباری	امام احمد بن علی بن حجر العسقلانی، متوفی ۸۵۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۵ھ
شرح مسلم للنووی	امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی، متوفی ۶۷۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۱ھ
مرقاۃ المفاتیح	علامہ ملا علی بن سلطان قاری، متوفی ۱۰۱۴ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
مرآۃ المناجیح	مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
کتب العقائد		
شرح عقائد نسفیہ	علامہ سعد الدین تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی
کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد	حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی ۵۰۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۳ھ
تحفۂ اثنا عشریہ	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ	کتب خانہ اشاعت اسلام دہلی
تلبیسِ ابلیس	امام ابو الفرج عبد الرحمن بن علی ابنِ جوزی، متوفی ۵۹۷ھ	دار الکتاب العربی ۱۴۱۳ھ
منح الروض الازھر	علامہ قاری علی بن سلطان حنفی، متوفی ۱۰۱۴ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی ۱۴۳۵ھ
تحفۂ حنفیہ	مولانا ابو البشیر محمد صالح نقشبندی مجددی	قادری رضوی کتب خانہ لاہور
کتب الفقہ		
فتاویٰ ہندیہ	علامہ نظام الدین وعلمائے ہند، متوفی ۱۱۶۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ
حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی، متوفی ۱۲۳۱ھ	مکتبۃ العربیۃ کوئٹہ پاکستان
البحر الرائق	امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی، متوفی ۷۱۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
الحاوی للفتاویٰ	امام جلال الدین عبد الرحمن سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
غنیۃ المتملی	علامہ محمد ابراہیم بن حلبی، متوفی ۹۵۶ھ	لاہور پاکستان
الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم الشہیر بابنِ نجیم، متوفی ۹۷۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
دُرِّ مختار	علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
رَدُّ المحتار	سید محمد امین ابنِ عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ

فتاویٰ رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان، متوفی ۱۳۴۰ھ	رضا فاؤنڈیشن لاہور پاکستان
بہارِ شریعت	مفتی محمد امجد علی اعظمی، متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی
کتب التصوف		
الفتوحات المکیۃ	شیخ ابو عبداللہ محمد محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
الحدیقۃ الندیۃ	عبد الغنی بن اسماعیل نابلسی، متوفی ۱۱۴۳ھ	پشاور پاکستان
کتب السیرۃ		
مدارج النبوت	شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ	مکتبہ نوریہ رضویہ ۱۹۹۷ء
فیضانِ صدیقِ اکبر	اسلامک ریسرچ سینٹر دعوتِ اسلامی	مکتبۃ المدینہ کراچی
المواہب اللدنیہ	شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی، متوفی ۹۲۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۶ھ
فیضانِ فاروقِ اعظم	اسلامک ریسرچ سینٹر دعوتِ اسلامی	مکتبۃ المدینہ کراچی
کتب الاعلام		
الاکمال فی اسماء الرجال	امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، متوفی ۷۴۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۸ھ
اسد الغابۃ	امام عزالدین بن الاثیر ابو الحسن علی بن محمد الجزری متوفی ۶۳۰ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت
الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ	امام شیخ ابو جعفر احمد طبری، متوفی ۶۹۴ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۵ھ
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو عمر یوسف عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی، متوفی ۴۶۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۲ھ
تہذیب الاسماء واللغات	امام ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی، متوفی ۶۷۶ھ	دار الفکر بیروت
کتب التاریخ		
ابنِ عساکر	ابو القاسم علی بن الحسن شافعی، متوفی ۵۷۱ھ	دار الفکر بیروت
تاریخ الخلفاء	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی شافعی، متوفی ۹۱۱ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی
تاریخ طبری	ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ	دار ابنِ کثیر بیروت ۱۴۲۸
البدایۃ والنھایۃ	عماد الدین اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر دمشقی، متوفی ۷۷۴ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ
کتب المتفرقۃ		
ماثبت من السنۃ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ	فرید بک اسٹال لاہور
حیاتِ ناصر	شیخ یعقوب علی عرفانی	لاہور پاکستان
روحانی خزائن	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء

Go to Index

کتاب البریۃ	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
تریاق القلوب	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
خطبہ الہامیہ	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
اربعین نمبر 4	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
براہین احمدیہ	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
چشمۂ معرفت	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
انوار الاسلام	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
حقیقۃ الوحی	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
دافع البلاء	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
کشتیِ نوح	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
ایک غلطی کا ازالہ	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
ازالۂ اوہام	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
اتمام الحجۃ	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
کشف الغطاء	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
مجموعۂ اشتہارات	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	قادیان ۲۰۱۹ء
آئینۂ کمالاتِ اسلام	مرزا غلام احمد قادیانی، متوفی ۱۹۰۸ء	ربوہ پاکستان ۲۰۰۸ء
تحقیق ما للھند	ابوریحان محمد بن احمد بیرونی، متوفی ۴۴۰ھ	دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن
تحریکِ احمدیت	مولوی محمد علی	لاہور پاکستان ۱۹۳۱ء
کلمۃ الفصل	مرزا بشیر احمد	********
سیرت المہدی	مرزا بشیر احمد	********
الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ	عبد الرحمٰن بن محمد قاسم نجدی	**********
تذکرہ	**********	الشرکۃ الاسلامیۃ لمیٹڈ
ملفوظاتِ حضرت مسیح موعود	********	ربوہ پاکستان ۱۹۶۰ء
کتابِ مقدس پرانا اور نیا عہد نامہ	********	لاہور پاکستان

www.dawateislami.net

ہمارا عقیدہ

ہماراعقیدہ ہے کہ اسلام وہ دین ہے جسے اللہ پاک نے بنی نوعِ انسان کی حقیقی ہدایت و فلاح کے لیے متعین کر دیا ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾(پ٣،اٰلِ عمران:١٩)”ترجمۂ کنز العرفان:بیشک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔“ہمارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے پہلے تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین اسلام ہی تھا اور اب اُس کی آخری کامل تصویر اور قطعی تعبیر وہ دین ہے جو محمدِ مصطفی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم لائے ہیں۔اللہ پاک نے پوری انسانیت کے لیے یہ دین مکمل کر دیا ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (پ٦،المائدہ:٣)

ترجمۂ کنز العرفان:آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اب آخرت کی نجات اسلام کو بطورِ دین اپنانے اور محمدِ مصطفی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت پر صحیح ایمان لانے پر موقوف ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ(۸۵) (پ٣،اٰلِ عمران:٨٥)

ترجمۂ کنز العرفان:اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد(صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم)کی جان ہے!اس اُمّت میں کوئی بھی شخص جو میری نبوت(کی خبر)سنے،خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی،پھر وہ اس(دین)پر ایمان لائے بغیر مر جائے جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے تو وہ جہنمی ہوگا۔(مسلم،ص82،حدیث:386)ہدایت و فلاح کی حقیقی راہ صرف اسلام ہے،اس کے علاوہ دیگر تمام راستے حق و ہدایت سے دور ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام مذاہب میں فقط اسلام ہی ایسا مذہب ہے کہ جو نہ تو تنہا روحانیت پر زور دیتا ہے اور نہ ہی صرف مادیت پر بلکہ وہ انسان کی روح اور مادہ دونوں ہی کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور دنیا و آخرت دونوں کی اصلاح کا طریقہ بتاتا ہے۔

(میزان الادیان بالاسلام)

978-969-722-547-7
01013341

فیضانِ مدینہ محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی
UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278
www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net
feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net